
خواب گھروندہ
ٹوٹ نہ جائے
تنزیلہ ریاض

کچھ عشق تھا کچھ مجبوری تھی

''احمد کہہ رہا ہے' اس بار اپنی برتھ ڈے پر اسے برانڈ نیو زیرو میٹر اسپورٹس بائیک چاہیے۔''

ثانیہ نے کافی کا مگ میرے سامنے میز پہ رکھتے ہوئے مجھے احمد کی اس نئی فرمائش کے متعلق بتایا۔ احمد میرا اکلوتا بیٹا تھا اور بارہ سال کی عمر میں ہی ماشاء اللہ اس نے خوب قد کاٹھ نکال لیا تھا۔ میں نے کوئی رائے دینے کی بجائے ثانیہ کے چہرے کی طرف دیکھا اور اس کے نشست سنبھالنے کا انتظار کرنے لگا۔ یہ اس کی پرانی عادتوں میں سے ایک تھی۔ اسے خود تو چائے کافی جیسی چیزوں سے کوئی رغبت نہیں تھی' مگر میرے لئے وہ ہر روز شام کو بہت اہتمام سے کافی تیار کرتی تھی اور میرے کافی پینے کے دوران میرے پاس بیٹھ کر مگ کے خالی ہو جانے کا بھی انتظار کرتی تھی۔ اب بھی وہ میری ایزی چیئر کے بالکل سامنے پڑے فلور کشن پر بیٹھ گئی اور یہ میرے لئے بہت مشکل کام تھا کہ وہ میرے سامنے بیٹھی ہو اور میں اس کے چہرے کے علاوہ کہیں اور دیکھ سکوں۔

''تم نے کیا کہا کہ احمد کو؟'' میں نے مگ ہاتھ میں لے کر ثانیہ کو نظروں کے حصار میں لیتے ہوئے مسکرا کر دریافت کیا۔

''میں نے کیا کہنا تھا...... صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ بیٹا! تم بارہ جماعتیں مکمل کر لو۔ اس دوران میں بل کلنٹن سے بات کرتی ہوں کہ بھائی تمہاری بیٹی کی بھی ابھی شادی نہیں ہوئی اور میرا بیٹا بھی کنوارا ہے۔ کلنٹن صاحب رضامند ہو گئے تو تمہارے ہاتھ پیلے کر کے تمہیں امریکہ رخصت کر دوں گی...... سارے شوق سسرال جا کر پورے کرنا۔''

ثانیہ کے اس قدر سنجیدگی سے کہنے پہ میری ہنسی چھوٹ گئی۔ اسے اس طرح کے میٹھے میٹھے طنز کرنے میں کمال حاصل تھا۔

"تم بھی ثانیہ......" میں نے اپنا مخصوص جواب دیا پھر اس کے چہرے پہ پھیلی چمکیلی مسکراہٹ سے ڈھیروں توانائی حاصل کرتے ہوئے بولا۔

"احمد نے کیا جواب دیا اس پرپوزل کا؟"

احمد نے وہی جواب دیا جو ابھی آپ نے کہا ہے......ممی آپ بھی نا۔"

میرے چہرے پہ ایک بار پھر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ویسی ہی مسکراہٹ جو کامیاب اور مطمئن زندگی گزارنے والوں کے چہرے پہ ہمہ وقت نظر آتی ہے۔ میں نے اس کامیابی پہ رب کا شکر ادا کیا اور دل میں اعتراف کیا کہ یہ ساری کامیابی' یہ ساری چمک دمک جو میری زندگی کو گلزار بنائے ہوئے تھی' اسی ایک عورت کی مرہون منت تھی جس سے مجھے بہت محبت تھی۔

"علی!" ثانیہ نے میری محویت کو توڑا۔

"جی علی کی جان!" میں نے گہری سانس بھر کر کہا۔

"کیا سوچ رہے ہیں؟" اس کی بات سن کر میں مسکرا دیا پھر سامنے دیوار پہ لگی احمد کی بڑی سی تصویر کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"سوچ رہا ہوں کہ اگر مسٹر کلنٹن نے مثبت جواب دے دیا تو ہمیں کتنی تیاریاں کرنی پڑیں گی۔ تم نے سمدھی بھی اپنی ٹکر کا چنا ہے۔ اب ولیمہ کے ڈنر میں یورپی یونین' یو این اے' جی ایٹ اور مڈل ایسٹ کے ممالک کے سربراہان' سب ہی کو مدعو کرنا پڑے گا۔"

میں نے بھی لطیف سے انداز میں کہا' لیکن اس کی سنجیدگی میں کوئی فرق نہیں آیا' جھٹ سے بولی۔

"میں مارک وا' جیک کیلس اور وین ڈیم کو بھی مدعو کروں گی۔"

"ٹھیک ہے پھر میں بھی ڈیمی مور' جولیا آرام اور لیلیٰ علی کو بلواؤں گا۔"

میں نے کہا تو اس نے منہ بسور کر مجھے دیکھا پھر ہم دونوں ہی ہنس دیے۔

"علی......! یہ چکر کیا ہے...... آج کل آپ کا موڈ کافی اچھا رہنے لگا ہے...... میری ہر بات اتنے آرام سے مان لیتے ہیں......کوئی فرمائش کروں تو فوراً پوری کر دیتے ہیں...... مجھے خیریت نہیں لگ رہی...... آج کل کوئی پرانی گرل فرینڈ وغیرہ سے تو نہیں مل رہے آپ؟"

وہ سنجیدہ نہیں تھی' مگر اس نے چہرے پہ بلا کی سنجیدگی طاری کر رکھی تھی۔

"ارے یار! اب کہاں رہی کوئی گرل فرینڈ...... کسی زمانے میں ہمارے پیچھے ایک لمبی قطار ہوتی تھی حسینوں کی' ماہ جبینوں کی......لیکن پھر......"

میں نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

"لیکن پھر......؟" وہ بھنویں اچکا کر بولی۔

"پھر میری زندگی میں ایک سنڈریلا آ گئی......اس کے میرے زندگی میں آ جانے سے زندگی اتنی مکمل ہو گئی کہ پھر کبھی کہیں اور دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔" اب میری آنکھوں میں کچھ ایسے رنگ ابھر آئے

کہ ثانیہ کے چہرے پہ پیاری سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"سٹھیا گئے ہیں حضور...... بڑھاپے کی نشانیاں ہیں۔" اس کی جھینپی ہوئی آواز نے میرے چہرے کی مسکراہٹ کو مزید شریر کر دیا۔

"بوڑھا کہاں ہوں یار! ابھی تو میں جوان ہوں۔ بلکہ میرا مشورہ مانو تو احمد کے ساتھ ساتھ میرے لیے بھی کسی شاہی خاندان میں کوئی رشتہ تلاش کر لو۔"

میں نے اسے چڑانے کی کوشش کی اور وہ چڑ بھی گئی۔

"ماشاء اللہ' آپ کی سوچ کی پرواز تو کنکارڈ سے بھی تیز ہے۔ اپنے دماغ پہ اتنا بوجھ مت ڈالیے کہ اس پر موجود انڈوں کی ٹوکری دھڑام سے نیچے آ گرے۔"

وہ ناک چڑھا کر بولی۔

"باتیں بہت کرنا آتی ہیں تمہیں مگر کام کوئی نہیں کرنا آتا۔ چلو ادھر آؤ' میرا سر دباؤ۔ انڈوں کی ٹوکری اٹھائے اٹھائے درد کرنے لگا ہے۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ وہ میرے قریب آ کر دھیرے دھیرے نرمی سے میرا سر دبانے لگی۔ میں نے آنکھیں موند کر کرسی کی پشت سے سر ٹکا دیا۔ سکون میرے وجود میں سرایت کرنے لگا۔

"ثانیہ!" میں نے آہستگی سے اسے پکارا۔

"جی......!"

"ثانیہ وہی سونیٹ سناؤ نا کیٹس کو جو تمہیں بہت پسند ہے۔" میں نے اپنی پیشانی پہ دھرے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اس کی ہنسی کی جلترنگ میرے اردگرد سنائی دی۔

"علی! آپ جانتے ہیں نا مجھے شاعری بالکل سمجھ میں نہیں آتی۔" اس نے کہا تھا۔ میں بھی خاموش سا ہو گیا۔ وہ میز پہ پڑے خالی مگ کو لے کر باہر کی سمت چل دی اور میں نے دوبارہ سے سر کرسی کی پشت پہ ٹکا دیا۔ میرے سینے میں کرب کی ہلکی سی رمق نے جھلک دکھا کر درد کو دل کی سرحد تک پھیلا دیا تھا۔ میرے ہونٹوں پہ مسکراہٹ تھی مگر نجانے کیوں آنکھوں کی سرزمین پہ نمی کی بوندیں چمکی تھیں۔

ثانیہ بہت آہستگی سے میرے دوزانو پہ سر رکھے یہ سونیٹ گنگنا رہی تھی۔

میں نے ثانیہ کو پہلی مرتبہ ایک بزنس ڈنر میں دیکھا تھا۔ وہ اس حسین شام کی سب سے حسین لڑکی تھی۔ حالانکہ وہ کوئی بزنس ٹائیکون نہیں تھی مگر پھر بھی وہ اس ڈنر میں کسی بزنس ٹائیکون کی طرح مرکز نگاہ بنی ہوئی تھی کیونکہ وہ وہاں پہ موجود تمام خواتین سے زیادہ خوبصورت اور کم عمر تھی۔ اس کے چہرے پہ عجب سی تازگی تھی جو اس کی پوری شخصیت کو ملاحت بخش رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ سب لوگ ہی اس سے تعارف حاصل کرنے کے بہانے ڈھونڈ رہے تھے۔ میں نے کن اکھیوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے ایک نظر اس سے کچھ فاصلے پہ کھڑے اشعر زیدی پہ ڈالی جو حیدر کیانی سے بات کر رہا تھا مگر نظریں اس کی بھی اسی پری وش پہ تھیں۔

"اگر اشعر اس لڑکی کی طرف دیکھ رہا ہے تو آج کی شام یہ لڑکی کسی اور کی طرف نہیں دیکھ پائے گی۔"

میں نے اشعر کی شاندار شخصیت پہ رشک کرتے ہوئے سوچا تھا۔ وہ میرا بہترین دوست اور ڈیڈی کے بزنس پارٹنر شہریار زیدی کا بیٹا تھا۔ ہم دونوں ہی لڑکپن سے اس قسم کے بزنس ڈنر اٹینڈ کرنے کے عادی تھے‘ کیونکہ ہم دونوں ہی اپنے اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھے اور انکل زیدی کی طرح ڈیڈی بھی چاہتے تھے کہ ہم بزنس کے اصولوں کو جلد از جلد سیکھیں اور بزنس کی اس فیلڈ میں ان کے تعلقات کو مزید بڑھاتے چلے جائیں۔ اس نے بیکن ہاؤس سے پڑھا تھا جبکہ میں نے ابتدائی تعلیم ایچی سن سے لی تھی مگر LUMS میں ہمسٹر جونیئر تھا۔ اس کے باوجود ہمارے درمیان بہت گہری دوستی تھی۔ اس زمانے میں بھی اشعر کی گرل فرینڈز کی لسٹ بہت لمبی ہوا کرتی تھی۔ بہت سی لڑکیاں جنہیں میں دور دور سے دیکھ کر خوش ہوتا تھا‘ وہ نہ صرف ان سے دوستی کر لیتا تھا بلکہ دھڑلے سے ان کے ساتھ تفریحات بھی کیا کرتا تھا جبکہ میں ان حسین دوستیوں کو صرف کلاس روم تک یا لانز تک محدود رکھتا تھا کیونکہ اس سے زیادہ کی اجازت مجھے ڈیڈی نے کبھی دی ہی نہیں تھی۔

انکل زیدی اس معاملے میں بہت آزاد خیال انسان تھے۔ انہوں نے اشعر پہ کبھی کوئی پابندی نہیں لگائی تھی۔ اشعر کی وجہ سے میں نے لمز میں کافی اچھا وقت گزارا تھا اور اسی اچھے وقت کو میں بزنس کی اس فیلڈ میں آ کر بہت مس کرتا تھا کیونکہ اس فیلڈ میں لڑکیاں کم تھیں اور جو تھیں وہ بھی آپا نما خواتین ٹائپ تھیں‘ اسی لیے میں اس قسم کے بزنس فنکشنز میں آ کر بہت بور ہوتا تھا۔ اشعر اس معاملے میں بھی دو قدم آگے تھا۔ اسے ہر فنکشن میں شرکت کرنے کی اور اپنی زبردست شخصیت سے دوسروں کو مبہوت کرنے کی عادت تھی۔ میں چونکہ اس کا بیسٹ فرینڈ تھا اور اس کی سزا مجھے یہ ملتی تھی کہ وہ ہر فنکشن میں مجھے بھی گھسیٹ لیتا اور پھر خود تو راجہ اندر بنا انجوائے کرتا رہتا جبکہ میں ڈیڈی کی عقابی نظروں کی وجہ سے راجہ اندر کے عام درباری کی طرح صرف ”گھورنے“ پہ اکتفا کر لیتا۔

اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ میں کوئی چھچھورا یا بدتمیز قسم کا لڑکا تھا بلکہ میں ایک باوقار‘ شاندار شخصیت کا مالک تھا اور میں کچھ اس ادا سے تاکنے جھانکنے کا یہ قومی فریضہ سرانجام دیتا تھا۔ کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی تھی۔ میں آج کے اس ڈنر میں بھی اشعر کی ضد کی وجہ سے شریک ہوا تھا اور پھر ڈیڈی کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ ہماری جانب سے کسی کو ضرور شریک ہونا چاہیے‘ اسی لیے میں اشعر پر درپردہ احسان کرتے ہوئے آ گیا تھا۔ اشعر میرے گھر پہ آیا تھا مجھے لینے کے لیے اور پھر ہم ایک گاڑی میں ہم دونوں یہاں آئے تھے۔

”میری دعا ہے کہ بزنس کی فیلڈ میں زیادہ سے زیادہ خوبصورت لڑکیاں آئیں تا کہ اس خشک فیلڈ میں بھی کچھ رونق ہو۔“

گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اس نے شرارتی انداز میں کہا تھا۔ اس کا اشارہ خوبصورت اور کم عمر لڑکیوں کی طرف تھا۔

”تمہارے لیے تو ہر جگہ رونق ہے کیونکہ تمہیں تو ہر جگہ کوئی نہ کوئی خوبصورت لڑکی مل جاتی ہے اور اگر نہ بھی ملے تو تم کسی نہ کسی ”آنٹی“ کی گود میں چڑھ کر لاڈ کرنے لگتے ہو۔“ میں نے اسے چڑانا چاہا تھا۔

”ارے یار! تجھے کیا پتا آنٹیز سے بھی فلرٹ کا اپنا ہی مزہ ہے۔“

اس نے مجھے جواب دیا تھا اور اب وہ بھی تمام آنٹیز کو بھلا کر اسی ماہتابی چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا جو

آج شام کا سب سے حسین چہرہ تھا۔ میں کولڈ ڈرنک کا گلاس ہاتھ میں لیے اس کے قریب آ گیا‘ تب تک حیدر کیانی کسی اور کی جانب متوجہ ہو چکا تھا۔

”مبارک ہو......خدا نے تمہاری سن لی۔“

میں نے اسے چھیڑا۔ وہ مسکراتے ہوئے اپنے جوتے کی نوک سے زمین کو کھرچ رہا تھا۔ میں جانتا تھا یہ اس کی پرانی عادت ہے۔ وہ جب کچھ سوچ رہا ہوتا یا کنفیوژ ہوتا تھا تو اسی طرح زمین کھرچتا تھا۔ اس کا ذہن یقیناً وہ ترکیب سوچ رہا تھا جس کے باعث وہ اس لڑکی سے تعارف حاصل کر سکتا۔

”میں نے ان کو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔“ میں نے سفید رنگ کے کپڑوں میں ملبوس اس لڑکی کے سراپے کو دیکھ کر اشعر سے کہا۔

”مجھے لگتا ہے ”ان کو“ کسی نے نہیں دیکھا۔ تب ہی تو سب ”ان کو“ ہی فوکس کیے ہوئے ہیں۔“

اس نے ”ان“ پر زور دیتے ہوئے مجھے شرمندہ کیا تو مجھے ہنسی آ گئی۔

”یہ ثانیہ کمال ہیں۔“ اس نے بتایا تو مجھے حیرانی نہیں ہوئی‘ اس کی پی آر بہرحال مجھ سے زیادہ تھی۔

”تمہیں کس نے بتایا؟“ میں نے سرسری سا سوال کیا۔

”حیدر نے۔“

”حیدر کو کس نے بتایا؟“ اب کی بار مجھے حیرانی ہوئی۔

”خوش قسمتی سے وہ اپنے اماں ابا کے ساتھ اس تقریب میں شریک ہے۔ اس کی اماں نے باقاعدہ تعارف کروایا ہے حیدر کا نہ صرف ثانیہ کے ساتھ بلکہ ان کی فیملی کے ساتھ بھی۔ یار علی! آج پہلی مرتبہ مجھے احساس ہو رہا ہے کہ جب لوگ یہ کہتے ہیں کہ اپنے بزرگوں کی انگلی پکڑ کر چلو تو اس کا کیا مطلب ہوتا ہے اور اس کا کتنا فائدہ ہوتا ہے۔“ وہ گہری سانس بھر کر مصنوعی افسردگی سے بولا۔

”ارے‘ اس میں منہ لٹکانے والی کیا بات ہے۔ چلو ہم بھی کسی سے کہہ کر تعارف حاصل کر لیتے ہیں۔“ میں نے مشورہ دیا۔

”نہیں۔“ اس نے قطعیت سے کہا پھر میرے چہرے پہ پھیلے تحیر کو دیکھ کر مسکرا کر بولا۔

”آج تم بہت ہینڈسم لگ رہے ہو......اس لیے آج نہیں......پھر کسی دن تعارف حاصل کر لیں گے مس ثانیہ کمال سے۔“

اس کی بات پہ میں نے زوردار قہقہہ لگایا تھا۔ ہمیں اسی طرح ایک دوسرے کو چڑانے کی عادت تھی۔ ہم ایک دوسرے کو چڑانے کے لیے بے وجہ کی لایعنی سی بحث میں کود پڑے اور جب ہمیں دوبارہ ثانیہ کمال سے ملنے کا خیال آیا تو وہ اپنی فیملی کے ساتھ وہاں سے جا چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

”تم کل ثانیہ سے ملے تھے؟“ ڈیڈی نے اگلے روز ناشتے کی میز پہ مجھ سے پوچھا۔ چھٹی کے روز ہم ناشتہ اکٹھے کرتے تھے۔ ڈیڈی نے ایس کے برادرز کی طرف سے دیے جانے والے کل کے ڈنر کی چیدہ چیدہ

باتیں سننے کے بعد اچانک سوال کیا تو میں کچھ محتاط سا ہو گیا۔ ڈیڈی شکی مزاج نہیں تھے مگر طبیعت کے سخت تھے۔ انہیں پسند نہیں تھا کہ ان کا بیٹا لڑکیوں کے ساتھ زیادہ دوستی رکھے' اسی لیے میں نے اپنی کسی گرل فرینڈ کو کبھی گھر نہیں بلایا تھا اور جن کو نمبر دیا تھا' ان کو بھی خاص طور سے تاکید کی تھی کہ رات دس بجے سے پہلے کبھی فون نہ کریں' اس لیے ڈیڈی کا یہ سوال مجھے چونکانے کے لیے کافی تھا۔

''کون' ثانیہ کمال؟'' میں نے نیپکن سے منہ صاف کرتے ہوئے مصنوعی تحیر سے پوچھا۔

میرے اس قدر لاتعلق نظر آنے پہ ممی مسکرائی تھیں۔ وہ میرے لیے چائے بنا رہی تھیں۔

''ثانیہ کمال...... اطہر کمال کی صاحبزادی...... میرے حلقہ احباب میں سے ہیں۔''

انہوں نے اخبار کا کامرس والا صفحہ نکالتے ہوئے سرسری لہجے میں کہا۔ مجھے یہ بات بھی حیران کر رہی تھی۔ کہ انہیں ثانیہ کمال کی ڈنر میں موجودگی کا کیسے پتا چلا شاید انکل زیدی نے فون پہ بتایا تھا انہیں یقیناً اشعر سے پتا چلا تھا کیونکہ اسے اسی طرح ہر بات انکل کے گوش گزار کرنے کی عادت تھی۔

''آپ کا حلقہ احباب تو ''نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر'' تک پھیلا ہوا ہے۔ مجھے کیا معلوم کہ ثانیہ کمال کون ہیں۔ اور کیا وہ کل کے ڈنر میں موجود تھیں۔''

میں نے ممی کے ہاتھ سے چائے کا کپ پکڑتے ہوئے کہا۔ وہ ابھی بھی مسکرا رہی تھیں۔ ڈیڈی نے اخبار سے نظریں اٹھا کر مجھے گھورا پھر دوبارہ اخبار پہ نظر جما کر بولے۔

''ثانیہ میرے حلقہ احباب میں شامل نہیں ہے۔ میں اس کے باپ کی بات کر رہا ہوں۔ دو ماہ قبل جب تم چین کی مارکیٹ میں بزنس کے لیے گئے ہوئے تھے' تب ہی میری اطہر کمال صاحب سے علیک سلیک بڑھی تھی۔''

''میرا خیال ہے اطہر کمال صاحب کل کے ڈنر میں موجود تھے۔ لیکن میری ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔''

میں نے بات پھر گول کی۔ ڈیڈی نے اب کی بار میری بات کا جواب نہیں دیا بلکہ انہوں نے اخبار کا آخری جائزہ لینے کے بعد اسے میز کے دوسری طرف رکھ دیا پھر ساری توجہ چائے کے کپ کی طرف مبذول کر کے بولے۔

''میں اطہر کمال کی نہیں' ان کی بیٹی ثانیہ کمال کی بات کر رہا ہوں۔'' میں خاموشی سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک بار پھر بولے۔

''وہی ثانیہ کمال جس نے زرد رنگ کا لباس پہنا ہوا تھا۔''

''وہ سفید لباس میں تھی ڈیڈی!'' میں نے ان کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے جس بے ساختگی سے کہا تھا' ڈیڈی کا قہقہہ بھی اسی بے ساختگی سے ابلا تھا۔ میرا پول کھل چکا تھا' ڈیڈی نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ چالاکی میں بھی میرے ڈیڈی ہیں۔ میں جھینپ سا گیا۔

''اچھی بچی ہے ثانیہ!'' ڈیڈی نے پہلی بار میرے سامنے اس طرح کسی ''بچی'' کو سراہا تھا۔ میں ان

کی کایا پلٹ پہ حیران ہو رہا تھا۔ وہ مجھے اطہر کمال صاحب کی فیملی کے متعلق بتانے لگے۔

اطہر کمال صاحب پہلے ملتان میں رہتے تھے۔ وہ بینکر تھے اور بزنس کی فیلڈ سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا مگر سال ڈیڑھ سال قبل وہ ملتان سے لاہور شفٹ ہوئے تھے اور انہوں نے ہمدانی گروپ کے ساتھ پارٹنر شپ میں اپنا بزنس شروع کیا تھا۔ وہ بزنس کی فیلڈ میں نو وارد تھے مگر بزنس کے اصولوں سے واقف تھے' اسی لیے جلد ہی وہ اچھے بزنس مین کی لسٹ میں آ گئے تھے۔ ان کا ایک بیٹا تھا جو امریکہ میں تھا اور ایک ہی بیٹی تھی جو اپنی خوبصورتی کے باعث کل کے ڈنر میں سب کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ یہ سب باتیں مجھے ڈیڈی نے بتائیں۔ کیوں بتائیں' یہ میں خود سمجھ نہیں پایا تھا۔

''بہت اچھی فیملی ہے بہت سلجھے ہوئے لوگ ہیں۔'' انہوں نے کہا تو میں نے خوامخواہ تائیدی انداز میں سر ہلایا۔ آخر وہ میرے والد محترم تھے اور میں ان کا فرمانبردار بیٹا۔

''ثانیہ نے اکنامکس میں ایم اے کیا ہے۔ ذہانت' شخصیت' اخلاق غرضیکہ ہر چیز میں بہترین ہے۔ تم اس سے مل چکے ہو۔''

(مل نہیں چکا' صرف دیکھا ہے۔ وہ بھی ایک بار) میں دل ہی دل میں کراہ کر بولا جبکہ ڈیڈی یہ کہہ رہے تھے۔

''میں چاہتا ہوں تم اس سے بار بار ملو' اس کے بارے میں سنجیدگی سے سوچو۔ وہ ایک اچھی لڑکی ہے۔''

میں نے حیرت سے ڈیڈی کی طرف دیکھا۔ وہ مجھے خود ایک لڑکی سے ملنے کی اجازت دے رہے تھے۔ میں جذباتی ہونے ہی لگا تھا کہ وہ بولے۔

''تم نے زندگی میں کبھی کوئی غلط فیصلہ نہیں کیا' کبھی کسی عام چیز کو اپنے لیے پسند نہیں کیا کیونکہ تم خود بہترین ہو اور تم نے ہمیشہ بہترین چیز ہی اپنے لیے چنی ہے۔ میں چاہتا ہوں تم لائف پارٹنر کا انتخاب کرتے وقت بھی اسی خوبی کو بروئے کار لاؤ۔ کیونکہ معیار کے معاملے میں نو کمپرومائز۔ بہترین لوگ صرف بہترین کا ہی انتخاب کرتے ہیں۔''

ڈیڈی نے خالصتاً کاروباری انداز میں کہا۔ ڈیڈی کا یہ اصول تو مجھے ہمیشہ ازبر رہتا تھا اور میں خود بھی اس اصول کو مدنظر رکھ کر فیصلہ کرنے کا عادی تھا لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے اس کا موقع کم ہی ملتا تھا۔ بچپن سے لے کر اب تک میں نے ہر چیز کا چناؤ ان کی مرضی کے مطابق کیا تھا۔ حتیٰ کہ اشعر کے ساتھ دوستی میں بھی مجھ سے زیادہ ان کی مرضی چلی تھی۔ لیکن لائف پارٹنر کا انتخاب میں اپنی مرضی کے مطابق کرنا چاہتا تھا۔ اس لمحہ میں بالکل بھول گیا کہ ثانیہ کمال کس قدر خوبصورت لڑکی ہے اور ڈیڈی مجھے کھلے دل سے اس طرحدار لڑکی سے دوستی اور میل جول کی اجازت دے رہے تھے۔

''میں نے اس بچی کو اپنی بہو کے طور پر پسند کیا ہے علی!'' بالآخر انہوں نے واشگاف انداز میں اپنی خواہش کا اظہار کر دیا تھا۔

''ممی! مجھے غور سے دیکھیں۔ آپ کو نہیں لگتا کہ میں کافی بڑا ہو چکا ہوں اور آپ کو نہیں لگتا کہ آپ کے شوہر نامدار کا میری زندگی کے معاملات میں کچھ زیادہ ہی عمل دخل ہے۔''

ڈیڈی کے ڈرائنگ روم سے نکلتے ہی میں نے ممی سے کہا تھا۔ وہ اب بھی مسکرا رہی تھیں۔

اپنے کمرے میں آتے ہی میں نے اشعر کا نمبر ملایا۔

''ڈیڈی نے میری بیوی ڈھونڈ لی ہے۔'' اس کے فون پہ آتے ہی میں نے اطلاع دینے والے انداز میں کہا۔

''تمہاری بیوی کہیں کھو گئی تھی کیا؟'' اس کے بتیس دانت مجھے فون پہ بھی صاف نظر آ رہے تھے۔

''اشعر! تو دنیا کا خبیث ترین انسان ہے اور میں تجھ سے شدید نفرت کرتا ہوں۔'' میں نے جھنجھلا کر کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔

☆ ☆ ☆

''انکل کو ہر کام وقت سے پہلے کرنے کی عادت ہے۔ وہ بہت چھوٹی عمر سے ہر چیز پہلے سے پلان کر لیا کرتے تھے۔ ایک بار ڈیڈی مجھے بتا رہے تھے کہ انکل نے شادی سے پہلے ہی ہونے والے بچے کا نام سوچ لیا تھا پھر جب ان کی شادی ہوئی اور تم دنیا میں تشریف لائے تو انکل نے فون پہ ڈیڈی کو یہ نہیں کہا تھا کہ میرے یہاں بیٹا ہوا ہے بلکہ یہ کہا تھا کہ میرے یہاں علی ہوا ہے۔''

اشعر کے اس طرح سے ایک بات یاد دلانے پہ میری ہنسی چھوٹ گئی کیونکہ وہ غلط نہیں کہہ رہا تھا۔ ڈیڈی کی عادت سے سب واقف تھے۔ ان کی دور اندیشی کی یہ عادت مجھے کبھی کبھی بہت شرمندہ کرواتی تھی۔

''ایک بات کہوں علی!'' اشعر نے اورنج جوس کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔ ہم دونوں جیم خانہ کے سوئمنگ پول کے کنارے بیٹھے تھے۔

''لڑکی اچھی ہے۔'' اس نے میری طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ بہت احتیاط سے بات کر رہا تھا۔ حالانکہ لڑکیوں کے بارے میں بات کرتے ہوئے اور ان کے بارے میں ریمارکس دیتے ہوئے وہ کسی ادب' کسی اصول کو ماننے کا روادار نہیں ہوتا تھا۔ ثانیہ کمال کو شاید وہ دل ہی دل میں اپنی ''متوقع بھابھی'' تسلیم کر چکا تھا' اسی لیے بات کی ابتدا میں ہی اس کا لہجہ کافی محتاط تھا۔ میں خاموشی سے اورنج جوس کے گھونٹ بھرتا رہا۔

''تمہارے ڈیڈی نے اس بار بھی تمہارے لیے ''بہترین'' کا انتخاب کیا ہے۔ تمہیں ثانیہ کمال جیسی لڑکی اس سرکل میں نہیں ملے گی۔ منفرد ہے اور مختلف بھی۔ میرا مطلب سچ مچ بہترین...... میں اپنے ڈیڈی سے کہوں گا وہ تمہارے ڈیڈی سے سبق سیکھنے کی کوشش کریں۔'' وہ گھونٹ گھونٹ جوس اپنے اندر منتقل کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اس کے انداز مجھے حیران کرنے کے لیے کافی تھے۔

''میرے ڈیڈی انکل کمال کو نو دس ماہ سے جانتے ہیں۔ مجھے بھی کئی بار ان سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔ بہت شاندار شخصیت کے مالک ہیں۔ ان کی طبیعت میں بہت شفقت بہت ملنساری ہے۔ آج کل کے زمانے میں اتنے اخلاق والے لوگ کہاں ملتے ہیں۔''

مجھے اس کے اس تعریفی بیان پہ ہنسی آنے لگی۔

''اشعر! مجھے انکل کمال سے شادی نہیں کرنی ثانیہ کمال سے کرنی ہے۔'' میں نے اسے چھیڑنے والے انداز میں کہا تو اس نے مجھے گھور کر دیکھا پھر تپ کر بولا۔

''پیرنٹس اچھے ہوں تو اولاد بھی اچھی ہوتی ہے۔ اگرچہ تمہیں دیکھ کر اس بات پہ یقین کرنے کو دل نہیں کرتا مگر جن کی بات میں کر رہا ہوں' وہ سچ مچ اس ضرب المثل پہ پورے اترتے ہیں۔''

میرے چہرے پہ پھر استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی جس کو اہمیت دیے بغیر اس نے بات جاری رکھی۔

''میں ابھی تک ثانیہ کمال سے ایک بار ملا ہوں اور میں کافی متاثر ہوا تھا۔ یار علی! ظاہری خوبصورتی اتنی اہم نہیں ہوتی' اصل خوبصورتی کردار کی ہوتی ہے' سیرت کی ہوتی ہے اور...... ثانیہ کمال میں یہ خوبصورتی بدرجہ اتم موجود ہے۔'' وہ لمحہ بھر کو رکا پھر بولا تو مجھے مزید حیران کرنے لگا۔

''اس رات ڈنر میں جب تم نے کہا تھا کہ آؤ ہم بھی تعارف حاصل کر لیتے ہیں تو میں نے تمہیں روک دیا تھا...... اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لڑکی بہت مضبوط' ٹھوس قسم کا معیار اپنے گرد قائم رکھتی ہے۔

اسے ہر انجان شخص سے مسکرا کر گرمجوش طریقے سے ملنے کی عادت نہیں ہے۔ وہ سوشل بٹر فلائی نہیں ہے' بہت کم فنکشنز میں آتی ہے اور صرف اپنے پیرنٹس کے ساتھ آتی ہے۔ اس روز اگر ہم اس سے تعارف حاصل کرنے کی کوشش کرتے تو شاید وہ ہماری طرف دیکھنا بھی پسند نہیں کرتی۔''

''اشعر...... یار! تم اس سے پہلی بار اسی ڈنر میں ملے تھے نا؟'' میں نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا کیونکہ اس ڈنر میں وہ میری موجودگی میں ثانیہ کمال سے نہیں ملا تھا اور اگر وہ اس کو اور اس کی فیملی کو پہلے سے جانتا تھا تو اس روز ڈنر میں اس قدر لاتعلقی کیوں ظاہر کر رہا تھا۔

''نہیں' میں پہلے بھی ایک بار کمال فیملی سے ملا تھا' تب ڈیڈی اور مما بھی ساتھ تھے۔ اب پلیز اس بات پہ لڑکیوں کی طرح ناراض نہ ہو جانا کہ تمہیں پہلے کیوں نہیں بتایا۔''

اس نے میرے ہر اعتراض کو گویا چند لفظوں میں ختم کر دیا اور ایک بار پھر ثانیہ کمال کے بارے میں بات کرنے لگا۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ میں ہر لڑکی کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات کر سکتا ہوں مگر ثانیہ کمال جیسی لڑکیوں سے بات کرتے ہوئے میرا اعتماد ڈگمگا جاتا ہے۔ وہ بہت پر اعتماد لڑکی ہے مگر اس کے انداز میں بے باکی نہیں ہے بلکہ ایک جھجک ہے۔ حیا ہے۔ جو بہت چارمنگ لگتی ہے۔''

''اشعر...... کتنے روپے لیے تم نے ڈیڈی سے؟''

اس کے خاموش ہو جانے پہ میں نے اطمینان سے طنز کا تیر چلایا۔ مجھے یاد آ رہا تھا کہ جب ڈیڈی نے میری مرضی کے بغیر میرا ایڈمیشن لمز میں کروا دیا تھا تب اشعر نے چکنی چپڑی باتیں کر کے مجھے وہاں کلاسز لینے پہ مجبور کیا تھا اور اس بات کے تقریباً ایک ماہ بعد اس نے مجھے بتایا تھا کہ مجھے رضامندی کرنے پہ میرے ڈیڈی نے انعام کے طور پہ اس کی گاڑی کا پیٹرول کا خرچہ ایک سال تک اٹھانے کی ذمہ داری قبول کی تھی۔ میں نے یہ بات اسے یاد دلائی تو وہ سلگ اٹھا۔

''علی کے بچے......ذلیل......خبیث......کمینے......بکواس نہیں کر رہا ہوں......سچ کہہ رہا ہوں......
انکل نے حقیقتاً......''

''انکل نے حقیقتاً میرے لیے ایک بہترین لڑکی چنی ہے......یہی نا......ارے اب تو مجھے زبانی یاد ہو گیا کہ میرے لیے ایک بہترین لڑکی چنی گئی ہے۔''

میں نے اس کی بات کاٹ کر طنزیہ انداز میں کہا۔ اس نے گہری سانس بھری پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔

''اب میری بات کا غلط مطلب مت سمجھنا لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر میں بھی تمہاری طرح اٹھائیس سال کی اس بالی عمریا میں شادی کرنے کا ارادہ کرتا یا مجھ میں ہمت ہوتی کہ شادی کر کے اپنی چالیس پچاس حسین گرل فرینڈز سے ایک جھٹکے میں ہاتھ دھولوں تو یقیناً......میں ثانیہ کمال جیسی کسی لڑکی سے شادی کرتا۔''

وہ زچ ہو چکا تھا۔ میرے چہرے پہ بھی مسکراہٹ بکھر گئی۔

''شکل دیکھی ہے اپنی......تم یقیناً ثانیہ کمال جیسی کسی لڑکی سے شادی کرتے مگر وہ کبھی تم سے شادی نہ کرتی کیونکہ وہ بہت خوبصورت ہے۔''

میں نے اسے چڑانا چاہا لیکن وہ بھی اپنے نام کا ایک تھا فوراً بولا۔

''ہاں' وہ بہت خوبصورت ہے اور خوبصورت لڑکیاں بے وقوف ہوتی ہیں' اس لیے وہ تم سے شادی کرتی۔''

میں نے زوردار قہقہہ لگایا۔ اشعر بھی میری اس ہنسی میں شامل تھا۔

☆ ☆ ☆

''اطہر کمال صاحب اور ان کی فیملی آج ڈنر پہ آرہے ہیں۔''

میں آفس سے گھر آیا تو ممی نے بتایا۔ یہ ڈنر ڈیڈی کی طرف سے خالصتاً تعلقات بڑھانے کے لیے منعقد کیا گیا تھا۔ میں ممی سے اس ڈنر کے متعلق سن کر اندر ہی اندر کچھ پر جوش ہو گیا تھا۔ مجھے خود بھی ان محترمہ سے ملنے کا کافی شوق ہو رہا تھا۔ جن کی تعریف میں میرے ڈیڈی اور میرا عزیز دوست ہر وقت رطب اللسان رہنے لگے تھے۔ اپنے بیڈروم میں آکر میں نے اپنے لیے بہترین قسم کے کپڑوں کا انتخاب کیا۔ ان دنوں مجھے نیا نیا گلاسز لگانے کا شوق ہوا تھا۔ سنہری فریم کا وہ چشمہ مجھ پہ سوٹ بھی بہت کرتا تھا۔ میرا موڈ کافی خوشگوار ہو چکا تھا لیکن ڈیڈی کے سامنے میں نے سنجیدگی کے خول کو برقرار رکھا۔ آٹھ بجے سے کچھ دیر پہلے وہ لوگ تشریف لے آئے۔ اس ڈنر کے دوران مجھے احساس ہوا کہ ڈیڈی کی کمال فیملی کے بارے میں رائے سو فیصد درست تھی۔ انکل کمال کی طبیعت میں بے حد ملنساری اور عاجزی تھی۔ آنٹی کمال محبت اور شفقت کا اعلیٰ نمونہ تھیں جبکہ ان کی بیٹی ثانیہ سچ مچ ذہانت اور خوبصورتی میں بے مثال تھی۔ انکل نے اپنی گفتگو سے محفل کو زعفران زار بنائے رکھا جبکہ آنٹی کمال مکمل طور پر ایک گھریلو خاتون تھیں۔

ڈیڈی نے ہم دونوں کا تعارف کروایا اور تعارف کی ابتدا سے ہی مجھے سمجھ میں آگیا کہ اشعر' ثانیہ کمال

کی اتنی تعریف کیوں کرتا تھا۔ اس کی شخصیت میں سچ مچ ایک پراعتماد قسم کی حیا تھی جو اس کی شرافت کو ظاہر کرتی تھی۔

اس کے انداز میں شائستگی اور اس کی گفتگو میں برجستگی تھی۔ اس نے اکنامکس میں ایم اے کیا تھا لیکن وہ ادب اور آرٹ کے بارے میں بھی بہت کچھ جانتی تھی۔ اس کی معلومات کا دائرہ بے حد وسیع تھا' اس کے علاوہ اپنی ماں کی وجہ سے گھریلو امور میں بھی طاق تھی۔ اس کے ساتھ گزارے گئے ذرا سے وقت میں ہی میں اس کے سحر میں گرفتار ہونے لگا تھا' وہ بہت دیر تک ڈیڈی کے ساتھ کسی نئے ٹینڈر کی کوٹیشن کے بارے میں باتیں کرتی رہی پھر ممی کے ساتھ کچن میں جا کر مکسڈ سبزی اور فرائیڈ رائس کے آخر مراحل میں مدد دینے لگی۔

کھانا بہت اچھے ماحول میں کھایا گیا۔ اگرچہ میں اور ثانیہ براہ راست بہت کم مخاطب ہوئے مگر پھر بھی مجھے اس ڈنر میں بہت مزہ آیا اور مجھے بھی اس چائے میں بہت ذائقہ محسوس ہوا۔ کھانے کے بعد ممی کے کہنے پہ میں نے ثانیہ کو اپنا گھر دکھایا۔ ڈیڈی کی لائبریری ممی کی پینٹنگز اور اپنا میوزک کلیکشن اس نے سب چیزوں کو دل کھول کر سراہا اور سب سے بڑھ کر وہ ہر موضوع پر بلا تکان گفتگو کر سکتی تھی۔ وہ ڈیڈی کے ساتھ ادب پہ بات کرنا شروع ہوئی تو شیکسپیئر کے ڈراموں' موپساں کی اسٹوریز' بلھے شاہ کی کافیوں اور خیام کی رباعیوں تک کو کھنگال ڈالا پھر ممی کے ساتھ ڈی ونچی' پکاسو کے آرٹ پہ روشنی ڈالنا شروع ہوئی تو کافی دیر تک ہر طرف خوشی ہی بکھری رہی۔ میں اس صورت حال سے کافی خوش تھا کیونکہ ممی ڈیڈی کے بعد میری باری آنے والی تھی۔ میں نے اسی سے نوے تک کی دہائی کے تمام پاکستانی' ہندوستانی اور برطانوی موسیقاروں اور گلوکاروں کی تاریخ ذہن میں دہرائی تاکہ اپنی معلومات سے اسے متاثر کر سکوں۔

''میوزک سے مجھے کوئی خاص دلچسپی نہیں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کون کہتا ہے خوبصورت لڑکیاں بیوقوف ہوتی ہیں۔'' میں نے خود سے کہا تھا۔

ان لوگوں کے جانے کے بعد ممی ڈیڈی لاؤنج میں بیٹھ کر کافی دیر تک ان ہی کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ میں نے ہوں' ہاں کرنے کے علاوہ ان کی گفتگو میں زیادہ حصہ نہیں لیا۔ ڈیڈی کے انتخاب پہ اتنی جلدی سر تسلیم خم کرنا میری عادت نہیں تھی مگر ہمیشہ کی طرح میں نے دل میں یہ بات ضرور تسلیم کر لی کہ ڈیڈی کا انتخاب لاجواب ہے۔

☆ ☆ ☆

اس روز HANG-TEN سے نکلتے ہوئے میں نے ثانیہ کو دیکھا۔ میری طرح اس کے ہاتھ میں بھی شاپنگ بیگز تھے۔ ڈھلتی شام کی آخری سانولی سلونی کرنیں اس کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔ وہ شاید کافی دیر سے شاپنگ میں مصروف تھی کیونکہ اس کے چہرے سے تھکن ہویدا تھی۔ میرے اس کے بیچ چند قدموں کا فاصلہ تھا۔ میں دل ہی دل میں کچھ سوچتا رہا پھر میں نے فیصلہ کرنے کے بعد یہ فاصلہ چند لمحوں میں طے کر لیا۔ اس نے شاید مجھے دیکھا تھا' اسی لیے مجھے دیکھ کر وہ کچھ حیران سی ہو گئی۔ رسمی علیک سلیک کے فوراً بعد میں نے اسے کافی کی آفر کی۔

''مجھے کافی پسند نہیں ہے...... کولڈ ڈرنک یا آئس کریم کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

اس نے آفر قبول کر لی مگر وہ کافی نہیں پینا چاہتی تھی۔ ثانیہ کی بجائے اگر کوئی اور لڑکی ہوتی تو شاید میں اس بات پہ ناک بھوں چڑھاتا۔ (ان دنوں پاکستان میں کافی اتنی کثرت سے استعمال نہیں ہوتی تھی) اور لمحہ بھر سے بھی پہلے اس کو دیہاتی قرار دیتے ہوئے ''پروین بانو'' یا ''بلقیس خانم'' کا نام دے دیتا کیونکہ میں کافی ٹرینڈی واقع ہوا تھا مجھے اپنے جیسے ہی لوگ پسند تھے۔ لیکن اب ثانیہ کے اس طرح سے کہنے پہ میں بھی کافی کی بجائے کولڈ ڈرنک کے لیے راضی ہو گیا۔

''مجھے ابھی پورٹ پوری سے مزید کچھ چیزیں خریدنی ہیں۔'' اس نے میرے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کہا۔ ہم پورٹ پوری آ گئے۔ وہ سات آٹھ سال کے بچے کی دلچسپی کی کچھ چیزیں خریدنے لگی۔ اس دوران اس نے میری پسند کو مدنظر رکھتے ہوئے خریداری کی۔ ہر چیز کو پسند کرنے سے پہلے اس نے میری رائے لی اور اس کی یہ ادا مجھے بہت بھا رہی تھی۔ مجھے اس کے ساتھ شاپنگ کرنے میں بہت مزہ آیا۔ ہم واک کرتے ہوئے ایک اوپن ائیر ریسٹورنٹ میں آ گئے۔ لیچی کے جوس کے ساتھ چیز سینڈوچ کا آرڈر دے کر ہم ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔ میں نے اسے وہ شرٹس دکھائیں جو میں نے اشعر کو اس کی سالگرہ پہ گفٹ کرنے کے لیے خریدی تھیں، پھر وہ اپنے لیے خریدے گئے پرفیوم، آڈیو کیسٹس دکھانے لگی۔ کولڈ ڈرنک پینے اور سینڈوچ کھانے کے بعد میں اسے اس کی گاڑی تک چھوڑ کر اپنی گاڑی تک آنے لگا تو وہ بولی۔

''میں شکریہ نہیں کہوں گی کیونکہ دوستوں میں شکریہ نہیں ہوتا۔''

میں مسکراتے ہوئے اپنی گاڑی تک آ گیا۔ وہ شام میری زندگی کی شاندار اور یادگار شام تھی۔

''میں بہت پہلے سے جانتا تھا کہ تم ہر بار کی طرح اس بار بھی بہت جلد انکل کی پسند پہ لبیک کہہ دو گے۔''

میں نے رات کو جب فون پہ اشعر کو یہ ساری باتیں بتائیں تو اس نے مجھے چڑاتے ہوئے کہا تھا مجھے اس کی بات پہ ہنسی آ گئی۔

میں نے مسکراتے ہوئے فون بند کر دیا۔ وہ غلط نہیں کہہ رہا تھا۔ میرے دل نے سچ مچ ڈیڈی کی پسند پہ لبیک کہہ دیا تھا۔ میرے ساتھ ہمیشہ ایسے ہی ہوتا تھا۔ ڈیڈی میری مرضی کے بغیر میری زندگی کے فیصلے کرتے، میں چیختا چلاتا، شور مچاتا، ان کی بات ماننے سے انکار کر دیتا مگر پھر نجانے کیسے میں خود بخود ان کی بات مان لیتا تھا۔ اسی طرح مجھے ثانیہ کمال بھی خود بخود اچھی لگنے لگی۔ اس میں وہ تمام خصوصیات موجود تھیں۔ جو ایک اچھی لڑکی میں ہونی چاہیں اور وہ خصوصیات جو میں اپنی ہونے والی بیوی میں دیکھنا چاہتا تھا۔ یہ ایک فطری سی بات ہے کہ آپ کسی کے بارے میں بہت زیادہ سوچنا شروع کریں تو آپ کو اس شخص کی عادت سی ہوتی چلی جاتی ہے۔ میرے ساتھ ایسا ہی ہو رہا تھا۔ مجھے ثانیہ کمال کی عادت ہوتی جا رہی تھی۔ ہم اکثر اوقات ہونے والی پارٹیز میں علیک سلیک سے آگے بڑھ کر گفتگو کرنے لگے۔ میں جتنا زیادہ اس کے بارے میں جان رہا تھا، اتنا ہی زیادہ اسے پسند کرنے لگا تھا۔ وہ سچ مچ ایک بہترین لڑکی تھی۔ میں عشق و محبت کی تعریف میں صفحات سیاہ نہیں کر سکتا

لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ میں ثانیہ کے لیے جو محسوس کرنے لگا تھا، وہ محبت کے سوا کچھ اور ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ میں ثانیہ کے سامنے اس محبت کا اظہار کرنا چاہتا تھا مگر مجھے ڈر تھا کہ اگر اس نے میری محبت کا جواب محبت سے نہ دیا تو کیا ہوگا۔ حالانکہ اگر میں ڈیڈی سے بات کرتا تو معاملہ خوش اسلوبی سے بزرگوں کے درمیان طے پا سکتا تھا۔ مگر میں اس سے پہلے ثانیہ سے ایک بار پوچھنا ضرور چاہتا تھا۔

☆ ☆ ☆

''مجھے یہ نظم بہت پسند ہے۔''

اس نے ہال کے بیچوں بیچ موجود آرکسٹرا کی مہارت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا تو میری جھنجلاہٹ میں مزید اضافہ ہو گیا۔ میں پچھتا رہا تھا کہ میں نے ثانیہ کو اس ہی ریسٹورنٹ میں کیوں لے آیا۔ ریسٹورنٹ کا انتخاب میں نے اپنی مرضی سے کیا تھا کیونکہ چند دن پہلے اشعر نے اپنی کسی گرل فرینڈ کے ساتھ اسی جگہ برتھ ڈے کا ڈنر کیا تھا اور اس نے مجھے خاص طور پہ ثانیہ کے ساتھ یہاں ڈنر کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ ریسٹورنٹ کا ماحول سچ مچ کمال کا تھا۔ خواب ناک ماحول نیم تاریکی میں جلتی ہوئی وہ تین موم بتیاں اور کسی کلاسیکل شاعر کی وہ رومینٹک انگلش نظم جو ہال کے درمیان میں کھڑا گلوکار گنگنا رہا تھا۔ گویا ہر چیز جو دو لوگوں کو ایک دوسرے کی آنکھوں میں گم کر سکتی تھی۔ موجود تھی۔ مسئلہ یہ تھا کہ ثانیہ کمال میری طرف متوجہ ہونے کی بجائے میوزک سے زیادہ محظوظ ہو رہی تھی۔ اس نے اپنی چیئر کا رخ بھی ذرا سا ترچھا کر لیا تھا کہ وہ نہ صرف یہ سب سن سکے بلکہ ان کی طرف دیکھ بھی سکے۔

''مجھے یہ نظم بہت پسند ہے۔'' اس نے تیسری بار یہی بات دہرائی تو میرا دل چاہا اپنے بال نوچ لوں۔

''ثانیہ!'' میں نے اسے بہت محبت سے پکارا۔

''ہاں۔'' وہ بدستور اس بے سرے گلوگار کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''اگر تم مجھے اتنی ہی توجہ سے سننے اور دیکھنے کی کوشش کرو تو مجھے یقین ہے کہ میں بھی تمہیں پسند آؤں گا۔'' میں نے جل کر کہا۔ اس نے گردن موڑ کر ذرا کی ذرا حیرت سے میری طرف دیکھا پھر آنکھیں سکیڑ کر مسکرا دی پھر بولی۔

''میں سمجھی نہیں؟''

''ارے یار! میری طرف بھی تو دیکھو تم تو مسلسل اس موٹے سنگر کو دیکھے جا رہی ہو۔ میں اتنی دیر سے برداشت کر رہا ہوں۔ لیکن اب نہیں بس اب میں ناراض ہوں تم سے۔''

میں نے دونوں کہنیاں میز پہ ٹکا کر چہرہ ہاتھوں میں رکھ لیا اور بالکل بچوں کی طرح خفا ہو کر بیٹھ گیا۔ ثانیہ کے چہرے کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

''اچھا بابا...... آئی ایم سوری...... اب نہیں دیکھوں گی اس کی طرف۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

''ہاں نہیں تو۔ قسم سے مجھے جلن ہونے لگی تھی۔ اس موٹے سے۔''

میں نے منہ پھلا کر کہا تو وہ ایک دم سے ہنس دی اور میرے چہرے پہ بھی مسکراہٹ بکھر گئی۔ ثانیہ کی

مسکراہٹ مجھے بہت پسند تھی۔ اور سب سے بڑھ کر مجھے اس کی یہ ادا بہت پسند تھی کہ وہ کسی بھی بات پر قہقہہ نہیں لگاتی تھی۔ مجھے زور زور سے ہنسنے والی لڑکیوں سے بہت چڑ ہوتی تھی۔

''سنو۔'' میں نے ایک بار پھر اسے پکار کر متوجہ کیا کیونکہ آرکسٹرا سے نظر ہٹانے کے بعد اب وہ اپنے ہاتھ میں موجود بریسلٹ سے کھیلنے لگی تھی۔ میرے پکارنے پہ اس نے میری طرف استفہامیہ انداز میں دیکھا۔

''میں کیسا لگ رہا ہوں۔'' میں نے اس کی توجہ اپنی ڈیڑھ گھنٹے میں کی گئی ''تیاری'' کی طرف مبذول کروانا چاہی' پھر اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر بولا کیونکہ وہ میرے بلیک ڈنر سوٹ کو گھاس ڈالنے کو تیار ہی نہیں تھی۔

''کم از کم تمہاری کلائی میں موجود اس بریسلٹ سے تو اچھا ہی لگ رہا ہوں۔ تم ایک بار میری طرف دیکھو تو سہی۔ آئی وش' میں یہ بریسلٹ ہوتا تا کہ کم از کم تم مجھے......'' میں خاموش ہو گیا۔ مجھے یکدم ہی احساس ہوا تھا کہ وہ میری بے تکلفی کا برا بھی مان سکتی ہے۔ میرے خاموش ہو جانے پہ وہ پھر سے اپنی بریسلٹ سے کھیلنے لگی۔

''یہ ریسٹورنٹ کافی اچھا ہے۔'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ بولی۔

''ہاں۔'' میں نے گہری سانس بھر کر کہا۔

''ایک میں ہی برا ہوں' باقی تو سب کچھ اچھا ہے۔'' اب کی بار یہ بات میں نے دل میں کہی تھی' اس سے کہنے کا فائدہ نہیں تھا۔

''علی! تم نے یہ تو بتایا نہیں کہ تم نے مجھے انوائٹ کیوں کیا ہے۔'' وہ مجھ سے پوچھ رہی تھی اور اس کی یہ بات سن کر مجھے احساس ہوا تھا کہ وہ کسی قدر کنفیوژ ہے اور میرے مسلسل دلچسپی سے اس طرح دیکھنے پہ وہ کچھ گھبرا رہی تھی۔

''تمہارا برتھ ڈے ہے۔'' میں نے اطمینان سے کہا تو وہ حیران ہوئی۔

''نہیں...... میرا برتھ ڈے تو دسمبر میں ہوتا ہے۔''

''اچھا...... پھر میرا برتھ ڈے ہوگا۔'' میں نے اسے نظروں کے حصار میں قید کرتے ہوئے کہا۔

''علی! کیا ہو گیا ہے تمہیں' طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔ مجھے تم ٹھیک نہیں لگ رہے؟'' تھک ہار کر اس بے چاری نے شکوہ کناں انداز میں کہہ ہی ڈالا۔ میں ہونٹ بھینچ کر اسے تکنے لگا پھر میں نے بہت بے چارگی سے بالوں میں ہاتھ چلایا تھا۔ میں کچھ زیادہ ہی اوور ہو رہا تھا مگر میں کیا کرتا وہ لگ ہی اتنی اچھی رہی تھی۔ میں نے جب سے اس کے ساتھ دوستی کو عمر بھر کی رشتہ داری میں تبدیل کرنے کا حتمی فیصلہ کیا تھا وہ مجھے اور بھی اچھی لگنے لگی تھی۔ اور آج تو اس کی سج دھج ہی نرالی تھی۔ وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ اسی اثناء میں ویٹر کھانا سرو کرنے لگا جس کا آرڈر ہم نے کچھ ہی دیر قبل دیا تھا۔ وہ مسلسل چکن فرائیڈ رائس کی تعریف کرتی رہی جبکہ میں اسے بدمزہ قرار دیتے ہوئے اپنی آرڈر کی ہوئی بریانی کی تعریف کرتا رہا جو اس کو بالکل پسند نہیں تھی۔ کھانے کے بعد میں نے ٹرائفل اور اس نے آئس کریم کھائی۔

اس کے بعد میں نے اسے وہ نظم سنانے کے لئے کہا جس کے بارے میں اس نے اپنی پسندیدگی کا

اظہار کیا تھا۔ اس کے دھیمی سی آواز میں نظم سنانے کے دوران میں ہمت مجتمع کرتا رہا کہ وہ ننھی منی سی رنگ اسے دے دوں جو میں اس کے لیے خرید کر لایا تھا۔ اس کے بعد نجانے کیوں میں حوصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ اس کے بعد ہم ریسٹورنٹ سے باہر آ گئے۔ میں انکل کمال سے کہہ کر آیا تھا کہ میں ثانیہ کو ڈراپ کر دوں گا۔ اسی لیے وہ اپنی گاڑی نہیں لائی تھی۔

''علی! کچھ دیر واک کریں؟'' میں گاڑی کا دوراہ کھولنے لگا تو اس نے کہا تھا۔ میری تو دلی مراد پوری ہوئی تھی۔ ہم دھیرے دھیرے سنسان سڑک پہ ایک دوسرے کے قدم سے قدم ملا کر چلنے لگے۔ خنک ہوا کے باعث فضا میں بہت خوشگوار مسحور کن قسم کی سردی تھی جو بہت اچھی لگ رہی تھی اور سب سے بڑھ کر ثانیہ کا ساتھ جو میرے لیے بہت اہم تھا۔

''تم آج بہت اچھی لگ رہی ہو ثانیہ!'' میں نے ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر بالآخر کہہ ڈالا۔ اس کی ہنسی نے میرے حوصلے کو بڑھا دیا تھا۔ میں نے اپنے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر انگوٹھی کی اس ڈبیا کو محسوس کیا۔

''شکریہ نہیں کہوں گی۔''

''کیونکہ دوستوں میں شکریہ نہیں ہوتا۔'' میں نے ثانیہ کی بات کاٹ کر مسکراتے ہوئے کہا تو وہ بھی مسکرا دی پھر بولی۔

''اور اس لیے بھی کہ میں جانتی ہوں کہ میں اچھی لگ رہی ہوں۔''

میرے کوٹ میں موجود ڈبیا پہ میرے ہاتھ کی گرفت اور بھی سخت ہوئی۔ ہم نے اب واپس گاڑی کی سمت چلنا شروع کر دیا تھا۔ گاڑی کے قریب پہنچ کر ہم دونوں ہی گاڑی کے دروازے سے پشت لگا کر کھڑے ہو گئے۔ شعبان کے چاند نے آج چودھویں سیڑھی پہ قدم رکھا تھا اور اس کی آب و تاب دیکھنے کے قابل تھی۔

''مجھے کیٹس کا ایک سونیٹ بہت پسند ہے۔'' چاند کو تکتے تکتے وہ اچانک بولی تھی پھر میرے کہے بغیر اس نے وہ سونیٹ گنگنانا شروع کیا۔ اس کی آواز بہت خوبصورت تھی اور اس سناٹے میں اس کی آواز اور بھی مسحور کن لگ رہی تھی۔ سونیٹ کے اختتام پہ وہ مجھے اس شاعر کے متعلق بتانے لگی۔ اس کے بعد اس نے اس سونیٹ کے مرکزی خیال کو اپنے لفظوں میں واضح کرنے کی کوشش کی اور یہ میرے لیے کافی فائدہ ثابت ہوا کیونکہ مجھے شاعر یا شاعری جیسی چیزوں سے کبھی کوئی شغف نہیں رہا تھا۔ مجھے فقط ثانیہ کو سننے سے غرض تھی' اسی لیے میں خاموشی سے اس کو سن رہا تھا۔

''ثانیہ!'' میں نے اس کے خاموش ہو جانے پہ بہت جذب سے اسے پکارا۔ وہ کچھ بھی بولے بغیر میری طرف دیکھنے لگی اور اس لمحہ میں نے اس سے کہہ ڈالا تھا۔ میں نے اسے بتا دیا تھا کہ میں اس کے عمر بھر کے ساتھ کا متمنی ہوں۔ وہ میری بات سن کر حیران ہوئی تھی نہ ہی اس کے چہرے کے رنگوں سے حیرانی ظاہر ہو رہی تھی۔ اس کے چہرے پہ جو رنگ تھے' انہوں نے مجھے اندر تک سرشار کر ڈالا تھا۔ مجھے پہلی بار اس کی خاموشی اچھی لگی اور پہلی ہی بار مجھے احساس ہوا کہ کبھی کبھی لفظ کتنے غیر ضروری ہو جاتے ہیں۔

''تھینک یو ثانیہ...... تھینک یو ثانیہ...... تھینک یو سو مچ......'' میں نے دیوانے پن سے کہا۔

"آئی ایم سوکلیڈ......" میں نے خوشی کی انتہا کو بوند بوند محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"تم بھی نا علی!" وہ میرے پاگل پن کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولی پھر وہ خاموشی سے گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ میں اس کی اس شرمیلی سی ادا سے محظوظ ہوتا ہوا ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر ڈرائیونگ کرنے لگا۔ ہم نے سارا راستہ بس خاموشی سے مسکراتے ہوئے گزار دیا۔ اسے گھر کے دروازے کے آگے اتارنے سے پہلے میں نے اسے وہ انگوٹھی دے دی تھی۔

"علی! یہ میں نہیں لے سکتی۔" اس نے سنجیدگی سے کہا تو میرے چہرے پہ بھی سنجیدگی پھیل گئی۔

"کیوں ثانیہ؟" میں نے تحیر سے دریافت کیا۔

"انگوٹھی دینے کا مطلب جانتے ہو؟" اس نے جواب دینے کی بجائے مجھ سے سوال کیا تھا۔ مجھے اس کا سوال اچھا نہیں لگا۔ وہ میری محبت کو فلرٹ سمجھ رہی تھی۔

"یس میم! بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ میں اس ننھی سی انگوٹھی کی حرمت کو بخوبی سمجھتا ہوں اور مائی ڈیئر لیڈی...... میں اس انگوٹھی کی حرمت کو نبھاؤں گا۔"

میں نے سنجیدگی سے کہا۔ ہم خاموشی سے کھڑے ایک دوسرے کو تکتے رہے پھر اس نے اپنا ہاتھ آگے کر دیا تھا۔ میں نے وہ ڈبیا اس کی ہتھیلی پہ رکھ دی مگر اس نے ہتھیلی بند کرنے کی بجائے میرے آگے پھیلائے رکھی۔ وہ چاہتی تھی میں یہ انگوٹھی اس کی انگلی میں پہنا دوں۔ میں نے وہ ڈبیا دوبارہ اٹھا کر اس میں سے انگوٹھی نکال لی تھی اور پھر اس کی انگلی میں پہناتے ہوئے میں نے پہلی بار اس کے لمس کو محسوس کیا تھا۔ انگوٹھی پہنا کر میں نے اس کے بائیں ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں کی مدد سے دبایا تھا۔ اس کے ہاتھوں کی نرمی دھیرے سے میرے ہاتھ میں منتقل ہو گئی اور اس کے بائیں ہاتھ کی قسمت کی لکیر نے میرے دائیں ہاتھ کی قسمت کی لکیر سے بغل گیر ہونا چاہا تھا۔ میں نے دھیرے سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر سے اٹھا لیا۔ اس نے بھی مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ میرے سامنے سے ہٹا لیا تھا۔ میں اپنی گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا۔

☆ ☆ ☆

"تمہیں بھی اپنے ابا کی طرح ہر کام عجلت میں کرنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ بھلا کیا ضرورت تھی اتنا ریش ڈرائیو کرنے کی۔ بھیڑیا پیچھے آ رہا تھا تمہارے؟"

[illegible] کے [illegible] سے ہمکلام ہونے کے بعد جو پہلی بات میرے کانوں نے سنی وہ یہی تھی۔ اشعر میرے اوپر بہت [illegible] کچھ یاد نہیں آیا کہ کیا ہوا تھا پھر شعور کا پردہ دھیرے دھیرے چاک ہونے پہ مجھے یاد آنے لگا۔ [illegible] گھر پہنچ کر ثانیہ کو فون کرنے کے چکر میں تیز ڈرائیو کرنے کے باعث میں شاید کسی کوچ کو اوورٹیک کرتے ہوئے توازن برقرار نہ رکھ سکا تھا۔ نتیجتاً میں گزشتہ چار دن سے ہاسپٹل کے اس کمرے میں تھا۔ میری کمر اور میرا سر پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا اور ذرا سا بھی ہلنے پہ درد کی شدید لہر میرے جسم کو چیرتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ میں نے تکلیف سے بے حال ہوتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔ مجھے شاید انجکشن دیا جا رہا تھا کیونکہ میں ایک بار پھر مدہوش ہوتا جا رہا تھا۔

"علی! یار اب ختم کرو یہ ڈرامہ۔"

مجھے دوبارہ ہوش آیا تو اشعر کے یہ الفاظ میری سماعتوں نے سنے تھے۔ میری حالت ابھی بھی کچھ زیادہ نہیں سنبھلی تھی۔ سر درد کو آرام آچکا تھا مگر ٹانگوں اور کمر میں ابھی بھی ہلکا ہلکا درد تھا۔ میرے ہوش میں آنے پہ ممی فوراً میرے قریب چلی آئیں۔ انہوں نے میرے ماتھے پہ بوسہ دیا پھر وہ میرے پاس بیٹھ کر دھیرے دھیرے میرے بازو سہلانے لگیں۔ اکلوتا ہونے کے باعث میں اپنے والدین کا بہت لاڈلا تھا۔

میں نے ایک پرآسائش زندگی گزاری تھی اس لیے تکلیف اور مصائب کیا ہوتے ہیں۔ مجھے پتا ہی نہیں تھا۔ ممی کا لمس محسوس کرتے ہی میری آنکھوں میں نمی چمکنے لگی۔ اشعر بھی میرے قریب آ گیا۔ وہ ہمیشہ کی طرح مجھے چڑانے لگا۔ اس کا مقصد بھی میری تکلیف کو کم کرنا تھا۔ ڈیڈی کچھ دیر بعد کمرے میں آئے۔ ان کا حلیہ مجھ سے بھی زیادہ خراب تھا۔ لباس پرشکن اور کندھے جھکے ہوئے۔ وہ برسوں کے بیمار لگ رہے تھے۔

"کیسے ہو ینگ مین؟"

انہوں نے بھی ممی کے انداز میں زخمی پیشانی چومی تھی۔ ڈاکٹرز نے میری حالت کو تسلی بخش قرار دیتے ہوئے مجھے مزید دو دن ہاسپٹل میں ٹھہرنے کا مشورہ دیا تھا۔ ممی ڈیڈی صدقہ خیرات کے لیے چلے گئے تھے جبکہ اشعر میرے پاس ہاسپٹل میں ہی رہا۔ اسی نے مجھے بتایا کہ ایک ہفتہ بعد ہوش میں آیا ہوں۔ وہ مجھے ایکسیڈنٹ کی تفصیل بتانے لگا جو اسے اس رحمدل شخص سے پتا چلی تھیں جو ایکسیڈنٹ کے بعد مجھے ہاسپٹل لایا تھا اور اسی نے میرے والٹ سے انڈکس نکال کر ڈیڈی کو فون کیا تھا۔ مجھے ثانیہ کا خیال آیا اور اس کال کا خیال آیا جو مجھے کرنا تھی۔

"یقیناً تم نے بہت دیر تک میرے فون کا انتظار کیا ہوگا۔" میں نے دل ہی دل میں اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔ ناقابل برداشت قسم کے درد کے باوجود ثانیہ کا خیال آتے ہی جیسے مجھے سکون سا آ گیا تھا۔ میرا دل چاہا تھا کہ اشعر کو اس ڈنر کی تفصیل سے آگاہ کروں مگر اس خیال کو جھٹک کر میں سونے کی کوشش کرنے لگا۔

مجھے دو دن کے بجائے چار دن بعد ڈسچارج کیا گیا۔ مجھے کوئی اندرونی چوٹ نہیں تھی مگر بے شمار زخم اور خراشیں تھیں جن کی وجہ سے مجھے کافی تکلیف تھی اور سب سے بڑھ کر مجھے ناف کے قریب پیٹ میں اور کمر میں بہت درد ہوتا تھا۔ میں نے اس کا ذکر ڈاکٹر سے کیا تھا۔ ڈاکٹر کا خیال تھا کہ یہ بہت دن تک بستر پہ لیٹے رہنے کی وجہ سے ہے۔ اس حادثہ کے باعث مجھے گیارہ دن تک ہاسپٹل میں رہنا پڑا اور ان گیارہ دنوں میں میرے والدین نے میرے لئے اپنے ہر آرام کو تج دیا تھا۔ میں یقیناً ایک خوش قسمت انسان تھا۔ جس کے چاہنے والے اتنے تھے کہ اسے خود بھی یاد نہیں رہتا تھا۔

میں جتنے دن ہاسپٹل میں رہا۔ میرے لیے لاتعداد بوکے موصول ہوئے۔ گھر پہ آفس میں اور ہاسپٹل میں بھی روزانہ ہی میرے لیے فون کالز موصول ہوتی تھیں۔ گھر شفٹ ہو جانے کے بعد بھی ایک بے اطمینانی کی کیفیت مجھے گھیرے رکھتی۔ سارے وجود پہ ایک بے کلی چھائی رہتی اور اس کی وجہ بھی میں بخوبی جانتا تھا۔

مجھے ڈسچارج ہو کر گھر آئے دس دن ہو چکے تھے۔ ان اکیس دنوں میں ثانیہ نے ایک بار بھی میرا پتا

کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اب تو میں اس کے انتظار سے بھی اکتانے لگا تھا۔ ہر روز میں ایک نئی امید باندھتا' نئے سرے سے اس کی راہ تکنے لگتا مگر وہ نجانے کہاں کھو گئی تھی۔ ہر آہٹ پہ ہر بار ہونے والی ٹیلی فون کی گھنٹی پہ میں چونک جاتا کہ شاید ثانیہ ہو مگر کوئی امید بر نہیں آئی۔ میں نے دو ایک بار سرسری سے انداز میں ممی سے کریدنے کی کوشش کی مگر انہوں نے بھی لاتعلقی کا اظہار کیا۔ اشعر سے اس لیے نہیں پوچھ سکتا تھا کہ وہ میرا مذاق اڑاتا اور مجھے مجنوں یا فرہاد کی قسم کا کوئی انسان سمجھتا۔

میرے ذہن میں ہر وقت ایک یہی بات گردش کرتی رہتی کہ شاید وہ مجھے ناکارہ انسان سمجھنے لگی ہے اور اس لیے مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کر رہی کیونکہ میں ابھی بستر پہ تھا اور ڈاکٹر نے مجھے زیادہ چلنے پھرنے سے منع کیا تھا۔ اس قسم کے موضوعات پہ بنی ہوئی لاتعداد فلمیں میرے ذہن میں گھومتی رہتیں۔ کبھی کبھی مجھے اس پہ غصہ بھی آنے لگتا کہ وہ آخر مجھ سے اتنی لاتعلق کیسے رہ سکتی ہے پھر یہ غصہ خود میری اپنی ذات کی طرف منتقل ہونے لگتا تھا کہ اگر میں اس کے لیے اہم نہیں ہوں تو وہ میرے لیے اتنی اہم کیوں ہوگئی ہے۔ میں اس کے علاوہ کچھ اور سوچنا ہی نہیں چاہتا تھا۔

میں اکثر اوقات اشعر سے اس موضوع پہ بات کرنا چاہتا تھا مگر پھر میری انا آڑے آجاتی کہ بہرحال میں اتنا گیا گزرا بھی نہیں تھا کہ ایک لڑکی کی محبت کی خاطر اپنا وقار داؤ پہ لگا دیتا۔ ایک دن اشعر نے خود ہی یہ موضوع چھیڑ دیا۔ وہ بھی اس بات پہ حیرانی کا اظہار کر رہا تھا کہ ثانی میری عیادت کے لیے ایک دن بھی نہیں آئی۔

"میرا خیال ہے عیادت کے بجائے تعزیت کی بات ہوتی تو شاید معزز خاتون سب سے پہلے تشریف لاتیں۔"

اس کا وہی زچ کر دینے والا انداز تھا مگر پہلی بار اس کی بات مجھے گھونسہ بن کر لگی۔ میں خاموش سا ہو گیا تھا۔

"میں جانتا ہوں یہ کافی پرانا لطیفہ ہے مگر اتنا بھی پرانا نہیں کہ تمہاری شکل جلے ہوئے کیک کے جیسی ہو جائے۔"

اس نے میری خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے کہا تھا۔

"کال تو وہ روز کر لیتی ہے' ایک آدھ بار گھر بھی آئی ہے۔ اب اور کیا کر سکتا ہے انسان کسی کے لیے۔"

میں نے دھیمی سی آواز میں کہا۔ میں نے اشعر سے کبھی جھوٹ نہیں بولا وہ میرا بہترین دوست تھا۔ میں اس سے جھوٹ بول ہی نہیں سکتا تھا۔ مگر اس لمحہ نجانے کیوں میں نے دروغ گوئی سے کام لیا۔ محبت آپ کو بہت حساس کر دیتی ہے۔ پھر آپ پر ہر جذبہ پوری شدت کے ساتھ حملہ آور ہوتا ہے اور آپ کسی طور ان حملوں سے بچ نہیں پاتے۔ میں انا پرست کبھی بھی نہیں تھا' مگر ثانیہ کی محبت میں پہلی بار میری انا نے میرے اندر اپنا وجود منوایا تھا۔

یہ ساری صورت حال مجھے روز بہ روز چڑچڑا کر رہی تھی۔ یہ درست تھا کہ ثانیہ سے راہ و رسم میں نے اپنے ڈیڈی کے کہنے پہ بڑھائی تھی۔ مگر اس سے محبت میں نے ڈیڈی کی مرضی سے کی تھی نہ ہی اپنی مرضی سے بلکہ

مجھے خود بھی پتا نہیں چلا تھا کہ مجھے اس سے کب اور کیسے محبت ہوئی اسی لیے اس بیماری کی حالت میں اس کی طرف سے عدم توجہی اور خاموشی بہت معنی خیز تھی۔

☆ ☆ ☆

یہ تقریباً حادثہ سے ڈیڑھ ماہ بعد کی بات ہے۔ میں اپنے کمرے میں لیٹا ٹی وی دیکھ رہا تھا جب دروازے پہ دستک ہوئی۔

"علی بھائی! آپ کے لیے کسی لڑکی کا فون ہے۔"

ہمارے کل وقتی ملازم ٹیپو نے آنکھیں مٹکا کر کہا۔ میرے لیے کسی لڑکی کا فون آنا کم از کم اس کے لیے حیران کن نہیں تھا کیونکہ ڈیڈی کی نظر سے بچ کر میں اکثر اسے اس معاملے میں ہدایت دیتا تھا کہ اگر کبھی میرے لیے کسی لڑکی کا فون آئے تو بہت رازداری سے میرے کمرے میں پڑے ایکسٹینشن کی تار کس طرح مین لائن سے کنیکٹ کرنی ہے۔ اس کی مدد سے میں بعض اوقات اپنی گرل فرینڈز کی کالز وصول کر لیا کرتا تھا اور اس کام کے لیے ٹیپو مجھ سے رشوت کے نام پہ ٹھیک ٹھاک رقم بٹورتا تھا۔

"میں نے تار لگا دیا ہے علی بھائی!"

اس نے شرارتی انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ میں نے بے دلی سے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا مگر دوسری جانب سے آنے والی "ہیلو" کی آواز نے مجھے خفیف سا جھٹکا دیا تھا۔ وہ ثانیہ کمال کی آواز تھی۔ وہ میرا احوال دریافت کر رہی تھی۔ اس کے انداز میں گرمجوشی اور اس کی آواز میں فکرمندی کے اثرات غالب تھے۔

"مجھے آج ہی ڈیڈی سے پتا چلا کہ تمہارا اتنا سیریس ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ میں نے فوراً تمہارا نمبر ملایا۔ حالانکہ میں سوچ رہی تھی کہ کبھی تمہیں فون نہیں کروں گی۔ میں نے اس رات تمہارے فون کا بہت انتظار کیا تھا مگر خیر اب کیسے ہو علی؟"

وہ بہت عجلت میں بات کر رہی تھی اور اس کی عجلت نے مجھے مزید دکھی کر دیا۔ کیا میں اتنا غیر اہم تھا کہ اس کے ڈیڈی اسے میرے بارے میں بتانا بھول گئے تھے۔ حادثہ تو گویا صدیوں پہلے ہوا تھا اور فون کرنا اسے آج یاد آ رہا تھا۔ میرا دل بجھ سا گیا۔ وہ فون کرنے کے بجائے خود بھی تو آ سکتی تھی۔ وہ مجھے ہدایت دینے لگی تھی۔ اس کے لہجے میں میرے لیے جو محبت تھی وہ کس قدر مصنوعی لگ رہی تھی۔ میں نے ساری گفتگو کے دوران ایک بار بھی گرمجوشی دکھانے یا ہنسنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"میری خاطر اپنا بہت خیال رکھنا علی! آئی مس یو۔"

اس نے فون بند کرنے سے پہلے دھیمی سی آواز میں کہا۔ ایک لڑکی کے منہ سے اس قسم کی بات سن کر ہواؤں میں اڑنے کی بجائے میں مزید خاموش ہو گیا۔ میں نے بہت آہستگی سے بائے کہہ کر فون بند کر دیا پھر میں بہت خاموشی سے بستر پہ لیٹ کر کمرے کی چھت کو گھورنے لگا۔

"ایسی ہوتی ہے محبت...... اس کو کہتے ہیں محبت......" میں نے دل ہی دل میں خود کو لتاڑا۔ میں بہت دیر تک ایسے ہی لیٹا رہا۔ اتنی مایوسی' اتنی اداسی ہو رہی تھی کہ کچھ اور کرنے کو دل ہی نہیں چاہ رہا تھا۔

"علی بھائی! یہ سوپ پی لیجیے۔"

ٹیپو کی آواز پہ میں نے رخ موڑ کر دروازے کی سمت دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں سوپ کا پیالا دیکھ کر میرے منہ کے زاویے بگڑ گئے۔ اس لمحہ مجھے ٹیپو اور سوپ دونوں سے ہی نفرت محسوس ہوئی۔ میں سوپ پینا نہیں چاہتا تھا مگر ممی کی ڈانٹ کی وجہ سے میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"علی بھائی...... آپ کے لیے تو اب امریکہ سے لڑکیوں کے فون آنے لگے ہیں۔"

مجھے سوپ دیتے ہوئے وہ چڑانے والے انداز میں بولا۔

"ہاں...... اکثر رات کو یہ میڈونا باجی فون کر لیتی ہیں۔"

میں کاٹ کھانے والے انداز میں بولا۔

"اچھا آ آ...... یہ میڈونا باجی تھیں۔ اچھی اردو بولتی ہیں۔" اس نے مصنوعی تحیر سے کہا۔ مجھے احساس ہوا تھا کہ ٹیپو کو سر چڑھا کر میں نے کتنی بڑی غلطی کی تھی۔

"اسٹوپڈ...... یہ ثانیہ تھی...... اور یہاں ماڈل ٹاؤن سے فون کر رہی تھی۔"

میں نے سوپ کا چمچہ منہ کی طرف لے جاتے ہوئے بتایا مگر اسے یقین نہیں آیا تھا۔

"انہوں نے مجھے خود بتایا کہ وہ امریکہ سے فون کر رہی تھی۔"

"واٹ...... امریکہ سے؟" میں نے چمچ دوبارہ پیالے میں رکھ دیا۔

"یعنی کہ یو ایس اے سے؟" مجھے حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

"الو کی دم...... گدھے...... خچر...... پہلے نہیں بتا سکتے تھے۔" میں نے افسوس سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ اس کا مطلب تھا کہ ثانیہ آج کل پاکستان میں نہیں تھی۔ اور اگر وہ پاکستان میں نہیں تھی تو وہ میری عیادت کے لیے کس طرح آ سکتی تھی۔ اسے یقیناً اس حادثے کے متعلق تاخیر سے پتا چلا تھا۔ غلط فہمی دور ہوئی تو سارا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا اور اس کی جگہ بے بسی نے لے لی۔

"وہ اتنی دور سے میری خاطر فون کر رہی تھی اور میں نے ٹھیک سے بات بھی نہیں کی۔"

میں نے شرمندگی سے سوچا تھا۔ میرے کانوں میں اس کے الفاظ گونج رہے تھے۔

"میری خاطر اپنا بہت خیال رکھنا علی!" اس نے کتنے مان سے کتنی محبت سے کہا تھا۔ مجھے اپنے آپ پر غصہ آنے لگا۔

☆ ☆ ☆

"کیسے ہو علی!" رات کے سناٹے کو چیرتی ہوئی اک نرم گلابی سی آواز سماعتوں کے پار اتری۔ میں نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ وہی کمرہ تھا وہ چھت وہی نیلگوں نائٹ بلب وہی تنہائی اور وہی میں...... اداس کسی کی یاد میں گم......

"ٹھیک نہیں ہوں ثانیہ! کیسا ہو سکتا ہوں تمہارے بغیر۔ بالکل بھی ٹھیک نہیں ہوں۔ پلیز واپس آ جاؤ نا۔"

نجانے کتنی مرتبہ میں نے خود سے یہ سوال کر کے خود ہی کو یہ جواب دیا تھا۔

وہ مجھے بہت یاد آ رہی تھی۔ سب سے بڑھ کر اس پچھتاوے کا احساس مجھے مار ڈالنے کے لیے کافی تھا کہ اس نے اتنی محبت سے فون کیا اور میں نے اس سے کتنی بدتمیزی سے بات کی تھی۔ میں کتنے دن تک اس کے فون کا انتظار کرتا رہا مگر اس نے دوبارہ فون نہیں کیا تھا۔ ڈاکٹر نے مجھے آفس جانے کی اجازت دے دی تھی۔ کیونکہ میں مکمل طور سے صحت یاب ہو چکا تھا۔ مگر مجھے نجانے کیوں لگتا تھا کہ میں ابھی بھی ٹھیک نہیں ہوں۔ ممی کا خیال تھا کہ مجھے کمزوری ہو گئی ہے اس وجہ سے میرا چہرہ ہر وقت اترا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ڈیڈی کا خیال تھا کہ بہت دن گھر میں رہنے کے باعث میں ڈل ہو گیا ہوں۔

میں جانتا تھا ایسا کچھ نہیں ہے۔ میں مریض محبت تھا اور اس مرض کا علاج جس کے پاس تھا وہ میرے پاس ہونے کی بجائے بہت دور تھی۔ یہی دوری دراصل میری زندگی کا اصل مسئلہ تھی۔ میں کبھی یو ایس اے نہیں گیا تھا۔ کیونکہ وہاں کی مارکیٹ میں ہمارا بزنس ہی نہیں تھا اور اگر تھا تو وہ ہمارے لیے نہیں تھا۔

"کاش ثانیہ! تم یورپ کے کسی اور ملک میں گئی ہوتی تو میں آج ہی تم سے ملنے تمہیں دیکھنے چلا آتا۔"

میں نے سابقہ انداز میں خود کلامی کی تھی۔ یورپ کے کسی بھی ملک میں جانا اس لیے آسان ہوتا کہ وہاں کے اکثر ممالک میں ڈیڈی اور میں جاتے ہی رہتے تھے۔ لیکن باقاعدہ طور پہ ہم دونوں ہی کبھی امریکہ نہیں گئے تھے۔ ہمارا وہاں کوئی رشتہ دار بھی نہیں تھا' اس لیے میں وہاں کیسے جا سکتا تھا۔ امریکہ کی مارکیٹ میں پہلے سے ہی کئی ایشین ممالک کا راج تھا۔ ایسے میں ہم وہاں کوئی بھی قابل ذکر کامیابی حاصل نہیں کر سکتے تھے اور میرے ڈیڈی کسی بھی ناکام پروجیکٹ کے لیے ایک دھیلا بھی نہیں دے سکتے تھے۔ سو میرا امریکہ جانا ایک خواب ہی تھا۔

"مس یو ثانیہ!" میں نے کروٹ بدلتے ہوئے آخری خود کلامی کی۔ میں آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ مجھے نیند کی وادی میں اترے ابھی شاید چند لمحے ہی ہوئے تھے کہ فون کی گھنٹی نے میری نیند کو توڑ ڈالا۔ رات کو میں ایکسٹینشن کی تار لگا دیا کرتا تھا۔ میں نے ٹائم دیکھتے ہوئے خوشگوار سے احساس میں گھر کر ریسیور اٹھا لیا تھا۔

"میں ثانیہ ہوں۔" دوسری طرف سے کہا گیا تھا۔ میں اچھل کر بیٹھ گیا تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا' بھنگڑا ڈالنا شروع کر دوں۔

"میں جانتی ہوں یہ ٹائم کسی کے گھر فون کرنے کے لیے بالکل بھی مناسب نہیں مگر......"

وہ خاموش ہو گئی تھی۔ میں نے مسکرا کر ریسیور کی طرف دیکھا۔

"ایک دم مناسب ٹائم ہے۔ تمہیں کیا خبر میں تمہاری آواز سن کر کس قدر خوش ہوں۔"

میں نے پرجوش انداز میں کہا۔ چند لمحے تک وہ کچھ نہیں بولی پھر اس نے گزشتہ فون کال کے حوالے سے میرے رویے کا شکوہ کر ہی ڈالا۔ مجھے اس کا شکوہ کناں انداز بھی بہت بھلا لگا تھا۔ میں نے اس سے ایکسکیوز کیا تو اس کا موڈ لمحہ بھر میں بہتر ہو گیا۔ وہ امریکہ سے فون کر رہی تھی۔ ہم نے بیس منٹ بات کی اور ان بیس منٹوں میں بیس ہی بار میں نے اسے آئی مس یو کہا۔ اس کا موڈ دیکھتے ہی بہت خوشگوار ہو گیا تھا۔ اس کے فون بند کر دینے

کے بعد بھی اس کی ہنسی کی جھنکار میرے کانوں میں گونجتی رہی۔

''تمہیں کیا پتا' میں تمہیں کتنا مس کرتی ہوں۔''

اس نے بیس منٹوں میں ایک بار کہا تھا مگر اس کا ایک بار کہنا بھی مجھے اندر تک سرشار کر گیا تھا۔ اس رات بہت دنوں کے بعد میں گہری نیند سویا تھا۔

☆ ☆ ☆

''ماشاءاللہ آج میرا بیٹا بہت اچھا لگ رہا ہے۔''

ممی نے شفقت بھری نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میں ٹی وی دیکھتے ہوئے کسی بات پہ بہت زور سے ہنسا تھا اور شاید اتنے دنوں بعد میرا اس طرح سے کھل کر ہنسنا ہی انہیں چونکا گیا تھا۔ ان کی بات پہ ڈیڈی نے بھی مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا۔ وہ بھی لاؤنج میں بیٹھے اخبار کا کوئی آرٹیکل دیکھ رہے تھے۔ ان کے اس طرح سے دیکھنے پہ میں کچھ جھینپ سا گیا۔

''سعدی! اب ہمیں بہو گھر لانے کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنا چاہیے۔''

ممی نے ڈیڈی سے کہا تھا اور گویا میرے مطلب کی بات کی تھی۔

''ارے تو اس میں کیا پرابلم ہے۔ میں آفس سے دو بندے بھیج دوں گا۔ تم ساتھ جا کر ادائیگی کر کے اٹھوا لینا۔''

وہ اخبار میں منہمک تھے۔ ممی کی بات پہ عام سے انداز میں بولے۔ ہم دونوں ماں بیٹے نے چونک کر ان کی طرف دیکھا تھا۔

''سعدی......! کیسی باتیں کرتے ہیں آپ؟'' ممی ٹوکنے کے سے انداز میں بولیں۔

''میں ریفریجریٹر کی نہیں آپ کی بہو کی بات کر رہی ہوں۔''

ممی کو ڈیڈی کا مذاق کچھ بھایا نہیں تھا۔ وہ کچھ دیر پہلے ڈیڈی کو اس نئے ریفریجریٹر کے بارے میں بتا رہی تھیں جو انہوں نے اپنے بیڈروم کے لیے پسند کیا تھا۔ ڈیڈی کے ذہن میں ابھی تک وہی بات چل رہی تھی۔

ڈیڈی نے ایک بار پھر اخبار سے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ میں شریف بچوں کی طرح مکمل طور سے ٹی وی کی طرف متوجہ ہونے کی ایکٹنگ کرنے لگا۔

''پروجیکٹ تو انٹرسٹنگ ہے۔ دیکھتے ہیں کوئی لڑکی اپنے پرنس کے لیے۔''

وہ اخبار تہہ کر کے ممی کی طرف رخ پھیرتے ہوئے بولے۔ ممی بھی ڈیڈی کے اتنی بھرپور توجہ سے اپنی بات سنے جانے پہ کھل اٹھی تھیں۔ ان کے ہاتھ میں چائے کا کپ تھا جس میں موجود چائے ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ انہوں نے وہ کپ سائیڈ ٹیبل پہ رکھ دیا۔

''تمہیں اگر کوئی لڑکی پسند ہے تو ہمیں پہلے ہی بتا دو آخر زندگی تو تمہیں گزارنی ہے نا۔''

ڈیڈی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میں ابھی بھی جی جان سے ٹی وی کی طرف متوجہ تھا۔ مگر سماعتیں میری ڈیڈی کی سمت تھیں۔

''علی......! بیٹا......! ڈیڈی تم سے کچھ پوچھ رہے ہیں۔'' میری خاموشی اور لاتعلقی کو محسوس کر کے ممی نے دوبارہ مجھے مخاطب کیا۔

''جی......! مجھ سے......! جی ڈیڈی......؟'' میں نے چونکنے کی کامیاب ایکٹنگ کرتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔

''بیٹا جی! آپ کی ممی آپ کی شادی کی بات کر رہی ہیں۔ کوئی لڑکی پسند ہے تو ہمیں بتا دو۔''

وہ اپنے مخصوص انداز میں کہہ رہے تھے۔ میں سر جھکا کر مسکرا دیا۔ سر نہیں جھکاتا تو ڈیڈی کو میرے چہرے پہ کھلتے رنگ چونکا دیتے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ ڈیڈی کو اس موضوع میں میری دلچسپی کے بارے میں رتی برابر بھی علم ہو۔ ثانیہ کی ایک فون کال نے میرے چہرے کو گل گلزار بنا دیا تھا۔ یہ تو پھر شادی کی بات تھی۔

''میں نے زندگی ہمیشہ آپ کی مرضی کے مطابق گزاری ہے۔ جو آپ کی مرضی وہی میری مرضی۔''

میں نے معصوم بنتے ہوئے شاید پہلی بار ڈیڈی کی کوئی بات اتنے آرام سے مانی تھی۔ اگرچہ بات میں ہمیشہ ان کی مان لیتا تھا مگر ضد کرنے کے بعد لیکن اس بار ضد کیے بغیر ہی میں نے ان کی رضا پہ لبیک کہا تھا۔ اس بار معاملہ مختلف بھی تھا ان کی رضا میں دو سو فیصد میری رضا شامل تھی۔ ممی نے میری فرمانبرداری پہ قربان جانے والی نظروں سے میری طرف دیکھا اور پھر ڈیڈی کی طرف دیکھ کر مسکرائیں۔ وہ دونوں آپس میں باتیں کرنے لگے تھے۔ میں ایک بار پھر ٹی وی دیکھنے لگا یا پھر شاید ٹی وی دیکھنے کی ایکٹنگ کرنے لگا۔

''علی......! یار......! ذرا ٹیلیفون سیٹ میرے قریب کرو۔ کمال صاحب کی خیریت ہی دریافت کر لیں۔''

انہوں نے گفتگو کا سلسلہ روک کر مجھ سے کہا۔ میں سنجیدگی سے ٹیلیفون اسٹینڈ کی طرف آ گیا تھا۔

''ثانیہ بیٹی کیسی ہے علی! خیریت سے تو ہے نا۔'' ڈیڈی نے اچانک پوچھا۔

''آئی ڈونٹ نو ڈیڈی۔ میری اس سے بات ہی نہیں ہوئی بہت دن سے۔'' میں ٹیلیفون اسٹینڈ گھسیٹ کر ان کی طرف لاتے ہوئے بولا۔

''امریکہ سے واپس آ گئی یا نہیں؟'' یہ سوال انہوں نے ممی سے کیا تھا۔

''میرا خیال ہے آ گئی ہے' مگر میں پُریقین نہیں ہوں' ہو سکتا ہے ابھی......''

''ثانیہ! ابھی امریکہ میں ہی ہے ڈیڈی۔'' میں نے ممی کی بات کاٹ کر کہا۔

''تم اپنی ممی کی طرح اندازہ لگا رہے ہو یا پُریقین ہو۔'' انہوں نے میری طرف دیکھتے ہوئے سرسری انداز میں پوچھا۔

''میں پُریقین ہوں۔'' میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''کیسے؟'' انہوں نے پھر پوچھا۔ میں جو اسٹینڈ ان کے قریب رکھ کر اپنی نشست پہ بیٹھ چکا تھا فوراً بولا۔

''کل رات ہی تو فون پہ بات ہوئی ہے اس سے۔''

ڈیڈی نے قہقہہ لگانے میں دیر نہیں کی تھی۔ میں ان سے استادی لڑانے میں ہمیشہ ناکام ہو جاتا تھا۔

''ڈیڈی! آپ بھی نا......'' میں کھسیانا ہو گیا۔

ڈیڈی نے مسکراتے ہوئے فون اٹھانا چاہا تو ان کا ہاتھ سائیڈ ٹیبل پہ پڑے ٹھنڈے چائے کے کپ سے جا ٹکرایا اور چائے کو قالین پہ گرنے میں لمحہ لگا تھا۔ کریم اور بھورے رنگ کا وہ خوبصورت ایرانی قالین لمحہ بھر میں داغ دار ہو گیا۔

"یہ یہاں ضرور رکھنا تھا۔" ڈیڈی چڑ کر ممی سے بولے ان کا اشارہ کپ کی طرف تھا۔

"سارا قالین خراب ہو گیا۔" ڈیڈی کو سچ مچ قالین کے خراب ہو جانے کا دکھ ہوا۔ یہ قالین ان کے ایرانی دوست نے تحفتاً انہیں دیا تھا۔

"ٹھیک اٹ ایزی سعدی! میں کل ہی ڈرائی کلین کروالوں گی۔" ممی نے ان کو ٹھنڈا کرنا چاہا۔

"نہیں...... ڈرائی کلین کی ضرورت نہیں...... تم جانتی ہو مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوگا۔ جب بھی یہاں بیٹھوں گا ایک الجھن سی سوار رہے گی۔ داغ دور ہو بھی گیا تو اس کا اثر موجود رہے گا۔ اور تم جانتی ہو۔ مجھ سے نقص برداشت نہیں ہوتا۔ اسے تبدیل کردو۔"

وہ اپنے مخصوص ہٹیلے انداز میں کہہ کر بیڈ روم کی طرف چل دیے۔ ممی کو بھی کافی افسوس ہوا تھا۔

"تمہارے ڈیڈی کی یہ بہت بری عادت ہے۔ ہر چیز مکمل اور بہترین چاہیے۔"

وہ تاسف سے کہہ رہی تھیں۔ میں اب بھی خاموشی سے ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ چائے کے ایک ٹھنڈے کپ نے اچھا بھلا ماحول خراب کردیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"میری یاد آ گئی تمہیں۔"

میں نے اس کے جھلمل کرتے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے شکوہ کیا۔ وہ دو دن پہلے واپس آئی تھی۔ لیکن مجھ سے رابطہ اس نے آج کیا تھا۔ وہ مجھ سے ملنے کے لیے آفس آنا چاہ رہی تھی۔ مگر اس وقت ڈیڈی بھی آفس میں موجود تھے۔ اگرچہ ثانیہ کے معاملے میں ان کی جانب سے کسی ڈانٹ کا خدشہ تو نہیں تھا لیکن بہر حال ایک جھجک ضرور ہم باپ بیٹے کے درمیان موجود تھی اسی لیے میں نے اسے آفس بلوانے کے بجائے قریبی ریسٹورنٹ میں بلوالیا تھا میں مقررہ وقت پہ ریسٹورنٹ پہنچا تو وہ پہلے سے وہاں موجود تھی۔ امریکہ میں چار ماہ کے قیام نے اس کے رنگ و روپ پہ بہت اچھا اثر ڈالا تھا۔ ہلکے کاسنی رنگ کے لباس میں کھلے بالوں کے ساتھ وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ مگر میں نے اسے سراہنے کے بجائے شکوہ کرڈالا۔

"طنز کررہے ہو؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں یار...... شکوہ کررہا ہوں۔ پیار بھرا شکوہ۔"

میں نے اسی کے انداز میں جواب دیا تو وہ ہنس دی۔ میں ٹکٹکی باندھ کر اسے دیکھنے لگا۔ گزشتہ چار ماہ سے میں اسی ہنسی کے لیے ترس رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں وہ انگوٹھی موجود تھی جو اس رات میں نے اس کی انگلی میں پہنائی تھی۔

"سنو......!" میں نے اس کے قریب ہوتے ہوئے سرگوشی کی۔ وہ خاموشی سے میری طرف دیکھنے

لگی۔

"تم بہت خوبصورت لگ رہی ہوں۔"

میں نے اسے سراہا تو وہ کچھ شرما سی گئی۔ پھر فوراً بات پلٹ کر میرا احوال دریافت کرنے لگی۔ وہ میرے لیے فکرمند تھی۔ اور میرے بار بار یقین دلانے کے باوجود مطمئن ہی نہیں ہو رہی تھی۔ اور اس کے لہجے میں غالب فکرمندی کا عنصر مجھے بہت اچھا لگ رہا تھا۔

وہ مجھے امریکہ میں اپنے خفا بھائی کے ساتھ گزارے گئے چار ماہ کی تفصیل بتانے لگی۔

اس کا بھائی گزشتہ پانچ سال سے امریکہ میں رہ رہا تھا۔ اور اب ثانیہ کے ساتھ ہی پاکستان آیا تھا۔ میں اسد کمال کے متعلق زیادہ نہیں جانتا تھا۔ سوائے اس کے کہ وہ ثانیہ سے بڑا تھا اور شاید پڑھائی کی غرض سے امریکہ میں اپنے ماموں کی فیملی کے ساتھ رہتا تھا۔ میں اور اشعر اندر ہی اندر اسد کمال سے کافی مرعوب تھے۔ حالانکہ ہماری اس سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ ہمارا سارا حلقہ احباب ہی اسد کمال سے کبھی نہیں ملا تھا۔ مگر ہم سب اس لڑکے سے زبانی کلامی متعارف تھے۔ کیونکہ انکل کمال بہت کثرت سے اپنے بیٹے کا ذکر کرنے کے عادی تھے۔ نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں میں وہ لڑکا سچ مچ کمال تھا۔ ثانیہ کے منہ سے اس کے بھائی کی پاکستان آمد کے متعلق سن کر مجھے خوشی ہوئی تھی کہ بہرحال وہ میرا ہونے والا برادر نسبتی تھا اور مجھے اس سے ملنے کا اشتیاق بھی تھا۔

ہم نے ریسٹورنٹ میں لنچ کیا پھر میں نے اپنے لیے کافی منگوالی جب کہ ثانیہ کو کافی ناپسند تھی۔

"میرے پیرنٹس نے تمہارے پیرنٹس کو آج ڈنر پر انوائیٹ کرنے کا ارادہ کیا ہے۔"

اس نے مجھے بتایا۔

"میرے پیرنٹس کا ایک نہایت ہینڈسم اکلوتا بیٹا بھی ہے۔ اس کو بھی انوائیٹ کرلو کم از کم تم بور ہونے سے بچ جاؤ گی۔"

میں نے شرارتی سے انداز میں کہا۔ ہم دونوں ہنسنے لگے تھے۔ اس ایک خوشگوار سی ملاقات کے بعد میں واپس آفس آ گیا تھا۔ تب تک انکل کمال فون کر کے ڈیڈی کو ڈنر پر مدعو کرچکے تھے' میں بہت خوش تھا کیونکہ یہ ڈنر میرے اور ثانیہ کے رشتے کو مزید استحکام بخشنے والا تھا مگر ہزار ہا کوشش کے باوجود میں اس ڈنر میں شرکت نہ کرسکا۔ کیونکہ بیرون ملک سے ہمارا ایک بزنس ڈیلیگیشن آ گیا تھا۔ اور ڈیڈی چاہتے تھے کہ میں کمال فیملی کے ساتھ ڈنر کرنے کے بجائے اس بزنس وفد کو کمپنی دوں۔ رات ڈیڑھ بجے جب میں وفد کے ارکان کو ہالیڈے ان میں ڈنر کروانے کے بعد ان کے لیے مخصوص کمروں میں چھوڑ کر گھر واپس آیا تو ممی ڈیڈی بھی گھر واپس آ چکے تھے۔ اور میرا انتظار کیے بغیر سونے کے لیے چلے گئے تھے۔ میں رات گئے تک ثانیہ کے فون کا انتظار کرتا رہا۔ مگر اس کا فون نہیں آیا تھا۔ اگلا پورا ہفتہ میں وفد کے ساتھ مصروف رہا اور ثانیہ سے ملاقات نہ ہوسکی۔

☆ ☆ ☆

"یہ ہما کامران ہیں۔"

ڈیڈی نے اس انتہائی سفید رنگت کی مالک لڑکی کو مجھ سے متعارف کرواتے ہوئے کہا۔ میں نے چہرے پہ مصنوعی مسکراہٹ سجا کر ہیلو کہا جواباً اس کا انداز اور ''ہیلو'' مجھ سے بھی زیادہ مصنوعی تھا۔

''کامران خان کی صاحبزادی ہیں یہ...... اور تمہاری طرح اس پارٹی کو بالکل انجوائے نہیں کر رہیں...... میں نے سوچا تم دونوں مل کر ایک دوسرے کو بور کرو۔''

ڈیڈی نے مسکراتے ہوئے کہا مگر میری بوریت میں مزید اضافہ ہو گیا۔ پارٹی حقیقتاً بہت بورنگ تھی۔ مگر میری بوریت اس لیے سوا تھی کہ اشعر اور ثانیہ میں سے کوئی بھی یہاں موجود نہیں تھا۔ ڈیڈی ہمیں متعارف کروا کے اپنے کسی شناسا کی جانب بڑھ گئے۔ میں نے ہما اور ہما نے میری جانب دیکھا اور ہم ایک بار پھر مسکرا دیے۔ اس بار ہماری مسکراہٹ پہلے سے بھی زیادہ مصنوعی تھی۔

''انکل ٹھیک ہی کہہ رہے تھے۔ ہم دونوں مل کر ایک دوسرے کو بور ہی کر سکتے ہیں۔''

اس نے صاف گوئی سے کہا۔

''آپ کہہ رہی ہیں تو ٹھیک ہی کہہ رہی ہوں گی۔''

میں نے بھی صاف گوئی کی انتہا کی۔ اس نے بڑی بڑی آنکھیں میری آنکھوں میں ڈال کر دیکھا۔

''آپ کی آنکھیں بہت خوبصورت ہیں۔'' میں نے بھی اسی کا انداز اپنایا تھا۔ اب کی بار وہ جھجکنے کے بجائے یکدم ہنس دی۔ اس کی ہنسی نے مجھے احساس دلایا تھا کہ وہ خوبصورتی میں اپنی مثال آپ ہے۔ اس کی رنگت بہت سفید تھی۔ اور اپنے قد کاٹھ سے وہ پٹھان لگتی تھی۔ اس کی آنکھیں واقعی بہت خوبصورت تھیں۔

''آپ کہہ رہے ہیں تو ٹھیک ہی کہہ رہے ہوں گے۔'' اس نے میرے الفاظ دہرا کر گویا بدلہ چکایا تھا مجھے بھی ہنسی آ گئی۔

یہ میری ہما کامران سے پہلی ملاقات تھی۔ مجموعی طور پر وہ ایک اچھی لڑکی تھی۔ اس نے زندگی کا بڑا حصہ آسٹریلیا میں گزارا تھا اور بیچلرز کرنے کے بعد اس نے ہوٹل مینجمنٹ کے شارٹ کورسز وغیرہ کر رکھے تھے۔ اس کی حس مزاح بہت شاندار تھی۔ اور ہنسنے اور قہقہہ لگانے کے معاملے میں وہ بالکل بھی کنجوس نہیں تھی۔ اس کی وجہ سے میں سچ مچ اس پارٹی میں بور ہونے سے بچ گیا تھا۔ اس کے ساتھ بھی یہی صورتحال تھی۔

''تم اتنے برے نہیں ہو جتنے پہلی نظر میں لگے تھے بلکہ......'' وہ لحہ بھر کو رکی پھر بولی۔

''اس سے تھوڑے سے زیادہ ہی برے ہو۔'' ایک لڑکی کے منہ سے اس قسم کا الوادائی فقرہ سن کر میرا مزاج برہم ہونا چاہیے تھا۔ مگر مجھے ہنسی آ گئی۔

''میرا خیال ہے اگر ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ بعد تم سے ملاقات ہو تو تمہارے بارے میں میری یہ رائے تبدیل ہو سکتی ہے۔''

اس نے کہا تو میں ایک بار پھر ہنس دیا ابھی میں اسے کوئی جواب دینے ہی والا تھا کہ ڈیڈی ہمارے قریب چلے آئے۔ ہم دونوں ہی ان کے قریب آنے پہ خاموش ہو گئے مگر ہمارے چہروں پہ واضح انداز میں لکھا تھا کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ بالکل بھی بور نہیں ہوئے۔ گھر واپس آتے ہوئے ڈیڈی نے میری ہما کی دوستی

کے لیے پسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ مجھے حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا کیونکہ ثانیہ کمال کے بعد ہما کامران دوسری لڑکی تھی جس سے میرے میل ملاپ کو ڈیڈی سراہ رہے تھے۔

گھر پہنچ کر اپنے بیڈروم میں آنے تک میں ہما کامران کو بھول چکا تھا۔ کیونکہ آج رات میں ثانیہ کو فون کرنے والا تھا۔

☆ ☆ ☆

''آنٹی! یہ میں آپ کے لیے لائی ہوں۔'' ثانیہ نے کھجور کے پتوں سے بنی وہ بھوری باسکٹ ممی کے بیڈ کے سائیڈ ٹیبل پہ رکھتے ہوئے کہا۔ ممی کا بی پی ہائی تھا اور وہ آج کل آرام کر رہی تھیں۔ میں نے ہی فون پہ ثانیہ سے کہا تھا کہ وہ ممی کی عیادت کے لیے آئے ممی کو اچھا لگے گا۔ وہ شام کو ہی چلی آئی تھی۔ چونکہ میں اس کی آمد سے بخوبی واقف تھا اس لیے میں بھی آفس سے گھر آ گیا تھا۔

''اسد کی بلی نے بچے دیے ہیں۔ میں ایک آپ کے لیے لے آئی۔''

اس نے خود ہی بلی کو ٹوکری سے باہر نکال لیا۔ وہ چھوٹا سا بلی کا بچہ سچ مچ کافی کیوٹ تھا۔ اس کی گردن میں سرخ ربن سے چھوٹی سی گھنٹی لٹک رہی تھی۔ وہ اپنے آپ کو اس ماحول میں اجنبی محسوس کر رہا تھا اور اس اجنبیت کا اظہار وہ گردن ہلا ہلا کر کر رہا تھا۔ جس کے باعث وہ گھنٹی بھی مسلسل ہل رہی تھی۔ اور کمرے میں مدھری ٹن ٹن گونج رہی تھی۔

''یہ تو بہت کیوٹ ہے ثانی!'' میں نے بلی کے اس بچے کو ٹوکری سے نکال کر گود میں لیتے ہوئے کہا۔ ممی نے ثانیہ کا نام اس بے تکلفی سے لیے جانے پہ مسکراتے ہوئے مجھے دیکھا۔

''ہے نا......؟'' اس نے بچوں کی طرح خوش ہوتے ہوئے گویا دوبارہ سے تصدیق چاہی۔ ثانیہ کا یہ روپ ممی کے لیے نیا ضرور تھا مگر میں تو اس کے ہر روپ سے بخوبی واقف تھا۔ میں جانتا تھا جب وہ بہت زیادہ خوش ہوتی ہے تو اسی طرح اسی خوشی کا اظہار کرتی ہے۔

''اس کا نام میں نے فینی رکھا ہے۔ لیکن آنٹی! اب تو یہ آپ کا ہے آپ چاہیں تو اس کا نام تبدیل کر سکتی ہیں۔'' ثانیہ نے ممی سے کہا۔

''ہم بھی اس کا نام فینی ہی رہنے دیتے ہیں۔ ویسے یہ بلی ہے یا بلا۔'' ممی بولی تھیں۔

''سچ آنٹی...... فینی بہت پیارا نام ہے نا...... ویسے بھی اب یہ مانوس ہو چکی ہے اس نام کے ساتھ۔''

اس نے ایک بار پھر خوشی کا اظہار کیا اور ساتھ ہی بلی کے اس بچے کی جنس کے بارے میں بھی وضاحت دی۔

''فینی...... فینی...... ادھر دیکھو...... آنٹی! یہ اپنے نام پہ فوراً سر اٹھا کر دیکھتی ہے۔''

بلی کے بچے نے سر اٹھا کر دیکھا تھا نہ وہ چونکا تھا مگر میں اور ممی ثانیہ کی اس بچکانہ ادا پہ مسکرا دیے۔

''یہ ڈانس بھی کرتی ہے اور ہینڈ شیک بھی۔'' اس نے محترمہ فینی کی مزید خصوصیات کے بارے میں گوہر افشانی کی۔

''اسد کیسا ہے؟'' ممی نے اس کے بھائی کے متعلق پوچھا ثانیہ ایک لمحہ کے لیے خاموش ہوگئی پھر توقف کر کے بولی۔

''جی آنٹی! بالکل ٹھیک ہے۔'' مجھے اس کے اور ممی کے انداز نے ذرا کی ذرا حیرت میں مبتلا کیا۔ میں خود تو ابھی تک اسد کمال سے نہیں ملا تھا۔ مگر ممی کا انداز جس قدر پرشفقت تھا اس سے مجھے احساس ہوا کہ شاید اسد بیمار ہے۔ مگر پھر اپنی غلط فہمی سمجھتے ہوئے میں نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔ وہ مجھ سے شکوہ کرنے لگی کہ میں اسد سے ملنے کے لیے ابھی تک اس کے گھر کیوں نہیں آیا۔

''میں اسد سے تمہاری باتیں کرتی ہوں میں نے اسے تمہارے متعلق بہت سی باتیں بھی بتائی ہیں۔ وہ تم سے مل کر بہت خوش ہوگا۔''

''میرے متعلق کیا بتایا تم نے اسے؟'' میں نے متجسس ہو کر پوچھا تو وہ مسکرا دی۔

''بہت کچھ......سب کچھ......تم بہت اچھے تیراک ہو۔ ایک مرتبہ تم نے صوبائی لیول پہ گولڈ میڈل جیتا تھا۔ سوئمنگ کے مقابلوں میں......ٹینس کے بھی تم ماہر کھلاڑی ہو۔ اسمارٹ اور ہینڈسم ہو۔''

میں اس کے انداز پہ ہنس دیا۔

''دراصل اسد کی اپنی بھی یہی دلچسپیاں ہیں۔ وہ بھی ٹینس کا بہت اچھا کھلاڑی ہے۔ اس کو سوئمنگ کا بھی بہت شوق ہے۔ مگر ڈاکٹرز اس کو سوئمنگ کی اجازت نہیں دیتے۔ لیکن وہ پھر بھی......''

اس کی بات ابھی نامکمل تھی اور میں اس سے پوچھنا چاہتا تھا کہ ڈاکٹرز اسد کو سوئمنگ کی اجازت کیوں نہیں دیتے۔ لیکن اس سے پہلے کہ میں کچھ پوچھتا۔ ہم نے گاڑی کا ہارن سنا۔ وہ ڈیڈی کی گاڑی کا ہارن تھا۔ چوکیدار کے گیٹ کھولنے اور ڈرائیور کے گاڑی اندر لانے تک میں اور ثانیہ ان کی طرف ہی دیکھتے رہے۔ ڈیڈی کو ہمارے قریب سے گزر کر اندر جانا تھا۔ ان کے قریب آنے تک ثانیہ اپنی نشست سے کھڑی ہو چکی تھی۔

''السلام علیکم انکل!'' اس نے اپنے مخصوص انداز میں مسکراتے ہوئے ان کو سلام کیا۔

''علی! اشعر آفس میں تمہارا منتظر ہے۔ اسے فرانس والے پراجیکٹ کو ڈسکس کرنا ہے۔ تم فوراً اس کے آفس پہنچو۔''

انہوں نے حکمیہ انداز میں مجھ سے کہا پھر ثانیہ کی طرف دیکھا اور خشک سے لہجے میں اس کے سلام کا جواب دیا ڈیڈی کے رویے سے سخت توہین کا احساس ہوا اگرچہ ان کا یہ رویہ میرے لیے نیا نہیں تھا۔ ثانیہ کے لیے بہر حال نیا اور انوکھا تھا۔ ڈیڈی اس سے احوال دریافت کیے بغیر اندر کی سمت چل دیے۔ حالانکہ پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا' وہ ثانیہ کو کافی پسند کرتے تھے۔ اور اس کے ساتھ ان کا رویہ کافی مشفقانہ ہوتا تھا۔ اس کے چہرے سے مسکراہٹ یک لخت غائب ہوگئی تھی۔

''انکل کا موڈ کچھ آف دکھائی دیتا ہے۔'' میرے کچھ بھی کہنے سے پہلے وہ پہلے کی طرح مسکراتے ہوئے بولی۔ میں اس کی مسکراہٹ کے بناوٹی پن کو بخوبی پہچان رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ڈیڈی کے اس رویے کی کیا وضاحت دوں۔

''تمہیں آفس جانا ہے میں بھی اب چلتی ہوں۔''

وہ خود ہی پروگرام طے کر کے بولی۔ میں ابھی بھی خاموش تھا۔ وہ اپنے سن گلاسز میز سے اٹھا کر خاموشی سے گیٹ کی سمت چل دی۔ میں وہیں کھڑا رہا تھا۔ مجھے کیوں نہیں جانا تھا کیونکہ میں جانتا تھا اشعر میرا منتظر نہیں ہے۔ میں آفس سے واپسی پہ اسے خود ائیر پورٹ ڈراپ کر کے آیا تھا۔ اسے کراچی کے لیے فلائٹ پکڑنا تھی۔

''ڈیڈی نے جھوٹ کیوں بولا؟'' میں نے بند گیٹ کی سمت دیکھتے ہوئے خود کلامی کی تھی۔

☆ ☆ ☆

''مجھے اس کلر اسکیم سے الجھن ہونے لگی ہے۔ میں اسے تبدیل کرنا چاہتا ہوں۔'' ڈیڈی نے کھڑکی کے پردے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو مجھے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ گزشتہ پانچ سال سے میں ان سے اصرار کر رہا تھا کہ اپنے آفس کا انٹریر تبدیل کر لیتے ہیں۔ مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوتے تھے۔ انہیں میری طرح جلدی جلدی اپنی ترجیحات شوق اور چیزیں بدلنے کا شوق نہیں تھا۔ انہیں جو چیز پسند آ جاتی تھی وہ اس کے ساتھ گویا چپک سے جاتے تھے اور اس سے چھٹکارا تب ممکن ہوتا تھا جب اس چیز میں کوئی خرابی یا نقص پیدا ہوتا تھا۔ کیونکہ ڈیڈی کو ذرا سا بھی نقص برداشت نہیں ہوتا تھا۔ پانچ سال پہلے یہ آفس انٹریر ہم نے ایک فرینچ آرکیٹکٹ سے کروایا تھا۔ میں جب بھی ڈیڈی کو اسے تبدیل کرنے کی صلاح دیتا تھا تو وہ کہتے تھے۔

''جب تک مجھے رچی بریڈلے جیسا کوئی اور ڈیزائنر نہیں مل جاتا میں کسی کو ایک کرسی کو بھی ہاتھ لگانے کی بھی اجازت نہیں دوں گا۔''

اب اگر وہ کسی تبدیلی کے بارے میں سوچ رہے تھے تو یقیناً انہیں کوئی بہت اچھا انٹریر ڈیزائنر مل گیا تھا۔

''تم کسی بہت اچھے سے آرکیٹکٹ کو جانتے ہو؟'' انہوں نے مجھ سے پوچھا تو میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔ میں اپنے کیبن سے ان کے کیبن میں صرف لنچ کی غرض سے آیا تھا۔ واپس جا کر مجھے کچھ ضروری فائلز چیک کرنی تھیں مگر وہ طویل گفتگو کے موڈ میں تھے۔ میں بہت اچھے آرکیٹکٹس کو جانتا تھا مگر اس سے پہلے کہ میں کسی کا نام لیتا ڈیڈی فوراً بولے تھے۔

''ارے ہاں......ہما نے بھی تو بہت سے کورسز کیے ہوئے ہیں۔ کامی بتا رہا تھا کہ اس کے آفس کا سارا انٹریر ہما کی مرضی و مشورے سے ہی ہوا تھا۔ تم اس سے بات کرو......ہم بھی اسی بچی کی سروسز حاصل کر لیتے ہیں۔''

میں ان کی بات پہ حیران ہو کر ان کا چہرہ تکنے لگا۔ ہما کامران سے بہت اچھے اچھے لوگ بھی اس فیلڈ میں موجود تھے۔ مگر نجانے کیوں وہ ہما کامران کا نام لے رہے تھے۔

اس کے علاوہ مجھے اس بات پہ بھی کافی حیرانی ہوئی کہ وہ مجھے اس سے بات کرنے کے لیے کیوں کہہ رہے ہیں۔ میں اس سے ایک ہی بار تو ملا تھا۔ اگرچہ وہ ملاقات کافی خوشگوار تھی مگر اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ اس قسم کی ڈیلنگ کو لیے میں اس سے رابطہ کروں۔ میرے اس کے ساتھ کوئی ذاتی دوستانہ تعلقات تو نہیں تھے مگر

میں نے ڈیڈی سے بحث کرنے کی کوشش نہیں کی کیونکہ میں چاہتا تھا وہ میری ناراضی کو محسوس کریں۔ مجھے ان کے ثانیہ کے ساتھ اس دن والے رویے پہ ابھی تک دکھ تھا۔

"ابھی فون ملاؤ اور ہما سے بات کرو۔" ڈیڈی نے میری خاموشی کو میری رضامندی سمجھتے ہوئے ٹیلی فون سیٹ میری طرف بڑھایا۔

"مجھے تو نمبر بھی نہیں پتا۔" میں ان کی اس قدر عجلت پسندی سے جھنجلا کر بولا تو وہ مسکرا دیے۔ گویا میری چوری پکڑی ہو۔

"میرے پاس حقیقتاً ہما کامران صاحبہ کا نمبر نہیں ہے ڈیڈی!" میں نے زچ ہو کر کہا۔ وہ ایک خوبصورت لڑکی تھی۔ اور میرے پاس خوبصورت لڑکیوں کے ٹیلی فون نمبرز کی ایک الگ انڈیکس ہوتی تھی مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ میں انہیں ہر وقت فون کرتا رہتا تھا کیونکہ ڈیڈی کی سخت طبیعت کا بھی ڈر تھا اور اب جب سے میں ثانیہ کی محبت میں میں گرفتار ہوا تھا تب سے تو میں نے ایسے کام کرنے بھی چھوڑ دیے تھے۔ میرے انداز اور لہجے نے ڈیڈی کو بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔ میں اپنے چہرے پہ ان کی پرسوچ نظریں محسوس کر رہا تھا۔

انہوں نے اپنی سیکریٹری کو "مرکام" پہ کامران انٹرپرائز کا نمبر ملانے کے لیے کہا۔ چند لمحوں بعد شاید کامران خان لائن پہ تھے۔ ڈیڈی ان سے بے تکلف دوستوں کی طرح باتیں کرنے لگے۔ ان سے کام کی بات کرنے کے بجائے انہیں رات کے کھانے پہ انوائٹ کر لیا تھا اور بطور خاص تاکید کی تھی کہ ہما بیٹی کو ضرور ساتھ لے کر آئیں۔ ڈیڈی کا رویہ چونکا دینے والا ہی نہیں بلکہ پریشان کن بھی تھا۔

"ڈیڈی......! اگر کامران صاحب کی فیملی ڈنر پہ آ رہی ہے...... تو کیوں نہ...... انکل کمال اور ان کی فیملی کو بھی انوائٹ کر لیتے ہیں۔"

ان کے فون بند کرنے پہ میں نے کچھ جھجک کر کہا۔ ڈیڈی نے میرے چہرے کی طرف دیکھا پھر توقف کر کے بولے۔

"ایک فیملی گیدرنگ میں ان لوگوں کا کیا کام۔

نہیں یار...... مناسب نہیں لگتا۔ اسی مہینے انشاء اللہ ایک آدھ بزنس ڈنر رکھتے ہیں۔ سب فرینڈز کو فیملی سمیت انوائٹ کریں گے تو پھر ان لوگوں کو بھی انوائٹ کر لیں گے۔"

میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان کا چہرہ دیکھنے لگا جبکہ وہ میری طرف دیکھنے کے بجائے فائل میں گم ہو گئے۔ انہیں اپنے جذبات پہ ہمیشہ قابو رہتا تھا۔

"ایک فیملی گیدرنگ میں ان لوگوں کا کیا کام۔"

ڈیڈی کی آواز میرے کانوں میں دھمک کی طرح گونجی تھی۔ میں جن کے ساتھ اپنی فیملی کی ابتدا کرنے والا تھا وہ ڈیڈی کے لیے "ان لوگوں" تھے۔ ڈیڈی کا رویہ روز بروز میرے لیے عجیب سے عجیب تر ہوتا جا رہا تھا۔ میں خاموشی سے اٹھ کر اپنے کیبن میں آ گیا۔

☆ ☆ ☆

"مجھے میوزک سے عشق ہے۔"

اس نے میرے میوزک کلیکشن سے متاثر ہوتے ہوئے کہا تو میں بھی مسکرا دیا۔ ڈیڈی سے میری ناراضی ابھی تک برقرار تھی مگر کامران خان اور ان کی فیملی سے مخصوص دوستانہ انداز میں ملا۔ میں نے ہما کامران کو دوستوں کی طرح کمپنی فراہم کی تھی۔ وہ اپنے ممی اور پاپا کے ساتھ ہمارے یہاں آئی تھی۔ اس کا ایک بھائی تھا جو شادی شدہ تھا اور اپنے بیوی بچوں کے ساتھ کوئٹہ میں مقیم تھا۔

ہما نے موسم کی مناسبت سے اسٹائلش سا سوٹ پہن رکھا تھا۔ آدھی آستینوں والی شرٹ میں دونوں کلائیوں میں ہم رنگ چوڑیاں پہنے وہ بہت منفرد لگ رہی تھی۔ وہ میرے کمرے میں بہت اطمینان سے بیٹھ گئی تھی۔ جبکہ ثانیہ کبھی بھی میرے بیڈروم میں اس طرح نہیں بیٹھی تھی اور حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے ثانیہ کی یہ بات کبھی پسند نہیں آتی تھی۔ اس کی اتنی احتیاط سے میں خود اپنے آپ کو ناقابل اعتبار سمجھنے لگتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ مجھ پر اپنے آپ سے زیادہ اعتبار کرے۔

"یہ والا نمبر پلے کرو۔" اس نے برائن ایڈم کے کیسٹ پہ انگلی رکھ کر کہا۔

کمرے میں چند لمحوں بعد وہ گانا اپنی پوری شدت کے ساتھ گونجنے لگا تھا۔ وہ گانا مجھے بھی پسند تھا مگر ثانیہ کو وہ گانا سخت ناپسند تھا۔ اسے اس گانے کے بولوں پہ بہت اعتراض تھا۔

"اس کے LYRICS بہت بے ہودہ ہیں۔" میں نے ایک بار ثانیہ کو یہ گانا گنگنا کر سنایا تھا۔ تو وہ ناک چڑھا کر بولی تھی جبکہ مجھے ہنسی آ گئی تھی۔

"تم اس ہٹ نمبر کے بول میں چھپی محبت کی گہرائی کو محسوس کرنے کی کوشش تو کرو۔"

میں نے اس کو چڑانا چاہا تھا اور وہ سخت برا مان گئی تھی۔ مجھے اس لمحہ ثانیہ کی یہ حرکت بہت اچھی لگی تھی۔ برائن ایڈم کے اس گانے کے بول سچ مچ قابل اعتراض تھے اور اب ہما کامران کے ساتھ بیٹھ کر اس گانے کو اس طرح انجوائے کرنے میں بھی مجھے بہت مزہ آ رہا تھا۔

مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہما کی جگہ ثانیہ میرے سامنے بیٹھی پاؤں ہلا ہلا کر اور تالیاں بجا بجا کر اس گانے سے لطف اندوز ہو رہی ہے۔ ہما کی بازو میں کھنکتی چوڑیاں مجھے ثانیہ کی یاد دلا رہی تھیں۔

"یہ چوڑیاں بہت اچھی لگ رہی ہیں۔" میں نے بالآخر تعریف کر دی۔ یہ میری پرانی عادت تھی۔ میرے دل میں جو ہوتا تھا میں کہہ دیتا تھا۔ ہما میری طرف دیکھ کر مسکرائی اور بولی۔

"ہاں...... اچھی ہیں...... تھینکس...... مگر علی......! تم نہیں پہننا...... لڑکوں کے بازو میں چوڑیاں اچھی نہیں لگتیں۔"

اس امریکن ڈول کے منہ سے یہ دیسی قسم کا طعنہ سن کر کافی بدمزہ ہوا مگر مسکراتے ہوئے میں نے حساب برابر کرنے کی کوشش کی۔

"یو ڈونٹ وری...... بہت سی لڑکیوں کی ٹانگوں پر جینز اچھی نہیں لگتی مگر پھر بھی وہ پہن لیتی ہیں۔ میں بھی ہمت کر کے چوڑیاں پہن کر دیکھ لوں گا۔ اگر بری لگیں تو پھر اتار دوں گا۔"

''مبارک ہو...... حساب برابر ہوگیا...... پاکستانی مردوں کی یہ اہم خصوصیت ہے کہ بدلہ فوراً لے لیتے ہیں۔''

اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا مگر مجھے پورا احساس تھا کہ اسے میری بات بہت بری لگی ہے۔ میں نے اس سے ایکسکیوز کرنا چاہا مگر پھر کچھ سوچ کر خاموش ہوگیا۔ ہم دونوں ہی تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گئے تھے پھر اسی نے میرے کمرے کی کلر اسکیم وغیرہ کی تعریف کرتے ہوئے خاموشی کے اس وقفے کو توڑ ڈالا۔ میں نے بھی میزبانی نبھانے کی خاطر اس سے باتیں کرنا شروع کر دی تھیں۔

میں نے اسے ڈیڈی کے آفس کے انٹیریئر کو تبدیل کرنے کی آفر دی تو وہ کافی پرجوش ہوگئی اور بخوشی ہامی بھر لی۔ مجھے اس کی یہ بات بھی بہت پسند آئی۔ اس لڑکی کے مزاج میں نخرہ نہیں تھا۔ وہ بہت دوستانہ مزاج کی حامل تھی اور مجھے دوستانہ مزاج والے لوگ اچھے لگتے تھے۔ اسی دوران ٹیپو ہمیں کافی کے مگ دے گیا۔

''مجھے کافی بہت پسند ہے مگر اپنے ہاتھ کی...... لیکن یہ کافی بھی بہت اچھی بنی ہے۔'' اس نے اپنا مگ لبوں سے لگا لیا۔

''میری ممی کافی بہت اچھی بناتی ہیں۔'' میں نے فوراً اپنی ماں کی سگھڑاپے کو سراہا۔

مسز کامران خان میری ممی کے مقابلے میں کافی سوشل تھیں اور بزنس میں وہ اپنے شوہر کی طرح کامیاب تھیں جبکہ میری ماں ایک ہاؤس وائف تھیں اور مجھے ان کا یہی روپ پسند تھا۔

''میری مما! صرف ایک اچھی چیز بنا سکتی ہیں...... فیس ماسک۔'' وہ خود ہی ہنس دی۔

کافی پینے کے بعد بھی میں بہت دیر تک ہما کے ساتھ اپنے کمرے میں بیٹھا رہا۔ اگرچہ مجھے احساس تھا کہ ڈیڈی کو یہ بات سخت بری لگ رہی ہوگی مگر پھر بھی جان بوجھ کر انہیں غصہ دلانے کے لیے میں نے یہ حرکت کی۔

جب میں ہما کے ساتھ دوبارہ ڈرائینگ روم میں گیا تو ڈیڈی بالکل پرسکون تھے۔ ان کے چہرے پہ خفگی کی ہلکی سی رمق بھی نہیں تھی جبکہ ممی پہلی مرتبہ کچھ مضطرب سی نظر آئیں۔ ان کی آنکھوں میں ناپسندیدگی کے واضح رنگ تھے۔ میرے والدین کا رویہ مجھے الجھن میں مبتلا کر رہا تھا مگر میری کسی بھی الجھن اور جھنجلاہٹ کو خاطر میں لائے بغیر ڈیڈی نے اپنے آفس میں تبدیلی کے لیے مجھے اور ہما کو ایک ٹیم میں یکجا کر ڈالا۔ اس دن کے بعد سے گویا میں مصروفیت کے گھن چکر میں پھنس کر رہ گیا۔ کارپٹ سے لے کر پردوں تک ہر چیز میں نے اور ہما نے خود جا کر خریدی تھی کیونکہ ڈیڈی چاہتے تھے کہ ہر چیز اعلیٰ معیار کی ہو۔ ہم دونوں اکٹھے ہی خریداری کے لیے جاتے تھے۔ ہما چیز اپنی پسند سے خریدتی تھی مگر میری رائے کو وہ مکمل اہمیت دیتی۔

ہما کے بارے میں میری رائے بدلتی جا رہی تھی۔ میری نظر میں اس کی شخصیت کا گراف بلند ہوتا جا رہا تھا۔ میں نے اسے ایک بار اشاروں میں سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ عام جگہوں پہ لباس کے معاملے میں لڑکیوں کو احتیاط برتنی چاہیے اور اگلے ہی دن وہ اس معاملے میں محتاط ہوگئی تھی۔ اگرچہ وہ مغربی لباس ہی پہننا پسند کرتی تھی مگر میرے ایک بار کہنے پر اس کے مغربی لباس پہ اسکارف وغیرہ کی مدد سے مشرقی ٹچ نمایاں ہونے لگا تھا۔

''ہما کامران ایک بہترین لڑکی ہے'' میں نے چند دن بعد اشعر سے فون پہ کہا تو وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

''علی...... رولنگ اسٹون گیدرز نو ماس۔'' (ہلتے پتھر پہ کائی نہیں جمتی) اس نے کہا تو میں تڑپ اٹھا۔

''مطلب'' میں نے استفہامیہ انداز میں کہا۔

''مطلب یہ کہ خبیث...... تم دھوبی کے کتے ہو جو گھر کا ہو سکتا ہے نہ گھاٹ کا۔ اگر تمہارے ابا پھولن دیوی کو تم سے متعارف کرواتے ہوئے یہ کہہ دیں کہ وہ اچھی ہے تو تم اگلے ہی دن اس بات کا پرچار کرتے نظر آؤ گے کہ پھولن دیوی ایک بہترین لڑکی ہے۔''

اس نے طنزیہ انداز میں کہا تو میں نے ہنستے ہوئے اسے گالیاں دینا شروع کر دیں۔ وہ بھی ہنسنے لگا تھا اور اسی طرح بات ہنسی مذاق میں ختم ہوگئی۔

''اشعر کو بکواس کرنے کی عادت پڑ گئی ہے۔'' میں نے رات کو سوتے ہوئے سوچا تھا۔ حقیقت کو تسلیم کرتا تو وہ کچھ غلط نہیں کہہ رہا تھا مگر مجھے حقیقت کا ادراک کہاں تھا۔

☆ ☆ ☆

''آپ کہاں رہتے ہیں آج کل...... ملتے ہیں نہ فون کرتے ہیں...... ناراض ہو علی!''

اس نے شکوہ کرتے کرتے ایک دم اتنے پیار سے پوچھا تو میں شرمندہ سا ہوگیا۔ دل چاہا اڑ کر اس سے ملنے کے لیے پہنچ جاؤں۔

''نہیں ثانی...... بلکہ مجھے اس بات کا خدشہ تھا کہ کہیں تم مجھ سے خفا ہو۔ میں تمہاری خفگی برداشت نہیں کر سکتا ثانی!'' میں نے شرمندگی سے کہا۔

''میں تم سے خفا نہیں ہو سکتی علی!'' وہ عجب کھوئے کھوئے انداز میں بول رہی تھی اور اس کا انداز مجھے نادم کر گیا۔ میں گزشتہ کئی دنوں سے اسے بہت بری طرح نظر انداز کر رہا تھا۔ اس سے ملاقات بھی نہیں ہو پا رہی تھی اور وہ فون کرتی تھی تو میں مصروف ہوتا تھا ڈیڈی نے فون اپنے بیڈروم میں رکھنا شروع کر دیا تھا۔ میں نے ڈیڈی کی ہر خفگی کو پس پشت ڈالتے ہوئے اسے لنچ کی دعوت دے ڈالی۔

''میں نے تمہارے ساتھ بہت بار لنچ کیا ہے۔ آج تم میرے ساتھ گھر پہ لنچ کرو۔ امی چکن بون لیس بنا رہی ہیں۔ میں تمہارا فیورٹ سوپ بنا لیتی ہوں اسد سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔''

اور میں نے اس کی آفر قبول کرنے میں لمحہ لگایا تھا۔ اپنی سیکریٹری کو ضروری کام کا کہہ کر میں ثانیہ کے گھر پہنچا تو ثانیہ کے ساتھ ساتھ انکل اور آنٹی بھی میرے منتظر تھے۔ انکل نے بتایا کہ وہ اتفاق سے گھر آئے تھے تو پتا چلا کہ ایک خاص الخاص مہمان لنچ پہ آ رہا ہے۔ وہ صرف مجھ سے ملنے کے لیے رک گئے تھے۔ ان کے رویے نے مجھے احساس دلایا کہ ان کے گھر میں میری بہت اہمیت ہے۔

''اسد کو ملوایا علی سے۔'' کھانا لگنے سے پہلے انکل نے ثانیہ سے پوچھا۔

''نہیں...... کھانا لگانے کے بعد کو اس بلاؤں گی۔''

ثانیہ کی بات پہ مجھے حیرت سی ہوئی کہ اسد کمال صاحب کھانا لگنے سے پہلے مجھ سے کیوں نہیں مل سکتے۔ انکل مجھے اسد کی مصروفیت کے بارے میں بتانے لگے۔

''اسد پاکستان آ کر بہت ڈل ہو گیا ہے...... وہ یہاں آ کر اپنے آپ کو بہت ان ایزی فیل کرتا ہے...... میں سوچتا ہوں کہ امریکہ ہی شفٹ کر جاؤں۔ ثانیہ کی شادی ہو جائے...... یہ سب اس کے بعد ہی ممکن ہے۔''

وہ ایک فکر مند باپ کی طرح بولے۔ میں سمجھ گیا تھا کہ ثانیہ ان سے میرے بارے میں بات کر چکی ہے مگر میں کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھا کیونکہ میں ڈیڈی کی مرضی کے بغیر ایک لفظ بھی نہیں کہہ سکتا تھا اس لیے میں خاموشی سے ان کی بات سننے لگا۔ اسی دوران بارہ تیرہ سال کا ایک بچہ انکل کے پہلو میں آ کر بیٹھ گیا۔ اس بچے نے لائٹ بلیو جینز کی شارٹس کے ساتھ ڈارک بلیو ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔

اس بچے کو پہلی بار دیکھنے میں کوئی عجیب سا تاثر نہیں ابھرتا تھا مگر دوسری تیسری نظر ڈالنے پہ ناگواری کا احساس ہوتا تھا۔ اس کا منہ ٹیڑھا تھا اور آنکھوں کا زاویہ کچھ ترچھا تھا۔ اس کے ہونٹوں کے کنارے سے رال ٹپک رہی تھی۔ جسے وہ تھوڑی دیر بعد اپنی ٹی شرٹ کے ساتھ سلے رومال سے صاف کر لیتا تھا۔ اس کے ہونٹ کے بالائی حصے پہ ہلکے بال تھے۔ انکل نے بہت پیار سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ لیا تھا۔

''یہ میرا اکلوتا بیٹا اسد ہے۔'' ان کے تعارف کروانے پہ ایک لمحہ کے لیے تو میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ ثانیہ نے مجھے بارہا بتایا تھا کہ اس کا بھائی اس سے دو سال بڑا ہے۔ وہ اس کے کتنے ہی کارنامے مجھے سنا چکی تھی۔ بیسٹ سوئمر، بیسٹ ٹینس پلیئر، بیسٹ رنر...... نجانے کتنی بار اس نے مجھے اپنے بھائی کے کارناموں کے متعلق تفصیل سے بتایا تھا۔ اسد کمال جس سے ملنے سے پہلے میں کچھ بے چینی محسوس کر رہا تھا کہ اس امریکہ پلٹ نوجوان کے سامنے میں کہیں خود کو کمتر نہ محسوس کروں۔ اس بے چینی کی جگہ اب کچھ عجیب سے احساسات نے لے لی تھی۔ انکل اور ثانیہ مجھے بغور دیکھ رہے تھے۔ شاید انہیں میرے ردعمل کا احساس تھا۔

''اسد...... جاؤ علی بھائی کو اپنے میڈلز لا کر دکھاؤ۔''

ثانیہ نے اسے پکار کر کہا وہ خاموشی سے اٹھ کر ایک کمرے کی سمت چلا گیا تھا۔

''اسد ایک ابنارمل انسان ہے۔'' انکل نے کمرے میں چھائی ہوئی جامد خاموشی کو توڑا تھا۔

''مشی گن میں ایک اسپیشل پرسنز کا کلب ہے۔ اسد اسی کلب کا ریگولر ممبر ہے اور اس نے اس کلب کے تحت ہونے والے بہت سے مقابلوں میں بہت سے میڈلز جیتے ہیں۔''

انکل نے یہ بتا کر گویا خود ہی میری حیرت ختم کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے ایک نظر ثانیہ کو دیکھا اس نے اپنے بھائی کے متعلق مجھے کبھی کچھ نہیں بتایا تھا۔

اسد کی عمر پچیس سال ہے مگر دیکھنے میں وہ پندرہ سال کا بھی نہیں لگتا تھا۔ اس کی ذہنی نشوونما ایک ہی جگہ رکی ہے۔ ڈاکٹرز کا خیال ہے وہ پچیس برس کا ہو کر بھی ایسا ہی رہے گا۔ اس کی جسمانی حالت اور ذہنی حالت

میں تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔''

انکل دھیمی سی آواز میں ساری تفصیل بتا رہے تھے۔ میں ان کے دکھ کا اندازہ لگا سکتا تھا۔ ان کا اکلوتا بیٹا کبھی نارمل زندگی نہیں گزار سکتا تھا۔ اسد دوبارہ انکل کے پاس آ کر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے ایک براؤن رنگ کا بیگ پکڑ رکھا تھا۔

وہ ایک ایک کر کے مجھے میڈل دکھانے لگا۔ انکل اور ثانی بہت دلچسپی سے اس کی چیزیں دیکھ رہے تھے۔ ثانیہ بے وجہ میڈل دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔ میں نے اسے بلی کے بچے کی حرکتوں پہ بھی اسی طرح خوش ہوتے دیکھا تھا۔ اسد کے منہ سے رال ٹپک کر انکل کے ہاتھ پہ گری تھی جسے انہوں نے اسی کے رومال سے صاف کر لیا تھا۔ مجھے کراہیت کے عجیب سے احساس نے گھیر لیا۔ میں نے اسد کے چہرے کی طرف دوبارہ بغور دیکھا تھا۔ مجھے احساس ہوا تھا کہ اس کے چہرے پہ ایک دن پرانی شیو کے اثرات تھے۔ اس کا چہرہ دیکھ کر پہلی مرتبہ جو ناگواری کا احساس ہوا تھا مجھے اس کی وجہ سمجھ میں آ گئی تھی۔

میں نے اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ پچیس سال کا ایک نوعمر لڑکا دیکھا تھا۔ میرا رویہ اور میری حیرانی بجا تھی۔ لنچ کے فوراً بعد میں واپسی کے لیے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

''آپ نے مجھے مٹی کا کھلونا سمجھ رکھا ہے۔ ڈیڈی!'' میں نے خفگی سے کہا۔ یہ شاید پہلی مرتبہ تھا کہ میں ڈیڈی سے اس انداز میں بات کر رہا تھا۔ انہیں شاید توقع تھی کہ میں اس طرح سے بھڑک اٹھوں گا اسی لیے وہ خاموشی سے میری طرف دیکھتے رہے۔ ممی بھی میری جانب دیکھ رہی تھیں۔ ان کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ حالانکہ انہیں میری حمایت میں بولنا چاہیے تھا وہ یقیناً جانتی تھیں کہ میں دل و جان سے ثانیہ سے شادی کا خواہاں ہوں۔

''میں نے ہمیشہ آپ کی ہر بات مانی ہے ڈیڈی! آپ نے بچپن سے لے کر آج تک جو چیز مجھے دلا دی میں نے چوں چرا کیے بغیر قبول کر لی...... اپنی مرضی سے تو ایک جیومیٹری بکس تک نہیں خریدنے دیا آپ نے مجھے...... میں اس بات سے انکار نہیں کر رہا کہ آپ نے ہمیشہ مجھے ہر بہترین چیز دی ہے...... مگر...... اب نہیں...... اب نہیں...... ڈیڈی...... میں شادی آپ کی مرضی سے نہیں کر سکتا۔'' وہ بات جو مجھے ٹھوس لہجے میں کہنی چاہیے تھی میں نے کمزور اور بودے سے لہجے میں کہی۔ میں خود حیران تھا کہ کل تک جو ڈیڈی کی بھی مرضی تھی' وہ آج صرف میری مرضی کیوں ہو گئی ہے۔ انہوں نے مجھے واضح لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ وہ میری شادی ہما کامران سے کرنے والے ہیں۔ انہیں اس بات کی بھی پروا نہیں تھی کہ میں ثانیہ کے ساتھ کمٹمنٹ کر چکا ہوں۔ حالانکہ ثانیہ کے ساتھ انوالومنٹ میں بھی مجھ سے زیادہ ان کی مرضی کا عمل دخل تھا مگر وہ جیسے کچھ ماہ پہلے کی ساری باتیں بھول چکے تھے۔

''میں ہما کامران سے شادی نہیں کروں گا۔''

میں نے گردن ہلا کر اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کی کوشش کی مگر اس سے بھی میرے لہجے کی کمزوری چھپ نہ سکی۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں ایک کمزور مرد تھا اور مرد اگر کمزور ہو تو کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

''کیوں؟'' ڈیڈی نے استفسار کیا۔ ان کی آواز میں سختی اور رعونت تھی اور میں ان کے لہجے کی اسی سختی سے خائف تھا۔

''کیا کمی ہے ہما میں' ویل ایجوکیٹڈ نہیں ہے...... ویل مینرڈ نہیں ہے...... فیملی بیک گراؤنڈ برا ہے...... کیا وہ دیکھنے میں بدصورت ہے؟'' وہ بہت تحمل سے کہہ رہے تھے مگر ان کے لہجے میں اپنی بات منوا لینے کی خاصیت تھی جو آج تک میرے لہجے میں نہ آسکی تھی۔

میں نے یہ کب کہا ہے کہ ہما اچھی نہیں ہے۔ بات یہ نہیں ہے ڈیڈی! بات میری پسند کی ہے بات میری محبت کی ہے میں ثانیہ سے محبت کرتا ہوں۔ میں ثانیہ سے ہی شادی کرنا چاہتا ہوں ڈیڈی۔''

میری آواز مزید دھیمی ہوگئی۔ ڈیڈی کے چہرے پہ استہزائیہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''ثانیہ میں ایسی کیا خاص بات ہے' جو ہما میں نہیں ہے۔'' انہوں نے بھنویں اچکا کر پوچھا۔ میں ان کے انداز پہ جھنجھلا سا گیا۔

''بات خصوصیت کی نہیں ہے' بات کمٹمنٹ کی ہے۔ بات انوالومنٹ کی ہے۔ بات اٹیچمنٹ کی ہے...... اور......''

''بہت خوب......'' ڈیڈی نے میری بات کاٹ کر قہقہہ لگایا۔ ان کے انداز پہ ممی نے پہلو بدلا تھا۔

''کمٹمنٹ انوالومنٹ اٹیچمنٹ تمہارے دل میں ثانیہ کے لیے یہ جذبات واحساسات کیسے پیدا ہوئے تم نے اس کے بارے میں سوچنا شروع کیا تو تمہیں اس سے محبت ہوئی۔ تمہیں اس کے بارے میں سوچنے کا اس سے راہ ورسم بڑھانے کا مشورہ بھی تو میں نے دیا تھا اور اب ہما کے بارے میں سوچنے کا مشورہ بھی تو میں ہی دے رہا ہوں۔ تم اس کے بارے میں سوچنا شروع کرو اس سے بے تکلفی بڑھاؤ۔ تمہیں اس سے بھی محبت ہو جائے گی۔''

وہ اس طرح سے کہتے ہوئے کس قدر ظالم لگ رہے تھے انہیں خود بھی احساس نہیں تھا۔

''آپ میری زندگی کو گڈا گڑیا کا کھیل کیوں سمجھتے ہیں۔ یہ سب اس قدر آسان نہیں ہے۔ میرے لیے میرے سینے میں بھی دل دھڑکتا ہے۔ میرے جذبات اتنے ارزاں نہیں ہیں ڈیڈی۔''

میں نے بے بسی سے سوچا تھا۔ میں یہ سب ان سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ کیونکہ ان کے لیے یہ صرف ایک جذباتی ڈرامہ تھا۔

''تم مجھ پر بھروسا کرو میرے بچے۔ تم میری اکلوتی اولاد ہو۔ میں تمہارا برا نہیں چاہ سکتا۔ میرا یقین کرو میں نے ایک بہترین فیصلہ کیا ہے۔ تم جانتے ہو نا میں نے تمہیں ہمیشہ بہترین چیز ہی دی ہے۔ اس بار بھی انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ ہما اور ثانیہ دونوں ہی ماشاء اللہ اچھی بچیاں ہیں۔ مگر ہما ایک پرفیکٹ چوائس ہے۔ تمہیں اس بات کا احساس اتنی جلدی نہیں ہوگا مگر آہستہ آہستہ تمہیں میری بات کا یقین آجائے گا۔ پھر تم نہ صرف میری پسند کو سراہو گے بلکہ میرا شکریہ بھی ادا کرو گے۔''

وہ اپنے مخصوص انداز میں مجھے سمجھا رہے تھے ان کی اس قسم کی باتیں اب مجھے ازبر ہو چکی تھیں۔

میں اکلوتی اولاد ہونے کے باعث ان کے ہر اچھے برے فیصلے کا نشانہ بنتا تھا۔

''ڈیڈی...... آپ میری بات سمجھنے کی کوشش تو کریں...... جب آپ نے ثانیہ کو میرے لیے منتخب کیا تھا۔ تب بھی آپ نے اسی طرح کے دلائل دیے تھے۔

اور اب آپ مجھے ہما کے لیے کنوینس کر رہے ہیں۔ تو تب بھی آپ یہی باتیں دہرا رہے ہیں۔''

میں زچ ہو کر بولا میرے لہجے میں بے چارگی ہی بے چارگی تھی۔ سچ بھی سر جھکا کر بولا جائے تو جھوٹ لگنے لگتا ہے۔ میری گفتگو اور انداز گفتگو میں کسی کو قائل کرنے والی کوئی بات ہی نہیں تھی۔

''آپ علی کو اصل وجہ کیوں نہیں بتاتے۔''

ممی نے ڈیڈی کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر کہا۔ ڈیڈی نے گہری سانس بھری۔ پھر ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر اطمینان سے بولے۔

''تم اسد کمال سے ملے ہو کبھی؟'' ان کا انداز کھوجنے والا تھا۔

''اس سے ملنے کے بعد بھی اگر تم ثانیہ کمال سے شادی کرنا چاہتے ہو تو شاید تم سے بڑا بے وقوف اس پوری دنیا میں کہیں نہیں ہوگا۔ اسد کمال ایک ابنارمل انسان ہے اور نہ صرف اسد بلکہ کمال صاحب کا چھوٹا بھائی یعنی اسد کے چچا بھی ابنارمل ہیں۔ اسد کی والدہ کی اپنی خالہ اندھی اور معذور تھیں ان کا آدھا جسم حرکت کے قابل نہیں تھا اور یہ کسی حادثے کی وجہ سے نہیں ہوا تھا۔ بلکہ وہ یہ بیماری نسل در نسل منتقل کرتے آئے ہیں۔ ان کے یہاں خاندان سے باہر شادی کرنے کو کبھی اچھا نہیں سمجھا گیا۔ ان کے ہاں شادیوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے جو ان کے خاندان میں برسوں سے چلا آرہا ہے۔''

وہ سانس لینے کو لمحہ بھر کے لیے رکے پھر بولے۔

''ثانیہ کے والد یعنی کمال صاحب نے مجھے یہ بات بتائی ہے کہ وہ ثانیہ کی شادی اپنے خاندان میں نہیں کرنا چاہتے اسی لیے وہ ملتان سے لاہور شفٹ ہوئے ہیں تاکہ یہاں کوئی اچھا لڑکا پھانس کر...... میں تو اس کو پھانسنا ہی کہوں گا۔''

انہوں نے خود ہی وضاحت دی پھر گویا ہوئے۔

''اب انہیں تمہارے جیسا الو کا پٹھا مل گیا ہے تو وہ اپنی یہ مہم ترک کر دیں گے۔ اور اپنی بیٹی کی شادی کر کے خود امریکہ سدھار جائیں گے۔ جہیز میں ہمیں اپنی نسل در نسل چلنے والی بیماری دے جائیں گے۔ تاکہ جیسے وہ اپنی اولاد کو شرمندگی سے چھپا چھپا کر رکھتے ہیں ہم بھی ایسے ہی اپنے پوتے پوتیوں کو لاک اپ رکھیں۔''

وہ نہایت خود غرضی سے کہہ رہے تھے مگر ان کی بات غلط نہیں تھی۔ میں نے اس ضمن میں کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ نسل در نسل ہونے والی آپس کی شادیوں کے باعث اس قسم کی بیماریوں کے متعلق میں نے بہت کچھ سن رکھا تھا۔ ثانیہ کے والدین نے بیماری اپنی نسل کو منتقل کی تھی۔ اس بات کی کیا ضمانت تھی کہ ثانی اگلی نسل کو یہ بیماری منتقل نہیں کرے گی۔

''علی! تم میرے اکلوتے بیٹے ہو...... تمہارے حوالے سے میں نے بہت خواب دیکھے ہیں۔ میں

نے کبھی نہیں چاہا کہ میری طرح تم بھی اکلوتے بیٹے کے باپ رہو۔ میں چاہتا ہوں اللہ تمہیں اولاد کے معاملے میں بہت فیاضی سے نوازے اور تم جانتے ہو کہ تم اسد کمال جیسی ہینڈی کیپ اولاد کے نخرے سہہ سہہ کر ختم ہو جاؤ۔''

وہ ناصحانہ انداز میں کہہ رہے تھے۔ مجھے اب سمجھ میں آیا تھا کہ وہ اچانک کمال فیملی کے اس قدر خلاف کیوں ہو گئے تھے۔ جس روز انکل نے ہم لوگوں کو ڈنر پہ انوائٹ کیا تھا اسی روز یقیناً ڈیڈی اسد سے پہلی بار ملے تھے کیونکہ اس دن کے بعد سے ہی ڈیڈی کے رویے میں تبدیلی آنا شروع ہوئی تھی۔ انہوں نے مجھے ہما کامران سے کیوں متعارف کروایا تھا۔ میری سمجھ میں آ گیا تھا وہ ایک بہترین چیز میں کوئی بھی نقص برداشت کرنے کے بجائے اس بہترین چیز کو کسی دوسری بہترین چیز سے بدل دینا پسند کرتے تھے۔ وہ قالین پہ چائے کے دھبے کا عکس برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ یہ تو پھر پوری نسل کی بات تھی۔ میں جانتا تھا ڈیڈی کی ڈکشنری میں سمجھوتے کا لفظ سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔

''مجھے ثانیہ بیٹی سے کوئی ذاتی عناد نہیں ہے مگر اس کے ساتھ تمہاری شادی کر کے میں اپنی نسل کی تباہی برداشت نہیں کر سکتا۔ میں تمہیں اس کی اجازت کبھی نہیں دوں گا یہ پیار محبت بہت وقتی جذبہ ہے۔ کسی سے دوبارہ ملو اس سے دوبارہ فون پہ بات کرو خود بخود ہی محبت ہو جائے گی۔ مرد کو عورت سے محبت ہو ہی جاتی ہے۔ نکاح کے دو بول ہر آدمی کی زندگی سے کسی بھی پرانی عورت کی یاد اور نقوش مٹا کر ان کی جگہ اس عورت کے عکس کو انمٹ کر دیتے ہیں جو اس کی بیوی بننے جا رہی ہوتی ہے۔ تم اس محبت کا اچار ڈالو گے جب تمہارے پاس پچھتانے کے لیے صرف وہیل چیئر پر بیٹھے بیٹے یا بیٹی کا لاچار وجود ہوگا۔ پھر تمہیں احساس ہوگا کہ میں بکواس نہیں کر رہا تھا۔ بلکہ تمہاری اور تمہاری آئندہ نسل کی بہتری کے لیے یہ سب کر رہا تھا۔''

ان کی آواز کمرے میں گونج رہی تھی۔ اور میں خاموشی سے سن رہا تھا۔ اپنی بات مکمل کر کے وہ گہری سانس بھرتے ہوئے اپنے بیڈ روم کی سمت چل دیے۔ میرے چہرے کے تاثرات نے انہیں سمجھا دیا تھا کہ میں ان کی بات سے اتفاق کرتا ہوں۔ مجھے بچے بہت پسند تھے۔ میرے ذہن میں انکل کمال کی تصویر سی بن گئی۔ میں ان کی طرح ساری زندگی اپنی اولاد کے منہ سے بہنے والی رال صاف کرتے ہوئے نہیں گزار سکتا تھا۔ میں نے فیصلہ نہیں کیا تھا کیونکہ فیصلہ کرنے کا حق میرے پاس نہیں تھا۔ مجھے حکم ماننا پڑتا تھا اور میں نے حکم مان لیا تھا میں اس کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتا تھا۔ اپنے بیڈ روم میں آ کر میں نے اشعر کو فون کیا تھا۔

''تو سچ مچ دھوبی کا کتا ہے علی!'' اس رات ساری بات سننے کے بعد اشعر نے مجھ سے کہا تھا۔ وہ آج سے پہلے ہمیشہ یہ بات مذاق میں کہتا تھا مگر پہلی بار اس کے انداز میں غصہ اور خفگی کے ملے جلے اثرات تھے۔

فون بند کر کے میں نے اپنے آپ کو بستر پہ گرا لیا۔

اسی طرح ہم اپنے آپ کو دوسروں کی نظروں سے بھی گرا لیتے ہیں اور ہمیں احساس بھی نہیں ہوتا۔

☆ ☆ ☆

''یہ کیسی لگ رہی ہے؟'' ہما نے اپنا مخروطی ہاتھ میرے چہرے کے سامنے لہرایا۔ تو میں چونک سا

گیا۔ وہ نازک سی ڈائمنڈ رنگ اس کے ہاتھ میں مزید خوبصورت لگنے لگی تھی۔ میں نے بے اختیار سراہا تو وہ مسکرا دی۔

''یہ ہی پیک کر دیجیے''۔ اس نے وہی انگوٹھی سیلز مین کو دیتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ اس کے چہرے سے اس کی خوشی کی شدت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا تھا۔ کاؤنٹر پہ ادائیگی کر کے ہم جیولرز شاپ سے باہر نکل آئے۔

باہر نکلتے ہوئے ایک عجیب سے احساس نے گھیر لیا۔ مگر میں نے سر جھٹک کر اس احساس سے پیچھا چھڑایا تھا۔ شادی کی تیاریاں کرتے ہوئے مجھے بارہا ثانیہ کا خیال آیا تھا اور ہر بار میں نے اسی طرح سر جھٹکا تھا۔ ہمارے سر جھٹکنے میں کہیں نہ کہیں غرور کا پہلو ضرور نمایاں ہوتا ہے اور بزرگ کہہ گئے ہیں کہ غرور کا سر ہمیشہ نیچا ہوتا ہے۔

میری اور ہما کی شادی کی تیاری تقریباً مکمل ہو چکی تھی۔ میں اس کے ساتھ اس کی پسند سے شادی کا تحفہ خریدنے آیا تھا۔ ہما کافی سوشل قسم کی لڑکی تھی۔ اسے شاپنگ کا کریز تھا۔ وہ خریداری مکمل کرنے کے بعد بھی مزید گھومنا پھرنا چاہتی تھی۔ ہم بہت دیر تک ونڈو شاپنگ کرتے رہے پھر کافی پینے کیلیے ایک ریسٹورنٹ میں آ گئے۔

''مجھے کافی پسند نہیں ہے۔''

ہما نے جب کافی کا آرڈر دیا تھا میرے ذہن میں ایک بار پھر ثانیہ کی یاد تازہ ہوئی میں نے ایک بار پھر سر جھٹکا۔ ہما فطرت اور طبیعت میں ثانیہ سے بہت مختلف تھی۔

میں ثانیہ سے محبت کرتا تھا اور اب ہما کے لیے بھی میرے دل میں پسندیدگی کے جذبات پیدا ہونا شروع ہو گئے تھے۔ یہ میرا اصل مسئلہ تھا شاید میں سچ مچ ہی تھالی کا بینگن تھا جسے لڑھکنے میں لمحہ بھر لگتا تھا۔

''اگر میرے مقدر میں یہ ہی لکھا ہے تو میں اپنے مقدر سے لڑ نہیں سکتا تھا۔'' میں اپنے آپ کو سمجھانے کے لیے اور تسلی دینے کے لیے یہی بات دہراتا تھا۔

مجھے ہما سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ وہ بہت اچھی لڑکی تھی سب سے بڑھ کر وہ مجھ سے محبت کرتی تھی میں نہیں جانتا اس کے دل میں میری محبت کیسے پیدا ہوئی۔ اسی محبت کے باعث میں ہر گزرتے دن کے ساتھ ڈیڈی کے اس فیصلے سے مطمئن ہوتا جا رہا تھا۔

''تم نے ایک بہترین فیصلہ کر کے اپنی آنے والی نسل کو محفوظ ترین کر لیا ہے۔'' ہما سے منگنی کے بع ڈیڈی نے میرا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا تھا۔ منگنی کی تقریب میں ڈیڈی نے انکل کمال اور ان کی فیملی کو بھ انوائیٹ کیا تھا۔

انکل اور آنٹی تقریب میں شریک ہوئے مگر ثانیہ نہیں آئی تھی۔ وہ دونوں چلے آئے تھے۔ یہی ان اعلیٰ ظرفی کی بہت بڑی مثال تھی۔

''آج کل کے بچے والدین کی ہر بات سر جھکا کر نہیں مانتے۔ سعدی صاحب!'' ڈیڈی نے طنز انداز میں ثانیہ اور اسد کے بارے میں استفسار کیا تو انکل نے اپنے مخصوص انداز میں مسکراتے ہوئے جواب د

تھا۔ اس لمحہ میں ان سے نظر نہیں ملا پایا تھا۔ مجھے لگا تھا جیسے وہ مجھ پر طنز کر رہے ہیں۔ مجھے آج کل ہر شخص کا انداز گفتگو طنزیہ ہی لگتا تھا۔

منگنی کے بعد میں نے بہت بار ثانیہ سے رابطہ کر کے اپنی پوزیشن کی وضاحت کرنا چاہی مگر مجھ میں ثانیہ سے بات کرنے کی ہمت نہیں تھی۔

☆ ☆ ☆

''علی! جب میرے ساتھ ہوتے ہو تو کچھ دیر کے لیے باقی سب گرل فرینڈز کو بھول جایا کرو۔''

مجھے خاموش اور کھویا ہوا دیکھ کر ہما نے میز کی سطح کو انگلی سے بجاتے ہوئے کہا۔

''اب ایک گرل فرینڈ ہو تو تمہاری بات مان بھی لوں...... سوری یار یہ میرے لیے بہت مشکل ہے۔''

میں نے سر جھکا کر مسکراتے ہوئے کہا۔ تو وہ بھی مسکرادی پھر ہونٹ سکیڑ کر بولی۔

''تم اور گرل فرینڈ...... امپاسبل...... ہو ہی نہیں سکتا...... انکل سعدی تمہیں گرل فرینڈ وغیرہ جیسی کوئی چیز پالنے کی اجازت دے ہی نہیں سکتے اور انکل سعدی کی اجازت کے بغیر تم سانس لینا بھی گوارا نہ کرو۔''

وہ مذاق کر رہی تھی مگر مجھے اس کا مذاق پسند نہیں آیا۔ میری فرمانبرداری کو لوگ نجانے کیوں اس طرح مذاق کا نشانہ بناتے تھے۔ میں خاموش سا ہو گیا۔ ہما نے بھی خاموشی سے کافی کے سپ لینے شروع کر دیے تھے۔ کافی پینے کے بعد میں اسے گھر ڈراپ کر کے آفس آ گیا تھا۔ آفس میں آج کل زیادہ کام نہیں ہوتا تھا۔ سب لوگ ہی میری شادی کی وجہ سے تیاریوں میں مصروف تھے۔ میں ڈھیلے ڈھالے انداز میں ریوالنگ چیئر پہ بیٹھ کر پیپر ویٹ سے کھیلنے لگا جب فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے کسلمندی سے فون اٹھالیا۔ میرے بار بار ''ہیلو'' کہنے پر بھی کوئی آواز سنائی نہیں دی' پھر کسی کے سسکنے کی آواز آئی مجھے لگا کسی نے میری روح کھینچ لی ہے۔ بلاشبہ دوسری جانب ثانیہ تھی۔

''ثانیہ...... ثانیہ...... یہ تم ہو نا ثانیہ...... پلیز ثانیہ کچھ تو بولو......'' میں چلایا تھا مگر میرے چلانے پر دوسری جانب فون لائن منقطع کر دی گئی تھی۔ میں نے بے بس ہو کر کرسی کی پشت سے سر ٹکا دیا۔

''تمہاری آئندہ نسل تمہاری سب سے بڑی ضرورت ہے اور تم اپنی محبت پہ اپنی ضرورت قربان نہیں کر سکتے۔''

ڈیڈی کی آواز جیسے میرے آس پاس گونجی تھی۔

ڈیڈی نے یہ بات مجھ سے تب کہی تھی۔ جب میں نے آخری کوشش کرتے ہوئے انہیں ثانیہ کے لیے منانے کی کوشش کی تھی۔ میں نے ایک جینیٹک ایکسپرٹ سے اس بارے میں مشورہ کیا تھا۔ ڈاکٹر کا خیال تھا کہ اس قسم کی شادی میں چانسز کم ہوتے ہیں کہ اولاد ماں کی کسی وراثتی بیماری کو قبول کرے مگر بہرحال اس امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے ڈیڈی کو یہ بات بتائی تھی مگر وہ پھر بھی نہیں مانے تھے۔ میں جانتا تھا وہ نہیں مانیں گے۔

''میں مجبور ہوں ثانیہ! بہت مجبور ہوں میں......'' میں نے میز پہ سر رکھ کر خود کلامی کی تھی۔

☆ ☆ ☆

میری ہما کی شادی بہت دھوم دھام سے ہوئی تھی آدھا شہر ڈیڈی کا واقف کار تھا اور باقی آدھا انکل کامران کے حلقہ احباب میں شامل تھا۔ ولیمہ ڈنر پہ گویا سارا شہر مدعو تھا۔ میں اور ہما سارے شہر کی نگاہوں کا مرکز بنے ہوئے تھے۔ بلاشبہ ہماری جوڑی چاند سورج کی جوڑی تھی۔ ہما کی سرشاری اس کے چہرے سے جھلک رہی تھی تو نا خوش میں بھی نہیں لگ رہا تھا۔ میرے دوست مجھے چھیڑ رہے تھے کہ میں متواتر ہما کی جانب دیکھ رہا ہوں۔ وہ اتنی خوبصورت لگ رہی تھی کہ اس کے چہرے سے نظریں ہی نہیں ہٹ رہی تھیں۔

انکل کامران نے سلامی میں مجھے بی ایم ڈبلیو کی چابی دی تو مجھے ڈیڈی کے انتخاب پہ ناز ہوا یہ گاڑی خریدنا میرا خواب تھا۔

شادی میں ثانیہ لوگوں کی جانب سے کوئی نہیں آیا تھا۔ وہ لوگ امریکہ چلے گئے تھے کسی نے ان کی کمی کو محسوس بھی نہیں کیا تھا۔ میں خود مطمئن تھا کہ وہ لوگ شریک نہیں ہیں۔

''میں تمہارا سامنا کیسے کرتا ثانیہ...... تم جانتی ہو نا مجھے تم سے کتنی محبت ہے۔''

ولیمہ ڈنر کے بعد اپنے بیڈروم میں ہما کے بازو میں موجود سنہری چوڑیوں کی روشنی سے منعکس ہوتے ہوئے رنگوں میں کھو کر میں نے دل ہی دل میں ثانیہ کو مخاطب کرتے ہوئے خود سے کہا تھا۔ میں ہما کو دیکھتے ہوئے ثانیہ سے باتیں کر رہا تھا۔ ثانیہ میرے دل میں رہتی تھی اور ہما میرے گھر میں رہنے لگی۔ پھر بہت جلد ثانیہ کی جگہ ہما نے لے لی۔ میں ہما کی محبت کے دھارے میں بہتا چلا گیا۔

وہ جذبات کو دل میں رکھنے والی لڑکی نہ تھی۔

اسے زندگی کے ہر معاملے میں کھل کر اپنی رائے کے اظہار کا شوق تھا۔ ہنی مون ٹرپ کے دوران سوئٹزرلینڈ کے حسین مناظر میں کھو کر میرے کندھے سے سر ٹکائے اس نے بارہا مجھ سے اپنی محبت کا اظہار کیا تھا۔ اس کا کہنا تھا وہ پہلی ملاقات میں ہی میری محبت کا شکار ہو گئی تھی۔ اس کے منہ سے یہ بات سن کر مجھے حیرانی ہوئی تھی۔ میں اتنا اچھا نہیں تھا جتنا وہ مجھے سمجھتی تھی۔

''کہنے والے کہتے ہیں کہ چاہنے سے زیادہ چاہے جانے میں نشہ ہوتا ہے۔ اور نشہ آپ کو اپنا اسیر کر لیتا ہے۔ شادی کے ابتدائی دنوں میں ہما کی یاد میں کھو کر ہما کو یکسر نظر انداز کر دیتا تھا۔ مگر ہما کو اس کی خبر نہیں ہوتی تھی۔ ہم نے پہلے ہی دن یہ عہد کیا تھا کہ ہم ایک دوسرے کا ماضی نہیں ٹٹولیں گے۔ شادی کے ابتدائی دن پلک جھپکتے گزر گئے۔

☆ ☆ ☆

اس کے بعد ایک نیا دور شروع ہوا۔ زندگی میں ذمہ داریاں اور ترجیحات بدل گئی تھیں۔ میں بزنس کا دائرہ بہت وسیع کر دینا چاہتا تھا۔ اسی لیے میں نے چند ملٹی نیشنل کمپنیز کے شیئرز خرید لیے جو دن دونی ترقی کر رہی تھیں۔ وقت ہم پر مہربان تھا۔ اسی لیے دھن ہم پر بارش کی طرح برسنے لگا۔

ہما نے بھی دوبارہ سے سب پرانے کلبز اور آرگنائزیشنز جوائن کر لیں۔ میں اس کی مصروفیت سے مطمئن تھا کیونکہ وہ ہاؤس وائف بن کر رہ نہیں سکتی تھی۔

ہمارے بچے بھی نہیں تھے کہ ان کی تربیت کرتے ہوئے وقت گزار دیتی اسی لیے ڈیڈی نے بھی اس کے اس اقدام کو ناپسند نہیں کیا تھا۔ ممی کو اگرچہ سوشل بٹرفلائی ٹائپ بہو نہیں چاہیے تھی مگر ہم باپ بیٹے کی مرضی کے آگے وہ بھی خاموش تھیں۔

ان سب باتوں کے باوجود نجانے کیوں ہما کے مزاج میں عجیب سا کھچاؤ آتا جا رہا تھا۔ ہماری شادی کو ابھی ایک سال ہی ہوا تھا مگر یوں لگتا تھا جیسے ہم دس سالہ ازدواجی زندگی گزار چکے ہیں۔ ہمارے پاس ایک دوسرے کے لیے وقت ہی نہیں ہوتا تھا۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ میں اس روٹین سے خوش تھا۔ اور اس مادہ پرستی کی دوڑ میں سب سے آگے ہونا میرا اولین خواب تھا۔ اس خواب کی تکمیل میں بہت سے اہم کام غیر ضروری ہو کر رہ گئے تھے۔

☆ ☆ ☆

شادی کی پہلی سالگرہ آئی تو ہم نے بڑے پیمانے پہ کوئی پارٹی ارینج کرنے کی بجائے ایک دوسرے کی سنگت میں وقت گزارنے کو ترجیح دی دراصل یہ آئیڈیا بھی ہما کا ہی تھا کیونکہ مجھے تو یاد ہی نہیں تھا۔ ہما نے صبح ہی صبح مجھے وش کیا پھر اشعر کا فون آ گیا۔ ممی ڈیڈی نے مبارکباد دی۔ انکل کامران نے سڈنی سے فون کیا۔ ہم دونوں کا موڈ اس روز بہت خوشگوار تھا۔

اس روز میں نے آفس سے بھی آف کیا تھا۔ لنچ پہ ممی نے کافی اہتمام کیا تھا۔ اور پھر میں ہما کی خاطر ڈنر کے لیے باہر آ گیا تھا۔ ہما نے میرے پسندیدہ رنگ کا لباس پہنا تھا۔ اور وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ مجھ سمیت ڈیڈی نے بھی اس کو سراہا تھا۔ جس سے اس کی خوشی میں مزید اضافہ ہوا تھا۔ ذرا سی تعریف اس کے مزاج پہ بہت اچھا اثر ڈالتی تھی۔ سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا۔ کہ اچانک مجھ سے ایک گڑبڑ ہو گئی۔ ڈنر کا آرڈر دیتے ہوئے اس نے پران پلاؤ منگوایا تو میرے منہ سے پھسل گیا۔

''تمہیں تو پران پلاؤ سے سخت نفرت تھی۔'' اس نے بھنویں اچکا کر میری طرف دیکھا پھر بولی۔

''مجھے سی فوڈ میں صرف پرانز ہی پسند ہیں۔''

''اچھا..... مگر تم نے مجھ سے خود کہا تھا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا تھا اور وہ کچھ سنجیدہ ہو گئی۔

''میں نے ایسا کبھی نہیں کہا علی!'' اسی سنجیدگی کے زیر اثر وہ بولی۔

''تم ہر بات بھول جاتی ہو ثانیہ!'' میں کسی خیال کے زیر اثر بولا۔ اس کے چہرے کے تاثرات یکدم بدل گئے۔

''میرا نام ثانیہ نہیں ہما ہے..... ہما علی.....'' وہ سرد لہجے بولی۔ مجھے حیرت کا خفیف سا جھٹکا لگا۔ مجھے پتا ہی نہیں چلا تھا کہ میں ''ہما'' کو ''ثانیہ'' کہہ کر مخاطب کر گیا ہوں۔ مجھے ایک لمحہ لگا تھا اپنے آپ کو سنبھالنے میں پھر میں نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

''شکر ہے..... میں نے جان بوجھ کر تمہیں تمہارے نام کے بجائے کسی اور نام سے مخاطب کیا تھا۔ تاکہ تمہارے چہرے کے تاثرات دیکھ سکوں۔ تم آج حقیقتاً بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔ حتیٰ کہ خفگی میں بھی اتنی اچھی لگ رہی ہو کہ تمہارے چہرے سے نظریں ہٹانے کو دل نہیں چاہ رہا۔''

میں نے شرارتی انداز میں کہا تو ہما کے چہرے پر میٹھی سی مسکان بکھر گئی اس کی خفگی افورڈ کرنا ممکن نہیں تھا۔ کیونکہ اس صورت میں بات بزرگوں تک پہنچنے کا خدشہ تھا۔ مگر اس دن کے بعد سے میں گفتگو کے معاملے میں بہت محتاط ہو گیا تھا کیونکہ ہما میرے بارے میں حد سے زیادہ حساس تھی۔

اسے تو میرا کسی اور لڑکی کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں تھا وہ تھوڑی سی شکی واقع ہوئی تھی اور مجھے حیرت ہوتی تھی کہ آسٹریلیا جیسے ملک میں پرورش پانے کے باوجود اس کے انداز میں اتنی دیسی خصوصیات کہاں سے آئیں۔ وہ اکثر مذاق میں کہتی تھی۔

''پاکستانی مرد بلا کے نظر باز ہوتے ہیں۔''

اس دن میں پھر ایک بڑے جھگڑے سے بال بال بچ گیا تھا۔

''مجھے ثانیہ نام بہت پسند ہے۔ اور میں اپنی بیٹی کا نام ثانیہ ہی رکھوں گا۔'' اس رات ہما کی زلفوں سے کھیلتے ہوئے میں نے حفظ ماتقدم کے طور پر کہا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میری مزید کوئی غلطی ہما کے دل میں شکوک پیدا کرے۔

''ثانیہ تمہاری کسی گرل فرینڈ کا نام ہوگا۔'' وہ مجھے چڑانے کے لیے بولی تو ایک اداس سی مسکراہٹ میرے لبوں پہ پھیل گئی۔

''ثانیہ میری زندگی کا نام تھا۔'' میں نے دل میں کہا تھا۔

''وہ میری اسکول فیلو تھی۔ ففتھ اسٹینڈرڈ میں بہت کیوٹ تھی۔ اس کے بال سنہری تھے۔ مجھے اچھی لگتی تھی بہت.....''

میں دھیمی سی آواز میں کہہ رہا تھا۔

''میرا دل چاہتا ہے میرے کم از کم بارہ بچے ہوں۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا وہ ایسے مسکرائی جیسے میں نے کوئی لطیفہ سنایا ہے۔ اور میں اس کی مسکراہٹ سے مطمئن ہو گیا تھا کہ وہ ثانیہ کے حوالے سے کسی شک میں مبتلا نہیں ہوئی۔ ہم اپنے بارہ بچوں کے متعلق باتیں کرنے لگے تھے۔

''بچے دو ہی اچھے.....'' ہما نے گنگناتے ہوئے کہا۔

''اے بابا! بارہ ہوں گے تب ہی تو دو اچھے نکلیں گے انشاء اللہ۔'' میں نے کہا تھا پھر ہم دونوں ہی ہنس دیے تھے۔

☆ ☆ ☆

نجانے کیوں وقت گزرنے کے ساتھ ہماری چھوٹی چھوٹی جھڑپیں معمول کا حصہ بن گئی تھیں۔ مجھے اس کے سوشل سرکل پر اعتراض نہیں تھا مگر مجھے اس کے مغربی لباس پر بہت اعتراض رہنے لگا تھا میں اسے اس

بارے میں ٹوکتا بھی تھا مگر وہ سنتی ہی نہیں تھی۔ ڈیڈی بھی کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھے کیونکہ بہرحال ہما ان کی پسند تھی مگر بیوی تو میری ہی تھی اور اسے کسی بات پر ٹوکنا اور سمجھانا ڈیڈی کا نہیں میرا فرض تھا۔

اس روز میں آفس سے گھر آیا تو خلاف توقع ہما گھر پہ موجود تھی۔ وہ میرے ساتھ شاپنگ کے لیے جانا چاہتی تھی۔ میں بہت تھکا ہوا تھا مگر پھر بھی اس کی خوشی کی خاطر میں تیار ہو گیا۔ چند لمحوں بعد وہ جینز کے ساتھ ہاف شرٹ پہنے بالوں کو کلپ میں جکڑے میرے سامنے کھڑی تھی۔

''میں اس حلیہ میں تمہیں ساتھ نہیں لے جا سکتا۔'' میں نے صاف گوئی سے کہا وہ شاید اپنی تعریف سننا چاہتی تھی اسی لیے اسے غصہ آ گیا۔

''تم کس قدر بیک ورڈ سوچ رکھتے ہو علی!'' وہ ناک چڑھا کر بولی۔

''کیا میں اپنی مرضی سے اپنے لباس کا انتخاب بھی نہیں کر سکتی۔ میرے ڈیڈی نے تو کبھی مجھے نہیں ٹوکا تھا۔''

وہ نخوت سے بولی تو مجھے بھی غصہ آ گیا۔

''ان کی اسی غلطی کی سزا تو میں بھگت رہا ہوں اگر وہ تمہاری تربیت میں اس طرح کی کوتاہی نہ برتتے اور تمہیں تمہاری ایسی حرکتوں پہ پہلے ہی دن دو تھپڑ لگا کر سمجھا دیتے تو نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔'' میں نے چلا کر کہا۔

''کون سی حرکتیں اور کیسی حرکتیں......؟ ایسا کیا کر دیا ہے میں نے بولو آوارہ ہوں میں؟ تمہاری بات نہیں مانتی؟ یا پھر کچھ اور...... بولو؟'' وہ میرا کالر پکڑ کر بپھرے ہوئے انداز میں بولی۔ اس کا یہ روپ میرے لیے بہت نیا تھا۔ میں نے سختی سے اپنا کالر چھڑا کر اسے بستر پہ دھکا دے دیا۔

''تم ایک انتہائی بدتمیز اِل مینرڈ اور کنزرویٹو انسان ہو۔ عورت سے کس طرح بات کی جاتی ہے تمہیں سکھایا ہی نہیں گیا۔ تمہارے والدین نے تمہیں یہ بتایا ہے نا کہ وائف سے اس طرح ٹریٹ کیا جاتا ہے۔ تم......''

''شٹ اپ ہما......! بات میری ذات تک محدود رکھو...... میرے ماں باپ کو بیچ میں گھسیٹنے کی ضرورت نہیں...... سمجھیں تم......'' میں نے غرا کر کہا۔

''اگر تمہیں میرے والدین کی انسلٹ کا حق ہے تو میں بھی تمہارے پیرنٹس کے بارے میں اسی طرح بات کروں گی۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ تم ایک درندہ صفت انسان ہو۔ ایک دوغلے اور گھٹیا انسان کے ساتھ رہنے سے بہتر ہے میں کسی گھوڑے کے ساتھ رہ لوں' کیونکہ وہ بھی کم از کم تمہاری نسبت بہتر ہو گا۔'' وہ جاہل عورتوں کی طرح بات کرتے ہوئے انتہائی زہر لگ رہی تھی۔

''اپنے باپ سے کہنا تھا وہ تمہاری شادی کسی گھوڑے سے کرتے یا پھر ہاتھی سے کیونکہ تم کسی مہذب انسان کے ساتھ رہنے کے قابل نہیں ہو۔ تم چڑیا گھر اور اصطبل جیسی جگہوں پہ ہی خوش رہ سکتی تھیں۔ جہاں تمہیں ہر قسم کی آزادی ہوتی۔''

میرے اس طرح سے کہنے پہ وہ چھلانگ لگا کر بستر سے اتر گئی۔

''میں نے اپنے باپ سے نہیں کہا تو تم اپنے باپ سے کہہ دیتے مگر تم کیسے کہہ سکتے تھے۔ اپنے باپ کے سامنے تو تمہاری آواز بند ہو جاتی ہے۔ کتنے بے چارے ہو تم کہ اپنے باپ سے......''

میری برداشت اس سے زیادہ نہیں تھی۔ میں نے کھینچ کر ایک تھپڑ اس کے گال پر رسید کر دیا تھا۔ ایک لمحہ کو وہ گنگ رہ گئی تھی مگر پھر اس کے لبوں سے انگلش میں گالیوں اور کوسنوں کا ایک سیلاب رواں ہو گیا تھا جو میں سن نہیں سکتا تھا۔ میں اپنے بیڈروم سے باہر نکل گیا۔ لاؤنج میں ممی ڈیڈی میری ہی سمت دیکھ رہے تھے مگر میں کچھ کہنے کے بجائے باہر کی سمت چل دیا۔ میں بہت دیر تک بلاوجہ سڑکوں پہ گاڑی دوڑاتا رہا۔ اس دوران مجھے پیاس لگی تو میں ایک اوپن ایئر ریسٹورنٹ سے کولڈ ڈرنک لینے کے لیے رکا لان میں لگی ٹیبلز میں سے ایک ٹیبل پہ میں نے اشعر کو بیٹھے دیکھا وہ کسی لڑکی کے ساتھ تھا۔

''آج کل ہم دونوں اتنے مصروف رہنے لگے تھے کہ مہینوں ملاقات نہیں ہوتی تھی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ آج کل وہ کس لڑکی کی بانہوں میں بانہیں ڈالے گھوم رہا ہے۔ میں چونکہ اپنی گاڑی میں ہی بیٹھ کر پیاس بجھا رہا تھا۔ اس لیے بھی وہ لڑکی مجھے ٹھیک سے نظر نہیں آ رہی تھی۔ کولڈ ڈرنک کے بعد جب میں واپسی کے لیے مڑ رہا تھا تو وہ لڑکی مجھے نظر آ گئی۔ اسے دیکھ کر میرا دل بہت زور سے دھڑکا تھا۔ کیونکہ وہ ثانیہ کمال تھی۔ وہ اشعر جیسے فلرٹ کے ساتھ کیا کر رہی تھی؟ یہ سب سوچتے ہوئے میں بجھے ہوئے دل کے ساتھ واپسی کے راستے پہ ہولیا۔ مجھے ثانیہ کی پاکستان آمد کے بارے میں قطعاً کچھ نہیں پتا تھا۔

اشعر کو فلرٹ کہتے ہوئے میرے دل نے ایک بار بھی مجھے نہیں ٹوکا تھا کہ اگر وہ فلرٹ تھا تو جو ثانیہ کمال کے ساتھ میں نے کیا وہ کیا تھا؟ میرے چہرے پہ میری ناکام ازدواجی زندگی کے تاثرات بہت واضح نظر آنے لگے تھے۔ میں رات کو دیر سے گھر آیا تو ہما اپنے والدین کے گھر جا چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

میرا ہما کے ساتھ فی الحال صلح صفائی کا کوئی موڈ نہیں تھا۔ میں اسے سبق سکھانا چاہتا تھا۔ وہ ضرورت سے زیادہ بدلحاظ اور نخریلی ثابت ہو رہی تھی۔ سب سے بڑھ کر ثانیہ کو ایک بار پھر دیکھ لینے کے بعد میرا پچھتاوا بہت بڑھ گیا تھا۔

''اشعر تو باخبر ہے کہ ثانیہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔ پھر وہ اس سے فلرٹ کیسے کر سکتا ہے؟''

میں یہی سوچتا رہا اور بہت بار دل چاہا کہ ثانیہ سے بات کر کے اسے اشعر کے ساتھ کسی بھی سنجیدہ قسم کی انوالومنٹ سے بچنے کا مشورہ دوں۔

''اشعر! اگر فلرٹ ہے تو تم کیا ہو؟'' میرا ضمیر چلا کر بولا۔

''میں نے ثانیہ کے ساتھ فلرٹ نہیں کیا تھا۔ میں مجبور تھا۔ ڈیڈی کی وجہ سے...... وہ نہیں چاہتے تھے کہ میں ثانیہ سے شادی کروں۔''

ضمیر کے مقابلے میں میری آواز بہت دھیمی تھی۔ جب آپ کا ضمیر آپ سے بات کرتے ہوئے چلائے اور غرائے تو سمجھ جائیے کہ آپ غلط ہیں مگر بہت سے لوگوں کی طرح میں اس بات پہ یقین رکھتے ہوئے

بھی اس بات سے اتفاق نہیں کرسکتا تھا۔

میرے ذہن میں اسد کمال کا تصور ابھر رہا تھا اور میں اس تصور کے ساتھ ایک سانس نہیں لے سکتا تھا کجا کہ ساری زندگی اسد کمال جیسی اولاد کو دیکھنا اور برداشت کرنا۔ میں نے ہمیشہ کی طرح ثانیہ کے خیال کو ذہن سے جھٹک دیا تھا۔ ہمارا ایک پراجیکٹ بیجنگ میں پھنس گیا۔ ڈیڈی چاہتے تھے میں خود جا کر اس مسئلے کو ڈیل کروں۔ میں بھی فوراً تیار ہو گیا تھا۔ کیونکہ میں پاکستان سے کچھ عرصے کے لیے دور رہنا چاہتا تھا۔

میں ہما کو بتائے یا منائے بغیر ہی بیجنگ آ گیا تھا۔ میرا کام پندرہ سے بیس دن میں مکمل ہو جانا تھا۔ مگر میں جان بوجھ کر تاخیری حربے آزما رہا تھا۔ نجانے اس سے میری کون سی حس کی تسکین ہوئی تھی۔ مگر میں بہت دیر تک پاکستان کی سرزمین سے دور رہنا چاہتا تھا۔

☆ ☆ ☆

''میں اور ثانیہ شادی کرنے والے ہیں۔'' اشعر نے گویا دھماکہ کیا تھا۔ میں نے حیرت سے اس کا چہرہ دیکھا آیا وہ ہمشیہ کی طرح مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش تو نہیں کر رہا۔ اس سے میری ملاقات ایک پاکستانی ریسٹورنٹ میں ہوئی تھی۔ میں پہلے ہی سے اس کی بیجنگ میں موجودگی کے بارے میں آگاہ تھا کیونکہ میں نے گھر فون کیا تو مجھے ڈیڈی نے بتایا تھا جبکہ وہ شاید میری موجودگی سے یکسر بے خبر تھا۔ اس نے خود ہی مجھے اپنے ساتھ لنچ کی آفر دی۔ ہم بہترین دوست تھے مگر نجانے کیوں زندگی میں پہلی بار مجھے اس کے ساتھ بیٹھنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ پہلے کی نسبت زیادہ ڈیشنگ لگنے لگا تھا۔ اس کی پوری شخصیت سے کامیابی کا نشہ چھلک رہا تھا اور جب اس نے مجھے اپنی اور ثانیہ کی شادی کے متعلق بتایا تو میں چپ کا چپ رہ گیا۔

لگتا ہے تمہیں میرے فیصلے سے خوشی نہیں ہوئی۔''

اس نے حیرت سے کہا تھا اس لمحہ میرا دل چاہا کھل کر اس کی اداکاری کی تعریف کروں۔ وہ کس قدر معصوم نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ میرے اور ثانیہ کے قلبی تعلق کے متعلق اچھی طرح جانتا تھا۔

''میں کیسے خوش ہو سکتا ہوں اشعر......؟ میرا دل ہچکولے کھا رہا ہے اور پھر...... تم...... تو سب جانتے تھے اشعر...... تم کیسے...... ثانیہ سے شادی کر سکتے ہو۔''

میں نے گہری سانس بھر کر جھجکتے ہوئے کہا۔ میری خود سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اشعر کے اس فیصلے پہ کس طرح کا ردعمل ظاہر کروں۔

''علی......! تم اتنے خود غرض کیسے ہو سکتے ہو۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ ثانیہ ساری زندگی تمہارے نام پہ جوگ لے کر بیٹھی رہے گی۔ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ وہ تمہارے غم کو بھلا کر نئی زندگی شروع کرنا چاہتی ہے۔'' وہ مجھے لتاڑنے والے انداز میں بولا۔ میں خاموش سا ہو گیا تھا۔

''تم نے اس کے ساتھ کتنا برا سلوک کیا۔ اسے بیچ راہ میں لا کر چھوڑ دیا۔ کتنے آرام سے تم نے ہما کامران سے شادی کر لی۔ ایک بار بھی نہیں سوچا کہ اس لڑکی کے ساتھ تم نے اتنے عہد و پیمان کر رکھے ہیں اس کا کیا ہوگا اور پھر بھی تم چاہتے ہو کہ وہ تمہارے علاوہ کسی اور کے بارے میں نہ سوچے۔ شیم آن یو علی...... شیم آن

یو۔''

وہ سلگتے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ اس کے اتنے بڑے الزامات پہ میں تڑپ اٹھا۔

''میں نے اسے کب چھوڑا تھا۔ میں اسے چھوڑ بھی کیسے سکتا تھا۔ تم جانتے ہو میں نے اس سے محبت کی ہے...... اپنے آپ سے بھی زیادہ محبت...... تم تو جانتے ہو اشعر......! ڈیڈی نے کبھی میری کوئی بات نہیں مانی...... وہ ہمیشہ اپنی منوانے کے عادی رہے...... میں ان کی نافرمانی کیسے کر سکتا تھا۔''

میں نے حقیقتاً تڑپ کر کہا تھا۔ اشعر کے چہرے پہ استہزائیہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''بہت خوب علی سعدی...... تم ابھی تک نہیں بدلے...... ویسے کے ویسے ہو ایک کمزور انسان...... اور کمزور انسان ہمیشہ اپنی غلطیوں کا بھاری طوق دوسروں کی گردن میں ڈال کر ہر ذمہ داری سے ہر الزام سے اسی طرح بری الذمہ ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ تم کب تک انکل سعدی کو اپنی ڈھال کے طور پر استعمال کرتے رہو گے۔ اگر تم چاہتے تو انکل کو منا سکتے تھے مگر......''

وہ خاموش ہو گیا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بہت عجیب ہو رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے میں نے ثانیہ کے بجائے اس سے شادی سے انکار کر دیا تھا۔

''ان باتوں کا اب یہاں کیا ذکر...... اب تو سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔ میں نے ثانیہ کو پرپوز کیا ہے اور مجھے امید ہے وہ انکار نہیں کرے گی۔ ہم سب کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے علی......! ہر بار ہر اچھی چیز ہمارے لیے ہی نہیں ہوتی بالکل اسی طرح ثانیہ تمہارے لیے نہیں تھی...... اور......''

وہ لمحہ بھر کو رکا۔

''اور اگر تمہیں مجھ سے کسی قسم کا گلہ ہے تو اسے دور کر لو کیونکہ تمہاری خود غرضی تمہیں کچھ اور سوچنے ہی نہیں دیتی۔ تمہیں چاہیے کہ اب اس صورت حال پہ سمجھوتہ کر لو اور اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرو۔''

میں نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ اپنی بات مکمل کر کے اپنے سامنے پڑی پلیٹ میں سے اسٹک کی مدد سے نوڈلز کھانے میں مصروف ہو گیا تھا۔ اس کے چہرے پہ اطمینان ہی اطمینان تھا۔ میں نے اسے ہر طرح کی صورت حال میں مطمئن ہی دیکھا تھا۔

''بے چینی میرا مقدر ہی کیوں ہے؟'' میں نے ناشکری سے سوچا تھا۔ میرے اندر تک سناٹا اتر آیا۔

''ثانیہ سے میں نے محبت کی تھی تو شادی بھی مجھے ہی کرنی چاہیے تھی۔''

میں خود غرضی سے سوچ رہا تھا۔

''میں نے ہمیشہ یہ بات مذاق میں کہی مگر میں آج بہت سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں کہ تم تھالی کے بینگن ہو۔ تمہارے بیانات تمہارے فیصلے تمہاری پسند ناپسند لمحہ لمحہ بدلتی ہے۔ تم آج جو بات کہتے ہو اس کے بارے میں تم خود کبھی نہیں جانتے کہ تم اس کو ایک گھنٹہ بعد تک یاد بھی رکھ سکو گے یا نہیں۔ میں نے بھی زندگی میں بہت فلرٹ کیے ہیں...... مگر...... میں نے کبھی بھی کسی لڑکی کا دل ایسے نہیں توڑا جیسے تم نے ثانیہ کا دل توڑا تھا۔ بلکہ میں تو کبھی کسی لڑکی کے ساتھ دوستی کو شادی کے وعدے تک لے کر ہی نہیں گیا۔ تمہارے مقابلے میں خود اپنے آپ کو میں

نے ہمیشہ کم مارکس دیے یہ سوچتے ہوئے کہ تم ایک جینٹل مین ہو جو اپنے فادر سے ڈر کر ہی سہی مگر پھر بھی لڑکیوں کے جذبات سے کھیلنے کی کوشش نہیں کرتا مگر.....تم خود سوچو علی! کون زیادہ برا تھا.....تم یا میں؟ خود غرضی سے سوچو گے تو شاید اس سوال کا صحیح جواب نہ مل سکے اور تم کبھی بھی میری ثانیہ کے ساتھ شادی کے فیصلے کو سراہ نہ سکو گے مگر کھلے دل کے ساتھ سوچو گے تو یقیناً تمہارا رویہ اور تمہاری سوچ مثبت ہو گی۔''

وہ اپنی بات مکمل کر چکا تھا مگر میری بات تو ابھی شروع بھی نہیں ہوئی تھی۔ وہ ثانیہ سے شادی کر لیتا تو یقیناً ان کا یہ پئیر ہمیشہ مجھے میرے ایک غلط فیصلے پہ چڑاتا رہتا مجھے حسد وجلن میں مبتلا رکھتا اور مجھے مجبوراً اس صورت حال سے سمجھوتہ کرنا پڑتا۔ میں نے کبھی سمجھوتہ نہیں کیا تھا کسی بات پہ نہیں کیونکہ میرے ڈیڈی نے سکھایا تھا۔

''کوالٹی کے معاملے میں نو کمپرومائز''

میں نے اشعر کو ثانیہ کے بھائی اسد کمال کے متعلق بتایا۔ میں اسے سمجھانا چاہتا تھا کہ وہ ثانیہ کے ساتھ شادی کر کے لاچار اولاد پیدا کرے گا اور اپنی اگلی نسل کو مفت کی ایک بیماری دان کرے گا۔

''کچھ باتوں کے لیے زندگی میں رسک بھی لینا چاہیے علی! کیا پتا ایسا نہ ہو۔ ہم قدرت کے کاموں میں دخل نہیں دے سکتے مگر ہم قدرت کے فیصلوں کو قبول کر کے اپنی زندگی سے دکھ کی شرح کو کم سے کم کر سکتے ہیں۔ میری قسمت میں جو لکھا ہے وہ تو مجھے ہر حال میں ملنا ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم مجھے مشورہ دینے کی کوشش مت کرو۔''

وہ سابقہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ وہ اسد کمال کے متعلق سن کر بالکل نہیں چونکا تھا۔ جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ اس کے بارے میں بے خبر نہیں تھا۔

''تم جانتے ہو ثانیہ مجھ سے کس حد تک انوالو تھی؟'' میں نے اشعر کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ اس نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

''مطلب؟'' وہ استفسار کر رہا تھا۔

''مطلب یہ کہ وہ مجھ سے محبت کرتی تھی اور میں بھی اسے بہت چاہتا تھا۔ ہم ہفتے میں چار بار تو ایک دوسرے کے ساتھ ملاقات ضرور ہی کرتے تھے۔

لانگ ڈرائیو پہ جاتے تھے لان میں بیٹھ کر چاندنی کو انجوائے کرتے تھے اور......''

میں جان بوجھ کر لمحہ بھر کو رکا پھر جب میں بولا تو میں نے اشعر کے چہرے سے سکون کو غائب ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔

''اور اس کے علاوہ بھی وہ سب کچھ جو محبت کرنے والوں کے بیچ ہو سکتا ہے۔ تم سمجھ رہے ہو نا......

میں جانتا ہوں ثانیہ نے یہ بات تمہیں کبھی نہیں بتائی ہو گی۔''

میں نے خود غرضی کی انتہا کرتے ہوئے اس پاک باز لڑکی کو اشعر کی نظروں میں گرانے کے لیے ہر جھوٹ بول دیا تھا۔ اشعر جب میرے سامنے سے اٹھ کر گیا تو اس کے کندھے جھکے ہوئے تھے اور اس کی آنکھوں

میں سب کچھ گنوا دینے کی تحریر رقم تھی۔

''مجھے معاف کر دینا ثانیہ! میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔''

میں نے مطمئن ہو کر دل ہی دل میں ثانیہ کو مخاطب کیا۔

☆ ☆ ☆

وہ رات میرے لیے بہت بھاری تھی۔ میں نے حسد کا شکار ہو کر اتنا بڑا جھوٹ بول دیا تھا مگر ساری رات میرا ضمیر مجھے کچوکے لگاتا رہا۔ ثانیہ کو یقیناً حق تھا کہ وہ مجھے بھلا کر اپنی نئی زندگی شروع کرتی۔ مگر میں نے اس سے یہ حق بھی چھین لیا تھا۔

صبح اٹھا تو میری طبیعت کچھ اچھی نہیں تھی۔ مجھے گزشتہ کچھ سالوں سے درد گردہ کی تکلیف تھی۔ میں نے پاکستان میں بھی اچھے یورولوجسٹ سے کنسلٹ کیا تھا مگر افاقہ نہیں ہوا تھا۔ میں بیجنگ کے مشہور یورولوجسٹ سے ٹائم لے کر چیک اپ کے لیے آ گیا۔

مجھے یہاں آئے تقریباً بیس دن ہو چکے تھے اور میں ایک ہفتہ تک واپس جانے والا تھا۔

''واپس جا کر سب سے پہلے اشعر سے مل کر ایکسکیوز کروں گا۔''

میں نے دل ہی دل میں تہیہ کیا تھا۔

یورولوجسٹ نے مجھے بہت سے ٹیسٹ کروانے کے لیے کہا۔ میں اس ساری صورت حال سے تنگ آ گیا تھا۔ ایک عام سے درد کو وہ بہت خاص بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر اس کے عجیب وغریب سوالات مجھے الجھن میں مبتلا کرتے تھے۔

اسی دوران میں نے پاکستان فون کیا تو ممی نے مجھے بتایا کہ ہما گھر واپس آ گئی ہے۔ مجھے ایک کمینی سی خوشی محسوس ہوئی۔ ہما کا اس طرح میری بات پہ سر جھکانا مجھے بہت اچھا لگا تھا۔ ممی کے کہنے پہ میں نے ہما سے بات کی۔ وہ بہت دھیمی آواز میں بات کر رہی تھی جیسے بیمار ہو میں اس کا نخرہ سمجھ رہا تھا۔ وہ شرمندہ تھی مگر اپنی شرمندگی ظاہر بھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''علی! اب واپس آ جاؤ پلیز۔'' اس نے مجھ سے کہا تو مجھے خوشگوار سی حیرت ہوئی۔ اس کے انداز میں اور مزاج میں خاطر خواہ تبدیلی آ چکی تھی۔ اس نے دوبارہ فون ممی کو دے دیا تھا۔ مجھے ریسیور سے ممی کی ہنسی کی آواز آئی۔

''علی! میں دادی بننے والی ہوں۔''

وہ بشاش سے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔ یہ اتنی بڑی خوشخبری تھی کہ میں فون پہ خوشی سے ہی چلانے لگا تھا۔ مجھے اشعر'' ثانیہ'' ڈیڈی سب بھول گئے تھے۔ یاد رہا تو اتنا کہ میں باپ بننے والا ہوں۔ میں نے ممی سے وعدہ کیا تھا۔ کہ میں اسی ہفتہ واپس آ جاؤں گا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اب میں اڑ کر پاکستان پہنچ جانا چاہتا تھا۔ مجھے ہما کے لیے بے پناہ الفت محسوس ہو رہی تھی۔ میں جو صرف ایک دن پہلے ہما سے علیحدگی کے بارے میں سوچ رہا تھا یکدم سجدہ شکر بجا لایا کہ میرے اور ہما کے تعلقات میں کوئی ایسی دراڑ نہیں آئی تھی جسے بھرا نہ جا سکتا تھا۔

میں بہت خوش تھا۔ میں نے ہوٹل انتظامیہ کو بتا دیا کہ میں ایک دن بعد چیک آؤٹ کرنے والا ہوں۔ میں اپنے گھر والوں کو سرپرائز دینا چاہتا تھا۔ کمرے میں آ کر پیکنگ کرتے ہوئے مجھے خیال آیا کہ مجھے آخری بار اپنے یورولوجسٹ سے ضرور مشورہ کرنا چاہیے۔

"میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا کہ یہ گردہ درد نہیں ہے۔" اس نے فخر سے بتایا گویا اسے اپنی تشخیص کے درست ثابت ہونے پہ خوشی ہو رہی تھی۔ وہ مجھے مختلف باتیں بتانے لگا۔ پیٹ کے مختلف حصوں کے بارے میں بتاتے ہوئے وہ دل جگر گردہ پتہ مثانہ...... ہر عضو کے کاموں کے متعلق بتا رہا تھا۔ وہ چینی لہجے میں انگریزی بولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور مجھے بہت دل لگا کر اس کی بات سننی پڑ رہی تھی۔ میں بے دلی سے اس کی باتیں سنتے ہوئے پاکستان میں موجود اپنی بیوی کے متعلق سوچ رہا تھا۔

"آپ کی شادی ہو چکی ہے؟" اس ڈاکٹر نے ایک دم سوال کیا۔ وہ یہ سوال کئی بار مجھ سے پوچھ چکا تھا اور ہر بار بھول بھی جاتا تھا۔

"جی...... اتفاق سے......" میں نے جواب دیا۔

"بچے تو نہیں ہوں گے آپ کے" اس نے ایک بار پھر پوچھا۔

"ہاں جی...... ابھی تک تو نہیں ہیں مگر انشاء اللہ......"

میری بات ابھی منہ میں ہی تھی کہ اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے روک دیا۔

"یہ بات میں آپ کو بتانا چاہتا تھا کہ دراصل آپ اس معاملے میں بدقسمت ثابت ہوئے ہیں۔ آپ اولاد کی نعمت سے محروم رہیں گے۔"

اس نے دھماکہ کیا تھا۔ میری آنکھیں حیرت سے جیسے پھٹ سی گئی تھیں۔

"آر یو میڈ؟" میں نے بھنویں اچکا کر ناگواری سے کہا تھا۔

"مسٹر علی! یہ آپ کی رپورٹس میرے سامنے ہیں۔ سب کچھ ان میں لکھا ہے۔ آپ چاہے کسی اور اسپیشلسٹ سے مشورہ کر لیجیے مگر میری تشخیص غلط ثابت نہیں ہوگی۔"

وہ بہت ٹھوس لہجے میں کہہ رہا تھا۔ میں ہکا بکا رہ گیا تھا۔ ہما نے کہا تھا وہ پریگنیٹ ہے اور ڈاکٹر کہہ رہا تھا کہ میں اولاد سے محروم رہوں گا۔

میرے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ماؤف ہوتی جا رہی تھی۔ مجھے ایک ساتھ دو جھٹکے لگے تھے۔ ایک تو یہ کہ میں مکمل آدمی نہیں تھا اور دوسرا یہ کہ میری بیوی ہما جسے میں نے بہترین سمجھ کر اپنایا تھا وہ ایک کرپٹ عورت تھی۔

"بکواس ہے سب...... جھوٹ ہے۔" میں کلینک سے واپس آتے ہوئے خود کو یہی تسلی دیتا رہا تھا۔

میں نے ایک اور یورولوجسٹ سے رابطہ کیا۔ اس نے رپورٹ دیکھ کر وہی بات کہی تھی۔ جو مسٹر تاؤ چن نے کہی تھی۔ آسمان جیسے دھڑام سے میرے سر پر آ گرا تھا۔

"کوالٹی کے معاملے میں نو کمپرومائز۔" ڈیڈی کی بات مسلسل میرے ذہن میں گونج رہی تھی۔

"آپ کبھی باپ نہیں بن سکیں گے مسٹر علی سعدی!" ڈاکٹر کہہ رہا تھا۔

"علی میں دادی بننے والی ہوں" ممی کہہ رہی تھیں۔

"علی! جلدی واپس آ جاؤ پلیز۔" ہما کہہ رہی تھی۔

"کوالٹی کے معاملے میں نو کمپرومائز۔" ڈیڈی کہہ رہے تھے۔

پہلے سب باری باری کہہ رہے تھے پھر سب نے ایک ساتھ کہنا شروع کر دیا۔ میرا سر پھٹنے لگا تھا۔

"تم نے اپنی نسل کو محفوظ ترین کر لیا ہے۔" ڈیڈی کی آواز ایک بار پھر گونجی تھی۔

"اللہ نے میری نسل محفوظ کر کے لاکر میں رکھ دیا ہے۔ اب آپ یا میں ہم کبھی بھی اس کو نہیں پا سکیں گے۔"

میں نے تقریباً روتے ہوئے کہا تھا۔ میں علی سعدی...... ایک کامیاب انسان جس نے کبھی ناکامی کا منہ نہیں دیکھا تھا...... جو ایک مکمل انسان تھا...... جس نے ہمیشہ بہترین کا انتخاب کیا تھا...... جو نقص تو نقص اس کا عکس بھی برداشت کرنا پسند نہیں کرتا تھا...... یہ کیسی قیامت ٹوٹ پڑی تھی مجھ پر۔

اس رات خواب میں بھی مجھے انکل کمال اسد کمال ثانیہ کمال اشعر اور ڈاکٹر تاؤ چن کی شکلیں نظر آتی رہیں۔ قسمت کا عجب اسٹروک لگا تھا۔ کہ ہر چیز رات کی تاریکی جیسے سیاہ رنگ میں رنگ گئی تھی۔ تکلیف حد سے زیادہ تکلیف۔ میں نے تکلیف سے ہاتھ نہیں ملایا تھا۔ مگر وہ خود ہی آگے بڑھ کر میرے گلے لگ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"مجھ سے آئندہ کبھی ناراض مت ہونا علی!"

ہما نے نم آنکھوں کے ساتھ میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہا تو میں نے درشتی سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

مجھے اس کی مصنوعی محبت اور التفات زہر لگ رہا تھا۔ میں آج ہی گھر واپس آیا تھا۔ ممی ڈیڈی کی خوشی دیدنی تھی۔ وہ میرے چہرے پہ اسی خوشی کے رنگ دیکھنا چاہتے تھے۔ ڈیڈی نے مجھے سمجھایا تھا کہ اب ایک نئی زندگی منتظر ہے۔ مجھے ہما کے ساتھ پرانے گلے شکوے ختم کر دینے چاہئیں۔ میں انہیں کچھ بتا نہیں پایا تھا۔ ہما کی بے وفائی سے زیادہ اپنے بارے میں بتانا دردناک تھا۔

میں ہما کی اس دھوکا دہی پہ کسی کو بتاتا بھی تو کیا؟ یہ اپنے آپ کو دوسروں کے سامنے عریاں کرنے والی بات تھی۔ ہما کے بارے میں میرے سب اندازے غلط ثابت ہوئے تھے۔ اس کا پہناوا ہی نہیں اس کی سوچ بھی مغربی تھی۔ وہ میرے علاوہ نجانے کن کن آدمیوں سے راہ رسم رکھے ہوئے تھی۔ اور پھر سب سے بڑھ کر وہ کسی کی اولاد پیدا کرنے جا رہی تھی۔

وہ دنیا کے سامنے میری معتبر بیوی کے روپ میں موجود تھی مگر اس کا اصل روپ کس قدر بھیانک تھا۔ وہ میری اندرونی سوچ سے بے خبر مجھ سے اپنے رویے کی معذرت کر رہی تھی۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ آئندہ میرے ساتھ بدتمیزی نہیں کرے گی۔

"تم خوش ہو نا علی!" اس نے اچانک مجھ سے پوچھا تھا۔ وہ اپنے ہونے والے بچے کے متعلق بات

کر رہی تھی۔ میرے تاثرات مزید ناگوار ہو گئے اب میری برداشت جواب دے چکی تھی۔

میں نے اس کی کلائی پکڑ لی۔ میری سخت گرفت پہ اس نے نہ سمجھنے والے انداز میں میری طرف دیکھا۔

''مجھے حقیقت بتاؤ'' میں نے غرا کر کہا تو اس کی بڑی بڑی آنکھیں مزید پھیل گئیں۔

''تم مجھ سے نہیں چھپا سکتیں ہما! مجھے تو تمہیں بتانا ہی پڑے گا۔ میرا نام لے کر کس کا نام کیموفلاج کرنے کی کوشش کر رہی ہو؟''

میرا لہجہ آنچ دیتا تھا۔ ہما سہم سی گئی پھر اپنی کلائی چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

''پاگل ہو گئے علی...... کیسی باتیں کر رہے ہو تم۔''

وہ اٹک اٹک کر بولی۔ وہ میری بیوی تھی میں اس کے مزاج کے ایک ایک رنگ سے واقف تھا۔ اس کا چہرہ چلا چلا کر کہہ رہا تھا۔ کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے۔ وہ مجھ سے نظریں نہیں ملا رہی تھی۔ اس کے علاوہ کسی ثبوت کی مجھے ضرورت نہیں تھی۔ میں نے سچائی اس کے چہرے کے رنگ سے اخذ کر لینے کے بعد دھیرے سے اس کی کلائی چھوڑ دی تھی۔ ہما کھسک کر چند قدم پیچھے ہوئی پھر وہ کارپٹ پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔

''میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا علی...... ! میرا یقین کرو...... وہ ایک حادثہ تھا۔ میں گھر میں اکیلی تھی علی...... میں اتنی بھی بری نہیں ہوں علی۔''

وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ مجھ پر اس کے رونے کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ میں اتنا اعلیٰ ظرف نہیں تھا کہ اتنی بڑی بات اتنے آرام سے برداشت کر لیتا مگر پھر میں کیا کرتا...... سب سے پہلے میری اپنی ذات کا سوال میرے آگے تھا۔ میں نے اپنی زندگی میں اتنی بے بسی اس سے پہلے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ مجھے لگ رہا تھا میں اتنا ہی لاچار اور بیمار ہوں جتنا کہ اسد کمال تھا۔ اس کے اور میرے وجود میں کیا فرق تھا۔ مجھے میرے غرور کی سزا ملی تھی اور جب سزا ملتی ہے تو معافی تلافی کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے۔ میں کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ ہما فرش پہ بیٹھی مسلسل رو رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

''یہ ثانیہ کا دل دکھانے کی سزا ہے۔''

دن میں کئی مرتبہ میں یہ بات سوچتا تھا۔ اس دن کے بعد سے میری اور ہما کی بات چیت بند تھی۔ حالانکہ اس نے بہت بار مجھے وضاحتیں دینے کی کوشش کی تھی مگر میں اس کی کسی وضاحت سے مطمئن نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ جو کہانی مجھے حادثہ کہتے ہوئے سنانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی حقیقت کی گواہی کون دے سکتا تھا۔ دوسری طرف ممی ڈیڈی نے ابھی سے دن گننے شروع کر دیے تھے۔ میں ان دونوں کی خوشی کو دیکھتے ہوئے اندر ہی اندر شرمندہ ہو جاتا۔ میں انہیں یہ سب کیسے بتا سکتا تھا۔ مجھے ہر وقت یہ احساس مارے ڈالتا تھا۔ کہ میں ایک ایسا آدمی تھا جس کا کوئی وارث تھا نہ اس کے آنے کا کوئی امکان تھا۔

میں نے اپنی رپورٹس لندن بھی بھیجیں مگر ڈاکٹر تاؤ چن کی رائے سے مختلف رائے مجھے نہیں ملی۔ ان

دنوں میرا بہت دل چاہتا تھا کہ ایک بار ثانیہ سے مل کر معافی ضرور مانگوں۔ مجھے پتا چلا تھا کہ آج کل وہ پاکستان میں ہی ہے مگر میری اس سے ابھی تک ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ میرے حلقہ احباب میں سے کسی نے بھی ثانیہ اور اشعر کی متوقع شادی کی خوش خبری نہیں دی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ شادی ٹل چکی ہے۔

اب میرے دل میں احساس گناہ کسی قدر کم ہو چکا تھا اور صرف ایک احساس زندہ تھا کہ میں اس دنیا کا مظلوم ترین انسان ہوں اور میرے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہوئی ہے۔ میں نے ہما کو مخاطب کرنا بھی چھوڑ دیا تھا اور وہ میرے رویے سے کافی دلبرداشتہ تھی۔ حالانکہ ممی ڈیڈی آج کل اس پہ جان نچھاور کرنے کو تیار رہتے تھے۔

ان ہی دنوں قسمت کی مہربانی سے ایک پارٹی میں میری ثانیہ سے دوبارہ ملاقات ہوئی۔

وہ سبز چائے کا ڈسپوزیبل کپ لے کر ہال سے لان کی سمت جا رہی تھی کہ میں جان بوجھ کر اس کے راستے میں آ گیا۔ وہ ہڑبڑا سی گئی اور چائے میرے کوٹ پہ چھلک گئی۔

''میں ایکسکیوز نہیں کروں گی کیونکہ میں جانتی ہوں غلطی میری نہیں ہے۔''

اس نے سنجیدگی سے کہا۔ مگر میری ہمت نہیں ہوئی کہ اسے مخاطب کرتا۔ میں یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ میری غلط بیانی کے بعد اس کے اور اشعر کے درمیان تعلقات کی نوعیت کیا تھی۔ ثانیہ نے ہاتھ میں پکڑا وہ کپ ایک قریب پڑے ڈسٹ بن میں ڈال دیا تھا اور پھر اسی راستے پہ چلتے ہوئے لان کی طرف نکل گئی۔ یہی موقع تھا جب میں اس سے بات کر کے اس کی رنجش دور کرنے کی کوشش کر سکتا تھا۔ میں دو چائے کے کپ لیے اور اس کے قریب آ گیا۔ وہ خشک فوارے کی منڈیر پہ بیٹھی ہوئی تھی۔ میں بھی پاس جا کر کھڑا ہو گیا اور ایک کپ اس کی سمت بڑھا دیا۔ اس نے انکار کیے بغیر کپ تھام لیا۔

''کیسی ہو؟'' چائے کی چسکیاں بھرتے ہوئے میں نے پوچھا۔

''تم کیوں پوچھ رہے ہو؟''

''جب دو افراد کافی عرصے کے بعد ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو احوال ہی دریافت کرتے ہیں۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''کیوں؟'' اس نے سابقہ سنجیدگی سے پوچھا۔

''تا کہ وہ ایک دوسرے کے بارے میں جان سکیں۔'' میں نے کہا۔ مجھے تسلی تھی کہ لایعنی ہی سہی مگر وہ مجھ سے بات تو کر رہی تھی۔

''تم میرے بارے میں کیوں جاننا چاہتے ہو؟'' اس نے ایک اور سوال کیا میں کچھ لمحہ تک بول نہیں پایا تھا۔

''میں تمہارے بارے میں کچھ نہیں جاننا چاہتا ثانیہ! کیونکہ میں تمہارے بارے میں سب کچھ جانتا ہوں۔''

میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

رات کی تاریکی میں چاند کی دھیمی سی روشنی بھی اس کے چہرے پہ پھیلے تاریک سائے کو چھپا نہیں پا رہی تھی۔ وہ پہلے سے کافی کمزور ہو چکی تھی۔ اس کی شخصیت کی اصل آب و تاب دھندلا چکی تھی۔

''ہاں......'' اس نے گہری سانس بھر کر کہا پھر وہ میری طرح میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

''تم تو میرے بارے میں مجھ سے بھی زیادہ جانتے ہو بلکہ تم تو بہت سی ایسی باتیں بھی جانتے ہو جو مجھے خود بھی نہیں معلوم۔''

یقیناً وہ میری اس غلط بیانی کی طرف اشارہ کر رہی تھی جو میں نے اشعر کے سامنے کی تھی۔ اس کی آنکھوں کی چمک نے مجھے نظریں چرانے پر مجبور کر دیا تھا۔

''تم میرے ساتھ اور کیا کرنا چاہتے ہو علی!'' اس نے اچانک سوال کیا۔ اس کے لہجے میں کرچیوں کی سی چبھن تھی۔

''مجھے معاف کر دو ثانیہ! ایک مجبور اور بے بس انسان سمجھ کر میری غلطی فراموش کر دو...... برا میں نہیں...... میری قسمت ہے۔''

میں نے شرمندگی سے چور لہجے میں کہا۔ میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کے کندھے پہ سر رکھ کر رونا شروع کر دوں۔ اس لمحہ میرے دلی جذبات کچھ ایسے ہی ہو رہے تھے۔

''میں نے تم سے کب شکایت کی ہے علی! بھول جاؤ سب کچھ...... جو ہونا تھا ہو چکا...... پرانی باتوں کو یاد رکھنے کا فائدہ۔''

اس کی آواز میں نمی گھلی ہوئی تھی۔

''محبت سوداگری یا تجارت نہیں ہے ثانیہ! کہ اس میں نفع و نقصان کا احساس رکھا جائے۔ بہت فائدہ ہے پرانی باتیں یاد رکھنے کا...... مجھے میرے ماضی سے زندگی کا احساس ملتا ہے۔''

میں نے تڑپ کر کہا۔ مجھے ایک بار بھی خیال نہیں آیا تھا کہ جب میں نے ثانیہ کے بجائے ہما سے شادی کا ارادہ کیا تھا کہ تو میں نے بھی صرف فائدہ دیکھا تھا۔ میں نے تب جو کیا تھا وہ سوداگری ہی تھی۔ میرے لہجے میں تڑپ نے اس پر خاطر خواہ اثر کیا تھا وہ یکدم رونے لگی تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے قریب کر لیا۔ اسے یقیناً میرے کندھے کی ضرورت تھی۔ وہ کافی دیر روتی رہی پھر اس نے میرے کندھے سے سر اٹھا لیا تھا۔ اس کا چہرہ اس کے اپنے آنسوؤں کے باعث تر ہو چکا تھا۔ میں نے اس کے کندھوں پہ ہاتھ رکھ کر اس کا چہرہ اونچا کیا پھر اس کے رخساروں پہ موجود نمی کو اپنے ہاتھوں سے صاف کرنے لگا۔ آنسو تمام کلفت دور کر دیتے ہیں۔ غصہ آنسوؤں کی صورت آنکھوں سے بہہ جائے تو دل کا آئینہ شفاف ہو جاتا ہے۔ ہم بہت دیر تک باتیں کرتے رہے۔

''میں روئی ہوئی تو نہیں لگ رہی نا؟'' اس نے میرے ہم قدم لان سے دوبارہ ہال میں جاتے ہوئے پوچھا تھا۔ مجھے اس کے لہجے میں موجود اپنائیت نے اندر تک سرشار کر دیا تھا۔

''تم رونے کے باعث بہت خوبصورت لگنے لگی ہو ثانی!'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ بھی مسکرا دی۔

اس پارٹی سے واپسی پہ میرا موڈ بہت خوشگوار تھا۔ اس رات ہما کا وجود مجھے پہلے سے بھی زیادہ قابل نفرت لگ رہا تھا۔ آنے والے دنوں میں میری بہت بار ثانیہ سے ملاقات ہوئی اور ہر ملاقات میں ہمارے دلوں سے رنجش دور ہوتی چلی گئی۔ ہم پھر سے ایک دوسرے کی سنگت میں وقت گزارنے لگے۔ ثانیہ پہلے کی طرح مہربان دوست بنتی چلی گئی۔ اشعر خود بخود راستے سے ہٹ گیا۔ ہماری ملاقاتیں بڑھنے لگیں تو ڈیڈی کو بھی پتا چل گیا۔ انہوں نے ایک بار پھر پیشی طلب کی ایک بار پھر میں ملزم کی طرح ان کے سامنے تھا۔

''میں ثانیہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

میں نے ان کی جواب طلبی پہ ہمت مجتمع کر کے کہہ دیا۔ اب میری ہمت پہلے سے زیادہ جوان تھی اور ڈیڈی پہلے کی نسبت کمزور ہو چکے تھے۔ انہوں نے درشتی سے مجھے ڈانٹا۔ وہ ایک بار پھر وہی درس دینے لگے جو انہوں نے مجھے پچھلی بار دیا تھا۔ اس بار ان کا پس پوائنٹ ہما اور ہمارے خاندان میں ہونے والا متوقع اضافہ تھا۔ میں سر جھکا کر ان کی باتیں سنتا رہا تھا۔ مگر میں ثانیہ سے شادی کا مصمم ارادہ کر چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

رات کھانے میں باربی کیو تھا جس کی وجہ سے مجھے مسلسل پیاس لگ رہی تھی۔ پانی کی کمی کے باعث میری جسمانی تکلیف میں بھی اضافہ ہو جاتا تھا۔ اس لیے بھی میں پانی کے معاملے میں بہت احتیاط برتتا تھا۔ رات کے کسی پہر پیاس کی وجہ سے میری آنکھ کھلی میں کسلمندی سے اُٹھ کر روم سے ریفریجریٹر تک آیا کہ میری نظر بالکونی کے کھلے دروازے پہ پڑی۔

میں نے سینٹرل صوفہ کی جانب دیکھا جو آج کل ہما بیڈ کے طور پر استعمال کر رہی تھی۔ وہ صوفہ خالی تھا۔ یقیناً ہما بالکونی میں تھی۔ میں سر جھٹک کر پانی پینے لگا۔ بوتل کو دوبارہ ڈھکن لگا کر میں بستر پہ آ گیا تھا مگر ادھ کھلے دروازے سے آنے والی خنک ہوا مجھے سونے نہیں دے رہی تھی پھر ہما کا خیال بھی آ رہا تھا کہ بہرحال وہ بھی ایک انسان تھی اور میں سینے میں پتھر نہیں رکھتا تھا۔ میں بستر سے اتر کر دھیرے دھیرے چلتا ہوا بالکونی میں آ گیا۔

ہما دونوں گھٹنوں میں منہ چھپائے بیٹھی تھی۔ اس کا جسم ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ گمان غالب تھا کہ رو رہی ہے۔ مجھے اس سے ہمدردی محسوس نہیں ہو رہی تھی مگر انسان ہونے کے ناتے میرا دل نرم ضرور پڑا تھا۔

''ہما...... یہ کیا پاگل پن ہے؟'' میں نے سخت لہجے میں کہا۔ وہ چونکنے کے بجائے اسی حالت میں بیٹھی روتی رہی۔ میں اس کے قریب بیٹھ گیا۔

''ہما...... ہما...... کیوں خود کو تماشا بنا رہی ہو کیوں اپنے آپ کو معصوم بنا کر پیش کرنے کی کوشش کر رہی ہو...... مجھ پر تمہارے ان آنسوؤں کا اثر نہیں ہوگا۔''

میں درشتی سے بولا...... وہ میرے سخت لہجے سے خائف ہوئے بغیر اسی پوزیشن میں بیٹھی رہی۔ مجھے

غصہ آنے لگا۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔ وہ بلبلا کر کھڑی ہوگئی۔ شاید اسے ٹمپریچر بھی تھا۔ میں اسے کھینچتے ہوئے کمرے میں لے آیا اور پھر اسے صوفے پہ بٹھا دیا۔

کمرے کی لائٹ میں نے پہلے ہی آن کر دی تھی۔ ہما کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ شاید وہ بہت دیر سے رد رہی تھی۔ میں اس کے قریب بیٹھ گیا۔ وہ آج بھی اتنی ہی خوبصورت تھی جتنی کہ سال ڈیڑھ سال پہلے مجھے لگا کرتی تھی۔ میں نے اس کے چہرے کی طرف بغور دیکھا۔ میرے ذہن میں ایک اور تصور ابھرا تھا۔

چاندنی رات کے فسوں میں ثانیہ کا رویا رویا چہرہ ہما کے چہرے سے زیادہ مختلف نہیں تھا۔ تو پھر اختلاف کس بات میں تھا۔ پارسائی...... عورت کا زیور...... پارسا عورت کی خوبصورتی بہت مسحور کن ہوتی ہے۔ مجھے اسی لیے ہما کا خوبصورت چہرہ بھی خوبصورت نہیں لگ رہا تھا۔ میں بادشاہ نہیں تھا۔ مجھے زمینیں فتح کرنے کا شوق تھا۔ نہ نت نئے علاقوں میں گھر بنانے کا۔ ہما مجھ سے بے وفائی نہ کرتی تو میں اسے کبھی چھوڑنے کے متعلق نہیں سوچتا مگر اب جب اس کا کردار مشکوک ہو چکا تھا تو میرا اس کے چہرے کی طرف دیکھنے کو دل بھی نہیں چاہتا تھا۔

میں اس کے پاس سے اٹھنے لگا تھا۔ کہ اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔

''علی......! ایک بار میری بات سن لو...... صرف ایک بار۔'' وہ منت بھرے انداز میں بولی۔

''ہما! اب کہنے کو کیا رہ گیا ہے...... سب کچھ ختم ہو چکا ہے...... تمہاری آزاد خیال سوچ نے کوئی نہ کوئی گل تو کھلانا ہی تھا۔''

میں بہت دھیمی آواز میں بولا۔ میری نظروں کے سامنے میری رپورٹس ناچنے لگی تھیں۔ سچ بات تو یہ ہے کہ اگر میں خود اپنی بیماری سے آگاہ نہ ہوتا تو شاید ہما کی بے وفائی کا پتا ہی نہ چلتا۔

ہما پھر سے مجھے کوئی کہانی سنانے کی کوشش کرنے لگی۔

''وہ گھر میں اکیلی تھی چوکیدار کی غلطی سے ایک بدمعاش صفت آدمی خاموشی سے گھر کے اندر گھس آیا۔ گھر کے سب ملازم کوارٹرز میں تھے۔ انکل آنٹی ایک ڈنر میں گئے ہوئے تھے۔ ساؤنڈ پروف کمرے کی بدولت ہما کی چیخ و پکار کوئی سن نہیں پایا۔ وہ درندہ صفت آدمی اپنے غلط ارادوں میں کامیاب ہونے کے بعد خاموشی سے واپس چلا گیا۔'' مجھے ہما کی اس گھڑی ہوئی کہانی میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہوئی۔ میں یہ سب سن کر تسلی کا ایک بھی لفظ بولے بغیر بستر پہ جا کر لیٹ گیا۔

''جب ایک چیز آپ کے اختیار میں ہوتے ہوئے بھی بے اختیار ہو جائے تو آپ کو اس پر سے اپنا اختیار ختم کر دینا چاہیے۔''

میں نے سونے سے پہلے یہی آخری بات سوچی تھی۔

☆ ☆ ☆

''ثانیہ! یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟''

میں نے ہکا بکا اس کی شکل دیکھی تھی۔ میرے سامنے اس کی اور اشعر کی شادی کا کارڈ پڑا تھا جبکہ میں

آج اسے پرپوز کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ ہما سے میں نے کہہ دیا تھا۔ کہ میں اس کا وجود اپنے گھر میں برداشت نہیں کر سکتا اور وہ ایک بار پھر سے اپنے والدین کے گھر میں تھی۔ ڈیڈی مجھے مسلسل سمجھا رہے تھے کہ ہما سے صلح کر لینی چاہیے اور ثانیہ کا خیال دل سے نکال دینا چاہیے۔ اب میں ڈیڈی کی ہر بات سر جھکا کر سن لیتا تھا۔ مگر مرضی اپنی کرتا تھا۔ اسی لیے میں ثانیہ کے آفس آیا تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر...... خوش ہوئی تھی۔ جب اس نے مجھے دعوتی کارڈ دیا تو میرے چہرے سے ساری خوشی غائب ہوگئی۔

''میں اور اشعر شادی کر رہے ہیں۔'' ''تمہیں ہماری شادی کی خوشی نہیں ہوئی۔''

اس نے عام سے انداز میں پوچھا تو میں سلگ اٹھا۔

''تم اشعر سے شادی کر رہی ہو اور اتنے دن سے تم میرے ساتھ کیا فلرٹ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔'' وہ میری بات سن کر زور سے ہنسی پھر بولی۔

''اوہ کم آن علی...... تمہارے منہ سے ایسی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔ تم میری عام سے دوستی کو فلرٹ کیوں سمجھ رہے ہو۔ اشعر سنے گا تو اسے کتنا برا لگے گا۔''

مجھے اس کی بات بہت بری لگی۔ اتنے دن سے اس نے ایک بار بھی میرے سامنے اشعر کا نام نہیں لیا تھا۔ اور اب وہ اس کے نام کی مالا جپ رہی تھی۔ میں نے بہت مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا۔

''تم میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہی ہو ثانیہ؟'' میں نے بے بسی سے پوچھا۔ اس کے چہرے پہ استہزائیہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''جب تم نے میرے ساتھ ایسا کیا تھا تب میں نے بھی تو نہیں پوچھا تھا۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم بھی مت پوچھو کیونکہ سچائی تم سے ہضم نہیں ہوگی۔''

وہ بہت سرد لہجے میں مسکرا مسکرا کر بات کر رہی تھی۔

''اس طرح سے طعنے مت دو ثانیہ! مجھے صفائی کا ایک موقع تو دو...... میں جانتا ہوں میں نے تمہیں بہت ہرٹ کیا ہے...... مگر...... یقین کرو میں مجبور تھا...... میرے ڈیڈی کو تم جانتی ہو...... وہ نہیں چاہتے تھے کہ...... اسی لیے ثانیہ...... اسی لیے۔''

میں وضاحتیں دینے لگا۔ میں یہ ساری وضاحتیں اسے پہلی ملاقات میں ہی دینا چاہتا تھا۔ جب وہ میرے کندھے پہ سر رکھے رو رہی تھی مگر جب اس نے کوئی بات نہیں کی تو میں نے بھی پرانی باتوں کو دہرانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ میرے وہم گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ ان وضاحتوں کے لیے کسی مناسب موقع کا انتظار کر رہی ہے۔

''اشعر ٹھیک کہتا ہے...... تم سچ مچ اپنی کمزوری اور غلطی کا ذمہ دوسرے کے سر ڈال کر مطمئن ہو جانے والے انسان ہو۔ تم اپنے ڈیڈی کو ڈھال کے طور پر کب تک استعمال کرتے رہو گے؟ اب تم ماشاءاللہ بڑے ہو چکے ہو اور بڑوں کی طرح بی ہیو کرنا سیکھو اپنی غلطی تسلیم کرنا سیکھو۔''

وہ مسلسل طنزیہ انداز میں باتیں کر رہی تھی۔ اس پر یقیناً اشعر کی لچھے دار گفتگو کا اثر ہو چکا تھا۔ وہ اسی

کی طرح بات کر رہی تھی۔

''اس طرح بات مت کرو ثانیہ! تمہیں اس محبت کی قسم جو تمہیں مجھ سے ہے۔''

میں اس طرح کہتے ہوئے خود اپنے آپ کو بھی بہت بے چارا لگ رہا تھا۔

''محبت......؟ کون سی محبت......؟ مجھے تم سے کبھی محبت نہیں تھی۔'' اس نے ہنکارا بھرتے ہوئے کہا۔

''جس کو تم محبت سمجھ رہے ہو وہ صرف ایک ضرورت تھی۔ تم ایک اچھے بزنس مین تھے۔ شکل صورت کے اچھے تھے۔ فیملی بیک گراؤنڈ اچھا تھا۔ ہر لحاظ سے بہترین چوائس ثابت ہو سکتے تھے۔ تم میرے لیے، تمہارے پیرنٹس بھی مجھے اور میری فیملی کو ناپسند نہیں کرتے تھے۔ ہم دونوں مل جاتے تو میرا مستقبل کس قدر محفوظ ہو سکتا تھا۔ بس یہی سوچ کر میں نے تمہاری پیش قدمی کا مثبت جواب دیا۔ دیکھو نا علی! انسان دنیا میں بہترین چیز کا ہی انتخاب کرنا چاہتا ہے۔ جب بھی انسان کو انتخاب کا موقع ملتا ہے۔ وہ اسی چیز پر انگلی رکھتا ہے۔ جو پرفیکٹ ہوتی ہے۔ کیونکہ کوالٹی کے معاملے میں کمپرومائز نہیں کرنا چاہیے۔ اسی لیے میں نے اشعر کا انتخاب کیا ہے کیونکہ وہی بہترین شخص ثابت ہوگا میرے لیے......اب میرا دماغ خراب ہے کیا جو میں تم جیسے شادی شدہ آدمی سے شادی کروں......ایک ایسا آدمی جو ایک عورت کے ساتھ کامیاب زندگی نہیں گزار سکا وہ کسی دوسری عورت کے ساتھ خوش کیسے رہے گا۔''

اس کا لہجہ سرد انداز استہزائیہ ہونٹ مسکرا رہے تھے۔ وہ ثانیہ کمال نہیں تھی وہ کوئی اور ہی تھی۔ جو لڑکی میرے سامنے بیٹھی بول رہی تھی۔ اسے تو میں بالکل نہیں جانتا تھا۔ وہ میرے بارے میں ایسے بات کر رہی تھی جیسے میں دکان پہ پڑا جوتا ہوں۔ وہی فلاسفی جو زندگی کے ہر معاملے میں، میں نے اپنائے رکھی تھی۔ اب کسی اور کے منہ سے سن کر مجھے بہت توہین کا احساس ہو رہا تھا۔

''اشعر کے بارے میں سب کچھ جانتی ہوں میں......اس نے مجھے خود ہی اپنی سب گرل فرینڈز کے متعلق بتایا ہے۔ تمہیں اس بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں کہ میں ایک فلرٹ سے شادی کر رہی ہوں۔ وہ بہت اچھا ہے کم از کم بددیانت نہیں ہے۔ مجھے راستے میں چھوڑ کر نہیں جائے گا اس لیے تم غلط بیانی سے کام لے کر ہمارے راستے میں روڑے اٹکانے کی کوشش نہ کرو۔''

وہ سابقہ انداز میں بات کر رہی تھی۔ میرے پاس کہنے کو کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ کچھ سننے کو تیار بھی نہیں تھی۔ مجھے اس لمحہ وہ بہت بری لگ رہی تھی۔

''ثانیہ! میں تمہارے بارے میں کبھی برا سوچ بھی نہیں سکتا۔ میں نے جو بھی کیا مجبور ہو کر کیا مگر اشعر تمہارا برین واش کر چکا ہے۔ تم اصل بات سمجھ ہی نہیں پاؤ گی۔''

میں نے گہری سانس بھر کر کہا۔ مجھے لگ رہا تھا جیسے میں بہت لاغر و کمزور ہو چکا ہوں۔

''اشعر نے ایسی کوئی بات نہیں کی علی......اپنا مقصد پورا کرنے کے لیے کم از کم اپنے دوست کی برائی مت کرو......اشعر نے تو کبھی تمہاری برائی نہیں کی بلکہ وہ ہمیشہ تمہاری تعریف کرتا ہے۔ جب میں تم سے شادی کرنا چاہتی تھی اور تم نے ہما سے شادی کر لی تھی تب بھی اشعر نے کبھی تمہیں برا نہیں کہا تھا بلکہ وہ مجھے ہمیشہ یہ کہہ کر سمجھاتا تھا کہ یہ سب قسمت کے لکھے کی وجہ سے ہوا ہے اور یہ کہ مجھے اعلیٰ ظرفی سے کام لیتے ہوئے تمہیں معاف کر دینا چاہیے مگر علی! تم معافی کے قابل نہیں ہو......تم حقیقتاً گھٹیا انسان ہو جو ہمیشہ اپنے فائدے کے بارے میں سوچنا پسند کرتا ہے۔''

اس نے جیسے غراتے ہوئے کہا تھا۔ اس کے چہرے پہ میرے لیے کس قدر ناپسندیدگی تھی۔ میرا دل بند سا ہو رہا تھا۔ مجھے لگ رہا تھا مجھے کسی نے ایک اونچی چوٹی پر سے دھکا دے دیا ہے۔ جس چہرے پہ میں نے ہمیشہ محبت دیکھی تھی وہاں نفرت کے اس قدر گہرے رنگ مجھ سے برداشت نہیں ہو رہے تھے۔

''میں تم سے شدید نفرت کرتی ہوں......شدید نفرت......بہتر ہے تم یہاں سے چلے جاؤ۔''

وہ خشک سے انداز میں بولی پھر بھی نجانے کیوں مجھے اس کی آنکھوں میں نمی کی جھلک دکھائی دی۔

''ثانیہ! تم جھوٹ بول رہی ہو......تم مجھ سے نفرت نہیں کر سکتیں......میں جانتا ہوں تم مجھ سے نفرت نہیں کر سکتیں۔''

میں نے گویا کراہتے ہوئے کہا۔ میری بات سن کر وہ بہت زور سے ہنسی۔

''اوکے فائن......اگر تم اس خوش فہمی کی دلدل میں پھنسے رہنا چاہتے ہو تو میں تمہارے لیے کیا کر سکتی ہوں سوائے دعائے خیر کے۔''

''ثانیہ......پلیز تم......'' میں نے کچھ کہنا چاہا مگر اس نے میری بات کاٹ دی۔

''کیا تم اس بات کا انتظار کر رہے ہو کہ میں پیون کو بلاؤں جو تمہیں باہر کا راستہ دکھائے۔''

میں اس سے زیادہ توہین برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ میں چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر میں بہت خاموشی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''میں اگرچہ اس قابل نہیں ہوں مگر پھر بھی ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا......میری دعائیں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہیں۔''

میں اس کے آفس سے باہر نکل آیا......میرے سن گلاسز اس کی ٹیبل پہ پڑے رہ گئے تھے۔ سن گلاسز پہ کیا موقوف میرا دل اور میں بھی اس کے آفس میں ہی کہیں رہ گیا تھا۔ میں جب اس کے آفس سے نکلا تو مجھے مرے ہوئے پانچ منٹ ہو چکے تھے۔

☆　☆　☆

''کیا میں سچ مچ ایک خود غرض انسان ہوں۔'' میں نے چھت کی طرف دیکھتے ہوئے خود سے سوال کیا تھا۔ مگر جواب میں میرے اندر سے کوئی آواز نہیں ابھری تھی۔

جب کچھ سوالوں کے جواب اثبات میں دیتے ہوئے شرمندگی ہوتی ہے تو خاموش رہنا بہتر ہوتا ہے۔

میں بستر پہ چت لیٹا تھا اور میری آنکھوں کی زمین نم نم سی تھی۔ حالانکہ میرا دل چاہ رہا تھا، میں پھوٹ پھوٹ کر رو دوں مگر نجانے کیوں آنسو بہنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

پہاڑ جیسا مرد روتا ہوا اچھا نہیں لگتا مگر پہاڑوں سے بہتے جھرتے دیکھنے کے لیے لوگ دور دراز کا سفر کرتے ہیں۔

آج کی رات مجھے بہت بھاری لگ رہی تھی۔ ہم جس رات بھی حقیقت سے اپنا محاسبہ کرتے ہیں وہی رات ہمارے لیے بھاری ثابت ہوتی ہے۔ نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی اور دل کی دھڑکن معدوم ہوتی جا رہی تھی۔

میں نے ہمیشہ ہر چیز کو قسمت کی خرابی کہہ کر ٹال دینا چاہا مگر خرابی دراصل خود میری شخصیت میں تھی۔ اشعر مجھے ہمیشہ ''تھالی کا بینگن لڑھکتا پتھر'' اور ''دھوبی کا کتا'' کہا کرتا تھا۔ ثانیہ اور ہما بھی مجھے ایک کمزور آدمی سمجھتی ہیں جو کانوں کا کچا تھا جو اپنے فیصلے خود کرنے کے بجائے دوسروں کے فیصلے پہ چلتا تھا جو ہر کام کی ابتدا سے پہلے اتنے مشورے کرتا تھا کہ اس کے قریب رہنے والے اس سے عاجز آ جاتے تھے۔ میرے ڈیڈی نے میری تربیت نہایت عجیب انداز میں کی تھی اور دراصل مجھے جو سزا مل رہی تھی انہی کی وجہ سے مل رہی تھی۔

''تم کب تک اپنی غلطیوں کا ذمہ اپنے ڈیڈی کے سر ڈالتے رہو گے؟'' کوئی میرے قریب غرا کر بولا تھا۔

یہ حقیقت تھی کہ ڈیڈی مجھ پہ اپنے فیصلے مسلط کرنے کی کوشش کرتے تھے مگر کچھ معاملات ایسے بھی تھے جب میں اپنا نقطہ نظر ان کے سامنے بہتر طریقے سے بیان کر کے ان کی حمایت حاصل کر سکتا تھا۔ وہ اتنے برے نہیں تھے جتنا برا میں انہیں دوسروں کے سامنے ظاہر کرنے کی کوشش کرتا تھا۔

''میں نے یہ اس لیے کیا اور میں نے یہ اس لیے نہیں کیا۔''

ہر بات کی ابتدا میں یہی کہہ کر کرتا تھا اور اس کے بعد میں ڈیڈی کی سخت طبیعت ان کا غصہ ان کی تنگ مزاجی کا پہاڑہ پڑھنے لگتا تھا۔ میرے سب دوست میرے ڈیڈی سے خائف رہتے تھے۔ حالانکہ اشعر کبھی میرے اسکول آتا یا میرے دوستوں سے ملتا تھا تو ہمیشہ ''انکل سعدی'' کی تعریف میں لمبا بیان دیتا تھا پھر کالج میں بھی یہی سلسلہ چلتا رہا مگر میں ہمیشہ ہر چیز کو اپنے تناظر میں دیکھنے اور بیان کرنے کا عادی تھا۔

ایک بار انکل کو بزنس میں کافی نقصان ہوا تھا۔ اشعر نے ہمارے ساتھ کنٹین جا کر صرف کوک پینے پہ اکتفا کرنا شروع کر دیا۔ انہی دنوں ہمارا کالج ٹور ناردرن ایریاز کی طرف گیا تو وہاں بھی اشعر کفایت شعاری سے کام لیتا تھا۔ مجھے اس کی یہ حرکتیں اچھی نہیں لگ رہی تھیں۔ وہاں تو میں نے برداشت کر لیا مگر واپس لاہور آ کر میں نے تہیہ کیا کہ میں اشعر سے دوستی چھوڑ دوں گا۔

''وہ ایک کنگال شخص ہے ڈیڈی......اس کے ساتھ دوستی نرے گھاٹے کا سودا ہے۔''

میں نے ڈیڈی کے سامنے یہ بات کہی تھی تو انہوں نے مجھے درشتی سے ڈانٹا اور سمجھایا تھا کہ ایسی خود غرضانہ سوچ مجھے نہیں اپنانی چاہیے۔ مجھے تب ڈیڈی کی بات سمجھ میں آ گئی تھی۔ مجھے ہمیشہ ڈیڈی کی بات سمجھ میں آ جاتی تھی۔ ثانیہ کے معاملے میں وہ ایک ہمدرد باپ کی طرح سوچ رہے تھے۔ ان کی سوچ اتنی غلط نہیں تھی۔ اگر میں انہیں ٹھوس دلائل دے کر آمادہ کرنے کی کوشش کرتا تو شاید آمادہ ہو بھی جاتے مگر میں نے ایسی کوئی کوشش

ہی نہیں کی تھی۔

میں خود ڈر گیا تھا کہ اگر اسد کمال جیسی اولاد میرا نصیب ہوئی تو میرا مستقبل بہت لاچار ہو گا۔ مجھے شاید دنیا میں سب سے زیادہ محبت اپنے آپ سے ہی تھی۔ اس کے بعد جب مجھے اپنی اندرونی جسمانی بیماری کے متعلق پتا چلا تو میں نے فوراً اسے قسمت کی خرابی کہہ کر ڈیڈی کے غلط رویے پر سارا الزام ڈال دیا تھا۔

میں ہما کی بے وفائی سے مزید متنفر ہو گیا تھا۔ حالانکہ وہ مسلسل معافیاں مانگ کر مجھے کسی حادثے کے متعلق بتانے کی کوشش کرتی رہی تھی۔ اگر مجھے یہ پتا نہ ہوتا کہ میں باپ نہیں بن سکتا تو شاید میں اپنے آپ کو خوش قسمت ترین انسان سمجھتا مگر یہاں بھی میں نے اپنے آپ کو معصوم قرار دے کر ہما کے کردار میں کیڑے نکالنے شروع کر دیے تھے۔

میرا ارادہ تھا کہ ثانیہ سے شادی کر کے ہما کو طلاق دے دوں گا۔ اس کے بچے سے میرا کوئی تعلق نہیں تھا۔ جبکہ ثانیہ سے کہوں گا کہ ہم کبھی والدین بننے کا خیال دل میں نہیں لائیں گے کیونکہ ڈیڈی اسد کمال جیسے پوتے برداشت نہیں کر سکیں گے۔ گویا مجھے یقین تھا کہ ہمارے یہاں ابنارمل اولاد ہی جنم لے گی۔ درپردہ میں ثانیہ پہ احسان کرنا چاہتا تھا مگر دراصل میں اپنی کمی پہ پردہ ڈالنا چاہتا تھا۔ یہ میری خود غرضی نہیں تھی تو اور کیا تھا اور اس کے باوجود میں اپنے آپ کو سب سے زیادہ معصوم سمجھتا ہوں۔

میں نے پہلو بدل کر کنپٹیوں کو دبانے کی کوشش کی۔ میرا ضمیر مجھے ٹھیک ٹھاک شرمندہ کر رہا تھا۔ اور آج میں خاموشی سے سن رہا تھا کیونکہ آج ضمیر کو جواب دینے کے لیے میرے پہلو میں دل موجود نہیں تھا۔ وہ وہیں ثانیہ کے کمرے میں رہ گیا تھا۔

وہ کہتی تھی کہ وہ مجھ سے محبت نہیں کرتی مگر وہ غلط کہتی تھی۔ میں اس کی بات پہ یقین کر لیتا اگر میں اسے اپنے لیے روتا نہ دیکھتا۔ میرے گلاسز اس کے آفس میں رہ گئے تھے۔ میں اپنی گاڑی تک پہنچا تو مجھے یاد آیا اور جب میں اپنے گلاسز لینے کے لیے دوبارہ لفٹ کے ذریعے اوپر اس کے آفس تک گیا تو اس کے کمرے کا منظر میرے لیے حیران کن تھا۔ وہ میرے گلاسز ہاتھوں میں پکڑے زار زار رو رہی تھی۔ اس کے بالکل قریب میز پہ وہ مخملیں ڈبیا پڑی تھی جو بہت پہلے میں نے اسے گفٹ کی تھی۔ اس میں یقیناً وہ انگوٹھی بھی موجود ہو گی۔ وہ مجھ سے متعلقہ چیزوں کو اس قدر سنبھال کر کیوں رکھ رہی تھی اور پھر میں آ گیا تھا۔ میں بہت آہستگی سے آہٹ پیدا کیے بنا باہر نکل آیا تھا۔

وہ مجھ سے اب بھی محبت کرتی تھی مگر مجھے دھتکار کر اس نے اپنی انا کو مزید مجروح ہونے سے بچا لیا تھا۔ یہ اس کا حق تھا اور اس کی انا مجھے بہت پیاری تھی۔ یہ یقیناً میرے دل میں موجود اس کی محبت کی وجہ سے تھا۔ زندگی کے اس معاملے میں بھی وہ خوش قسمت ترین تھا۔ مجھے دو چاہنے والی عورتیں ملی تھیں۔ ثانیہ اعتراف کرنے سے کتراتی تھی مگر ہما کی طرح وہ بھی مجھ سے محبت کرتی تھی۔ یہ میری زندگی کا المیہ تھا اور مجھے اسی المیے کے ساتھ زندگی گزارنا تھی۔

مجھے اس المیہ سے سمجھوتہ کرنا تھا۔ میری سمجھ میں آ گیا تھا کہ زندگی میں سمجھوتہ کس قدر ضروری ہوتا ہے۔

''میں ہما کو واپس لے آؤں گا اور اس کے بچے کو اپنا نام دوں گا۔''

میں نے تہیہ کیا تھا مگر میں ہما کو اپنے بارے میں سچائی بتانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ کچھ سچائیاں ہمیشہ مخفی ہی رہنی چاہیں۔ یہی سب سوچتے ہوئے میں گہری نیند سونے کی تیاری کرنے لگا تھا۔ مجھے دھیرے دھیرے سکون آ رہا تھا...... ایسا سکون جو شاید ابدی تھا۔ ہر چیز پہ قانع ہو جانے سے زندگی میں سکون آنا لازمی سی بات ہے۔ میں نے یہ قناعت بہت غلطیوں کے بعد سیکھی تھی۔ یا پھر شاید میری مجبوری نے مجھے یہ قناعت سکھا دی تھی۔

☆ ☆ ☆

"Of unreflecting love!
othen on the shore
of the wide world i
stand alone and think
Till love and fame
to nothaingness do sink

کمرے سے باہر آتے ہوئے علی کی بہت دھیمی سی آواز میرے کانوں میں پڑی تھی۔ وہ اپنی من پسند انگلش نظم گنگنا رہے تھے اور ساتھ ساتھ اپنے زانوں کو سہلا رہے تھے۔ علی کو یہ نظم بہت پسند ہے اور وہ اکثر یہی نظم گنگناتے ہیں۔ جب خوش ہوتے ہیں تب بھی اور جب اداس ہوتے ہیں تب بھی۔ خوش ہوتے ہیں تو اونچی آواز میں گنگناتے ہیں اور اداس ہوتے ہیں تو دھیمی آواز میں گنگناتے ہیں۔ آج وہ دھیمی آواز میں گا رہے تھے۔ اس کا مطلب یہ کہ اداس ہیں۔ اس کے علاوہ بھی ان کی اداسی کے بارے میں مجھے بہت جلدی پتا چل جاتا ہے کیونکہ اداس ہونے کی صورت میں وہ مجھے میرے اصلی نام ''ہما'' سے پکارنے کے بجائے ''ثانیہ'' کہتے ہیں۔

میں نہیں جانتی ثانیہ کون ہے میں نے اس بارے میں کبھی علی سے استفسار بھی نہیں کیا۔ انہیں یہ نام پسند ہے۔ اس لیے وہ مجھے اس نام سے پکارتے ہیں۔ جب علی کی ممی زندہ تھیں تو وہ بتایا کرتی تھیں کہ شاید علی کی کسی گرل فرینڈ کا نام ثانیہ تھا اور حقیقت یہ ہے کہ مجھے اس بات سے کبھی جلن نہیں ہوئی۔ حالانکہ علی اکثر مجھے ثانیہ کہہ کر پکارتے ہیں۔ ان کے اس طرح پکارنے میں اتنی محبت ہوتی ہے کہ میں انہیں کبھی ٹوک نہیں پائی۔ دراصل میری اور علی کی ریلیشن شپ بہت مختلف قسم کی ہے۔

''ملکہ عالیہ...... بادشاہ سلامت کہاں ہیں؟'' احمد کی آواز سنائی دی۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ علی کے متعلق استفسار کر رہا تھا۔ وہ اکثر مذاق میں اسی طرح بات کرتا تھا۔

''بادشاہ سلامت اپنی سلطنت میں آرام فرما رہے ہیں۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''حضور کا مزاج تو اچھا ہے نا؟'' اس نے ڈائننگ ٹیبل پہ پڑی فروٹ باسکٹ سے سیب اٹھا کر اپنی جینز سے رگڑ کر صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

''طبیعت کچھ ناساز دکھائی دیتی ہے حضور کی...... شہزادہ عالم خود جا کر استفسار کیوں نہیں کرتے۔''

میں نے ہاتھ میں پکڑا خالی کپ میز پہ رکھ کر وہیں بیٹھتے ہوئے اسی کے انداز میں کہا۔ وہ آج کل اپنے قاری صاحب سے اردو اور عربی گرائمر سیکھ رہا ہے اسی لیے اس کی گفتگو میں یہ رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔

''ارے...... آپ فکر نہیں کیجئے ملکہ عالیہ! ہم ابھی خبر لیتے ہیں۔''

وہ باسکٹ میں سے دوسرا سیب اٹھا کر بیڈروم کی سمت چلا گیا۔ یہ سیب یقیناً علی کے لیے تھا۔ اس کی اور علی کے درمیان بہت دوستی ہے۔ دونوں باپ بیٹے میں بہت محبت ہے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ سگے باپ بیٹا نہیں ہیں اور ہم نے یہ بات کسی کو بتائی بھی نہیں ہے کیونکہ اس میں صرف رسوائی تھی اور علی نے مجھے اس رسوائی سے بچا لیا تھا۔ احمد میرا اکلوتا بیٹا میری جائز اولاد نہیں ہے کیونکہ وہ میری زندگی میں ایک بدترین حادثے کی بدولت آیا تھا۔ مگر علی کی اعلیٰ ظرفی کے باعث احمد اب میری جائز اولاد ہی شمار ہوتا ہے۔ اس مہربانی کے لیے میں تاحیات علی جیسے عظیم انسان کی شکرگزار رہوں گی۔

اس بات پر میری والدہ نے مجھے بہت ڈانٹا تھا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ میں نے خود علی کو یہ حقیقت بتائی ہے۔ حالانکہ میں خود نہیں جانتی کہ علی کو مجھ پر شک کیسے ہوا۔ اس کے پہلے ہی مشکوک استفسار پر میں نے سچائی اگل دی تھی۔ اس کے بعد ہمارے بیچ پہلے سے موجود اختلافات بڑھ گئے تھے۔ لیکن پھر خود ہی نہ جانے کیسے سب ٹھیک ہوتا چلا گیا۔ حالانکہ ان دنوں کچھ لوگوں نے علی کی دوسری شادی کی خبر بھی اڑائی مگر یہ سب مفروضے ثابت ہوئے جو میرے اور علی کی تجدید تعلقات کے بعد خود بخود دم توڑتے چلے گئے تھے۔

علی کی اعلیٰ ظرفی نے میرے گھر کو ٹوٹنے سے بچا لیا تھا۔ اس کی اس مہربانی نے میرے دل میں اس کے لیے موجود محبت کو عقیدت میں بدل دیا تھا۔ گزشتہ چند سالوں سے میرے اندر بہت تبدیلی آئی ہے۔

میں مکمل طور سے خود کو علی کی پسند کے مطابق ڈھال چکی ہوں۔ میں اسے ''تم'' کے بجائے ''آپ'' کہہ کر مخاطب کرنے لگی۔ مغربی لباس کی طرف دیکھنا بھی چھوڑ دیا۔ سوشل ایکٹیویٹیز کم کم کرتے بالکل ختم کر دیں۔ اسے عورتوں کا چائے کافی سگریٹ پینا سخت ناپسند تھا۔ میں نے کافی پینا ہی چھوڑ دیا۔ حالانکہ مجھے کافی پسند تھی۔

علی نے بھی اس سلسلے میں میری بہت مدد کی۔ اس نے احمد کو نہ صرف اپنا نام دیا بلکہ اسے باپ کا پیار بھی دیا اور کبھی مجھ پر جتایا نہیں کہ یہ سب اس کا احسان ہے۔ اور میں ہمیشہ خود کو اس کے اس احسان کے آگے زیر بار محسوس کرتی ہوں۔ احمد کے علاوہ ہمارے مزید بچے نہیں ہوئے۔ میری بہت خواہش تھی کہ کم از کم میری ایک اور بیٹی ضرور ہوتی جس کا نام ہم ''ثانیہ'' رکھتے مگر اس معاملے میں ہم بدقسمت رہے۔

میرے ہزار ہا علاج کے باوجود اللہ نے ہماری یہ خواہش پوری نہیں کی جبکہ علی کو قدرت کے کاموں میں مداخلت پسند نہیں۔ وہ احمد کو ہی اپنی اولاد سمجھتے ہیں اور انہیں مزید اولاد کی ضرورت نہیں۔ میں جانتی ہوں وہ دوسروں کے سامنے اس طرح کی باتیں صرف اس لیے کرتے ہیں تاکہ مجھے کم سے کم تکلیف ہو۔ علی اور احمد کے تعلقات بہت اچھے ہیں ان دونوں میں بہت پیار ہے۔ میں اپنی زندگی سے بہت مطمئن بہت خوش ہوں بس جب کبھی علی اداس ہوتے ہیں تو مجھے بے چینی ہونے لگتی ہے۔ میں ان کے بارے میں پہلے بہت پوزیسو اور شکی تھی مگر اب میں نے اپنی ساری عادتیں تبدیل کر لی ہیں کیونکہ مجھے حقیقتاً علی سے بہت محبت ہے۔ وہ ہیں بھی محبت

کے قابل اتنے اعلیٰ ظرف لوگ دنیا میں رہ کب گئے ہیں۔

اسی وجہ سے اگر وہ مجھے "ثانیہ" کہہ یا سمجھ لیتے ہیں تو میں اس بات کا برا نہیں مانتی۔ مجھے اس میں کوئی برائی بھی نظر نہیں آتی۔ بہت سے لوگ اپنی پہلی محبت کو بھلا نہیں پاتے۔ میں جانتی ہوں کہ "ثانیہ" نام سے علی کی اس قدر الفت کسی پرانی گم گشتہ محبت کا ہی نتیجہ ہے مگر اس کے باوجود مجھے یہ سب برا نہیں لگتا تھا کیونکہ بہت سی باتوں پہ ہمیں سمجھوتہ کرنا ہی پڑتا ہے۔

زندگی کا دوسرا نام سمجھوتہ ہی ہے پھر اس بات پہ رو کر دکھی ہونے کا فائدہ ہی کیا ہے۔ میں ان کی دوسری محبت ہی سہی مگر ان کی زندگی میں ان کے پاس تو ہوں اور یہی چیز میرے لیے اطمینان کا باعث ہے۔ انکل اور آنٹی کی وفات کے بعد تو علی اور بھی اچھے ہو گئے ہیں۔

"ملکہ عالیہ......! ملکہ عالیہ......" علی کی زندگی سے بھرپور آواز میرے کانوں میں پڑی۔ احمد اور علی اکٹھے ہوں تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ ان دونوں میں سے کوئی اداس ہو۔ احمد کی موجودگی میں علی زیادہ دیر اداس نہیں رہ سکتے۔ میں علی کی پکار پہ بیڈروم میں آ گئی۔

"آج قاری صاحب نے مجھے بتایا ہے کہ جنت میں سب آدمیوں کو ستر ستر حوریں ملیں گی۔"

احمد مجھے دیکھتے ہی اطلاع دینے والے انداز میں بولا۔

"ہم سوچ رہے ہیں کہ ہم اتنی ساری حوروں کا کیا کریں گے۔" علی مسکرا کر بولے۔ ان کی مسکراہٹ میں بشاشت تھی۔ وہ ماضی کے تاریک لمحوں سے آزاد لگ رہے تھے۔ نوسٹلجیا سے نکلنے میں ان کو اتنی ہی دیر لگتی ہے، جتنی احمد کو ان کے بیڈروم میں داخل ہونے میں۔

"آپ ایک حور اپنے پاس رکھ کر باقی سب بانٹ دیجیے گا۔"

میں نے فوراً علی کو مشورہ دیا۔

"واہ واہ...... میں کوئی ہنڈا سی ڈی سیونٹی ہوں کہ ایک لیٹر ہی کافی ہے۔"

وہ چڑانے والے انداز میں بولے۔

"آپ بہت خراب ہیں ڈیڈ...... مام جو کہہ رہی ہیں کہ ایک حور ہی کافی ہے تو بس ایک ہی کافی ہے...... باقی آپ مجھے دے دیجیے گا۔"

وہ اپنے مخصوص انداز میں کہہ رہا تھا۔ علی نے اس کی بات پر قہقہہ لگایا تھا۔ میرے اندر سکون اتر آیا۔ اس کے علاوہ مجھے کچھ نہیں چاہیے تھا اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جب آپ کو کچھ نہیں چاہیے ہوتا تو دراصل آپ کے پاس سب کچھ ہوتا ہے۔ میرے رب کی مہربانی سے میرے پاس سب کچھ تھا۔ میں مسکراتے ہوئے علی اور احمد کے قہقہوں میں شریک ہو گئی تھی۔



خواب گھروندہ ٹوٹ نہ جائے

"پندرہ نمبر...... پندرہ نمبر۔"

وہ اپنے ہی خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی، جب کنڈیکٹر نے اسٹاپ کا نمبر پکار کر اسے متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ اس کا اسٹاپ آ چکا تھا۔ گود میں پڑی کتابوں کو ہاتھ میں تھام کر اس نے بیگ کی پوزیشن کندھے پر ٹھیک کی اور آڑی ترچھی ہو کر اس چار پہیوں والے ڈربے سے باہر آ گئی۔

اس کا نہایت محنت سے پریس کیا گیا کلف والا سوٹ چڑ مڑ ہو چکا تھا۔ قدرے تاسف سے اس نے ہاتھ کی مدد سے ان شکنوں کو دور کرنے کی کوشش کی، لیکن ناکامی سے دوچار ہونا پڑا۔ مین گیٹ سے نکل کر اس نے ڈیپارٹمنٹ کی سمت چلنا شروع کر دیا تھا۔ اردگرد سے بے نیاز اپنے آپ میں گم وہ ڈیپارٹمنٹ کے سامنے پہنچی تو تقریباً ساری کلاس ہی گراؤنڈ میں وٹامن ڈی کے مزے اڑاتی خوش گپیوں میں مصروف تھی۔ وانیہ، ثوبیہ، بشریٰ وغیرہ بھی وہاں ہی تھیں۔ وہ ان کے قریب چلی آئی۔

"مس حبیب لیو (Leave) پر ہیں۔"

اس کے بیٹھنے سے پہلے ہی ثوبیہ نے بتایا۔ وہ تقریباً بیٹھ ہی چکی تھی۔ دوبارہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وانیہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ اس نے بشریٰ، ثوبیہ کو سلام تک نہیں کیا تھا۔

"وانیہ! میں نے آج ناشتہ نہیں کیا۔" اس کی آواز میں اس کے لباس ہی کی طرح ملگجا پن نمایاں تھا۔ وانیہ کو اس کی ادا پسند تو نہیں آئی، مگر پھر بھی وہ اس کے ساتھ کینٹین جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی جو بالکل الگ سمت میں بنی ہوئی تھی۔

"ورشہ! آر یو آل رائٹ۔ گھر میں تو سب ٹھیک ہے نا۔ آرڈر دینے کے بجائے، وہ چپ چاپ میز کی سطح کو گھورنے لگی تو وانیہ سے رہا نہیں گیا۔ ورشہ نے ایک دم سے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر مسکراتے ہوئے

بولی۔

''بہت اچھی لگ رہی ہو نیو ڈریس ہے نا؟''

''ورشہ...... میں نے کچھ پوچھا ہے۔ کہاں گم ہو خیر تو ہے؟'' وہ سوال گندم' جواب چنا والے اس طرز عمل پر چڑ کر بولی۔

''ہاں یار! بالکل ٹھیک ہوں۔ لوکل سے آئی ہوں نا' آدھ گھنٹہ کا راستہ دو گھنٹے میں طے ہوا ہے۔ اتنی دیر اسٹاپ پر کھڑا رہنا پڑا میں نے تو مس حبیب کی کلاس پر فاتحہ پڑھ لی تھی۔ شکر ہے وہ خود ہی نہیں آئیں ورنہ آج تو پوری کلاس کے سامنے بے عزتی ہوتی۔ نیند بھی پوری نہیں ہوئی' اس لیے سر میں بھی درد ہے۔'' وہ اس کی ناراضی کے خیال سے جلدی جلدی بولی۔ وانیہ نے ایک نظر اس طرف دیکھا پھر مزید کریدنا نامناسب خیال کرتے ہوئے موضوع تبدیل کر کے بولی۔

''ڈپارٹمنٹ ایک زبردست پروگرام کا انعقاد کر رہا ہے۔ مقصد ہے افغان مہاجرین کے لیے فنڈ اکٹھا کرنا۔ مختلف اسٹالز وغیرہ لگا کر اسٹوڈنٹس خود ہی یہ کام کریں گے۔ دوسرے ڈپارٹمنٹس کو بھی انوائٹ کیا جائے گا۔''

وہ کافی زندہ دل لڑکی تھی اور ورشہ کے مقابلہ میں ایسے فنکشنز وغیرہ میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتی تھی۔ اس پروگرام کے لیے بھی وہ کافی پرجوش ہو رہی تھی۔

''ہم کس چیز کا اسٹال لگائیں گے ورشہ؟'' کام تو زیادہ تر وہ اور وانیہ ہی کرتی تھیں مگر مشورہ ہمیشہ ورشہ سے لیا جاتا۔

''وانیہ نے کیا آئیڈیا دیا؟''

اس نے فی الحال کوئی آئیڈیا نہیں دیا۔ میرا خیال ہے' اسے ابھی اس بات کا پتا بھی نہیں ہے۔ مجھے خود زوباریہ نے بتایا۔''

وہ دونوں ٹانگیں کرسی پر چڑھا کر اطمینان سے بیٹھتے ہوئے بولی۔ کینٹین میں زیادہ رش نہیں تھا۔

''ورنیہ ہے کدھر؟'' ورشہ نے پوچھا۔ اس سے پہلے کہ وانیہ کوئی جواب دیتی' ورنیہ صاحبہ خود ہی چیختی چلاتی ادھر آ گئیں۔

''ماشاء اللہ تو آپ دونوں یہاں بیٹھی ہیں میں سارے ڈپارٹمنٹ میں ڈھونڈ کر تھک گئی۔ ایسی کیا مصیبت آ گئی تھی جو یہاں اس اجاڑ سنسان جگہ پر آ بیٹھی ہو۔'' اس نے لمحہ بھر کا توقف کیا۔ بالوں میں لگے بٹر فلائی بینڈ کو اتار کر بالوں کو جھٹکے سے لہرایا پھر دونوں ہاتھوں سے سمیٹ کر دوبارہ بینڈ میں جکڑا اور شروع ہو گئی۔

''اف...... وہاں پبلک ایڈمنسٹریشن والوں کی کینٹین پر اتنے ہینڈسم لڑکے بیٹھے ہیں۔ مجھے لگتا ہے لاء ڈپارٹمنٹ کے ہیں۔ سب کی ڈریسنگ اتنی زبردست ہے۔ سب کے سب مونچھوں والے ہیں۔ قسم سے ورنیہ! ڈیشنگ ہیں' ڈیشنگ۔''

''تمہیں اتنی سی دیر میں کیسے پتا چل گیا کہ وہ اس ڈپارٹمنٹ کے ہیں اور سب کے سب شہزادہ گلفام

کے خاندان سے ہیں۔'' ورشہ ذرا چڑ کر بولی۔ ورنیہ نے پہلے تو اسے گھور کر دیکھا پھر چبا چبا کر بولی۔

''مس ورشہ! وہاں پانچ منٹ کھڑی ہو کر دس روپے کا ناز پان مسالہ خرید کر لائی ہوں۔ یہ اتنی سی دیر نہیں ہے اور یوں بھی تم جانتی ہو لڑکوں کے معاملے میں میری نظر بارہ بائی بارہ ہو جاتی ہے۔ لڑکا ہینڈسم ہو' پچیس سال سے اوپر کا ہو اور مونچھوں والا ہو تو مجھے ایک فرلانگ کے فاصلے سے بھی نظر آ جاتا ہے کیونکہ یہ دل کا معاملہ ہے۔''

وہ ایک مشہور ایڈ کی نقل کرتے ہوئے بولی۔ ورشہ اور وانیہ نے ایک ساتھ قہقہہ لگایا تھا۔

''اے پلیز وشی' اٹھونا' وہاں چلتے ہیں۔ ابھی تو پورے پچیس منٹ ہیں ہمارے پاس' بہت مزا آئے گا۔''

''ورنیہ! قسم سے بہت بھوک لگی ہے' بالکل بھی ہمت نہیں ہے۔ چھوڑو ناں آج اپنے ڈپارٹمنٹ کے لڑکے ہی دیکھ لو۔ کوئی نہ کوئی تو یہاں ہینڈسم اور ٹوئنٹی فائیو اور مونچھوں والا ہوگا۔''

ورشہ تساہل سے بولی۔ اس کی آنکھیں نیند پوری نہ ہونے کے باعث سرخ ہو رہی تھیں۔

''جی نہیں' ڈپارٹمنٹ میں افیئر چلانے کا مطلب ہے' اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑا مارنا کیونکہ یہاں کے لڑکے الیگزینڈر پوپ' سوئفٹ وغیرہ جیسی رائٹرز کو پڑھ پڑھ کر تمام رومینٹک سینسز (Senses) کھو چکے ہیں۔ میں رسک نہیں لے سکتی۔''

''بکو نہیں ورنی! یہاں کے لڑکے جون ڈن کو بھی پڑھتے ہیں۔ تم یہاں افیئر چلاؤ تو سہی' آئی ایم شیور تم کامیاب رہو گی۔'' وانیہ نے ہنستے ہوئے گویا اسے تسلی دی۔

''نہیں ناں...... چلو ناں' مجھے لڑکے دیکھنے ہیں۔'' اس نے پھر اصرار کیا مگر ان دونوں کو اپنی بات پر ڈٹے دیکھ کر مجبوراً اسے بھی ان کے ساتھ بیٹھنا پڑا۔

''مرو تم دونوں صرف تم دونوں کی وجہ سے مجھے اپنا گھر بستا نظر نہیں آتا۔''

وہ منہ بسور کر بولی۔ وانیہ اور ورشہ کو ایک بار پھر ہنسی آ گئی۔ وہ دونوں ہی ورنیہ کی لاپروا طبیعت سے آگاہ تھیں۔ اپنی اقدار کو لے کر انتہائی محتاط زندگی گزارنے والی ورنیہ کی گفتگو کے معاملے میں اتنی ہی غیر محتاط تھی۔ کوئی اور اس کی باتیں سن لیتا تو فٹ سے کوئی فتویٰ صادر کر دیتا مگر وہ دونوں جانتی تھیں کہ ورنی ایسی باتیں صرف مذاق میں کرتی ہے۔

''تم نے ورنیہ کو فنڈ ریزنگ پروگرام کے بارے میں بتایا؟''

ورشہ نے وانیہ کو یاد دلایا۔ وانیہ ایک بار پھر نہایت دل جمعی سے اسے فنکشن کے بارے میں بتانے لگی۔ ورشہ اٹھ کر کاؤنٹر کی سمت آ گئی تاکہ آرڈر وغیرہ کر سکے اور جب ایک ٹرے میں تمام چیزیں لے کر وہ دوبارہ میز کی سمت آئی تو ورنیہ کے چہرے کا رنگ ہی اور تھا۔

''ورشہ! کتنا مزا آئے گا۔ میں تو آج ہی نیا ڈریس خرید لوں گی۔ اف میرے خدا! تمام یونیورسٹی کے لڑکے ہمارے ڈپارٹمنٹ میں ایک ساتھ سب کو ہی انوائٹ کریں گے ناں۔ ایم بی اے ایم بی آئی ٹی لاء

ڈپارٹمنٹ اور پھر کامرس کے لڑکے۔ زبردست یار! یہ اتنا اچھا آئیڈیا کس کے دماغ میں آیا۔ بہت تیاریاں کرنی ہیں۔ وقت کم‘ مقابلہ سخت۔ میں سب سے اچھی نظر آنا چاہتی ہوں۔“ وہ کھاتے ہوئے بھی بول رہی تھی۔

”ایک آخری بات بھی سن لو جو گروپ سب سے زیادہ فنڈ ریز کرے گا‘ اسے ڈپارٹمنٹ کی طرف سے سرٹیفیکٹس دیے جائیں گے اینڈ آئی نیڈ دیٹ سرٹیفیکیٹ او کے۔“

وانیہ نے اس کی توجہ سب سے ضروری امر کی طرف دلائی۔ ورشہ چپ چاپ چائے پینے میں مشغول تھی۔ اس کا ذہن کہیں اور ہی تھا۔

☆ ☆ ☆

شام مکمل تیاری کے ساتھ آنگن میں اتر آئی تھی۔ ادھ کھلی کھڑکی سے تاریکی کا مہین سایہ دھیرے دھیرے اندر آنے لگا۔ اس نے کسلمندی سے کروٹ بدلی۔ شام کے پھیلتے سائے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ نماز عصر کا وقت نکل چکا ہے۔ ادھ کھلی کھڑکی سے اب تاریکی کے ساتھ ہوا بھی رقص کرتی اندر آنے لگی۔ اس نے تساہل سے لیٹے لیٹے لحاف کو پاؤں تک پھیلایا۔ چند لمحوں کے بعد اسی کھڑکی سے آنکھوں میں چبھتی ہوئی روشنی بھی آنے لگی۔ لان کی تمام لائٹس روشن ہو چکی تھیں۔ ورشہ نے بیزاری سے کھڑکی کی سمت دیکھا پھر سر کے نیچے سے تکیہ نکال کر منہ پر رکھ لیا۔ اسے روشنی کی بے تکلفی اچھی نہیں لگی تھی۔

”آپ جانتی ہیں‘ ورشہ کب بری لگنے لگتی ہے۔“ کسی نے اس کے آس پاس سرگوشی کی۔

”جب تاریکی اچھی لگنے لگے۔“ سرگوشی کا سلسلہ جاری تھا۔

”اور تاریکی کب اچھی لگتی ہے...... جب...... جب“ کسی نے بہت زور کا قہقہہ لگایا۔ ورشہ نے ایک جھٹکے سے تکیہ ہٹایا تھا۔ کمرہ بالکل خالی تھا۔ اس کا تخیل جو لحہ بھر پہلے اس سے سرگوشیوں میں مشغول تھا‘ اب کہیں نظر نہیں آیا۔ شاید کھڑکی کے راستے باہر نکل گیا تھا۔

”بھابھی ٹھیک کہتی ہیں‘ سونے سے پہلے کھڑکی‘ دروازے بند کر لینے چاہئیں۔“

اس نے گہری سانس بھرتے ہوئے خود سے کہا۔ بستر سے اٹھ کر اس نے سب سے پہلے کھڑکی ہی بند کی تھی۔ مغرب کی اذان کی صدا دور کہیں بلند ہوئی تھی۔ بیزاری و بے چینی کو مزید خاطر میں نہ لاتے ہوئے وہ باتھ روم میں گھس گئی۔ وضو کر کے نماز ادا کی اور پھر لاؤنج کی سمت آ گئی۔ امی فون پر کسی سے باتوں میں مصروف تھیں۔ بھابھی کچن میں تھیں جبکہ سامنے کاؤچ پر بیٹھی شخصیت نے اسے جی بھر کر بدمزہ کیا۔ وہ بنا کسی کو مخاطب کیے کچن کی سمت بڑھ گئی۔

”ارے حمزہ! یہ دوسری ٹیوب لائٹ بھی آن کرو‘ کتنا اندھیرا ہو رہا ہے۔ ابھی تو اچھی بھلی روشنی تھی۔“

وہ جانتی تھی یہ فقرہ صرف اسے جلانے کے لیے ادا کیا گیا ہے۔ زبان میں کھجلی تو ہوئی مگر اسے نظر انداز کر کے کچن میں آ گئی۔ بھابھی ارمغان کے لیے کافی بنا رہی تھی۔ اسے دیکھ کر طمانیت سے مسکرائیں۔

”وشی پلیز‘ یہ کافی بنا دو۔“ انہیں کافی پینے اور بنانے دونوں کاموں سے ہی چڑ تھی۔

”بھابھی! کھانے میں کیا ہے؟“ اس نے کافی پھینٹتے ہوئے استفسار کیا۔

”فرائیڈ فراگ (مینڈک) اور کاکروچ بریانی۔“ یہ مردانہ آواز بھابھی کی نہیں تھی۔

”اوں گندے...... مانی بھائی اتنے گندے ہیں آپ!“

رمشہ ارمغان کی انگلی تھامے اس کے ساتھ ہی کچن میں داخل ہوئی تھی۔ اس کے منہ سے مینوسن کر ماں کی سمت آ گئی۔

ورشہ ابھی بھی خاموشی سے اپنے کام میں مشغول تھی۔ ارمغان کی بات کا جواب بھی نہیں دیا تھا۔ اب تو ارمغان کو بھی حیرت ہونے لگی تھی۔ اس نے بھابھی کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔ انہوں نے بھی لاعلمی کے اظہار کے طور پر کندھے اچکائے۔

”کافی۔“ اس کی سمت مگ بڑھا کر وہ فریج سے اپنے کھانے کو کچھ نکالنے لگی تھی۔

”ارے بھائی! کوئی مجھے بتائے گا‘ آج اتنا سناٹا کیوں ہے۔ سورج کس سمت سے نمودار ہوا تھا۔“

وہ کچن کی ایک سمت میں پڑے ڈائننگ ٹیبل کی کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ”سیٹھ صاحب! خیریت تو ہے نا‘ آج آپ کچھ بھلے دکھائی نہیں دے رہے۔ مزاج تو اچھے ہیں آپ کے۔“

وہ خوشگوار موڈ میں اسے اسی طرح مخاطب کیا کرتا تھا۔ ورشہ نے فریج سے سیب نکالا تھا۔ اسے ہاتھ میں لے کر وہ اس کے ساتھ والی کرسی پر آ بیٹھی۔ مسکرا کر اسے دیکھا پھر بولی۔

”میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم کیسے ہو؟“

”ور......شہ!“ اس نے حیران رہ جانے کی ایکٹنگ کی۔

”دیکھو...... اگر تمہیں پیسے چاہئیں تو پہلے ہی بتا دوں‘ آئی ایم ویری ویری کنگال۔ اگر کسی سہیلی کے ہاں ڈراپ کرنا ہے تو بھی آئی ایم سوری۔ میں خود بڑے بھیا کی گاڑی چند ایک گھنٹہ کے لیے ادھار لے کر آیا ہوں۔ مجھے ابھی ناصر کی طرف بھی جانا ہے۔ اگر شا......“

”شٹ اپ مانی!“ وہ سیب کو دانتوں سے کتر کر مسکراتے ہوئے بولی تو ارمغان مزید حیران ہوا۔

”یار سہیلی! سچ سچ بتا دو‘ کہیں بھنگ تو نہیں پی ہوئی۔ تم تو آج مسکرا بھی رہی ہو۔“

ورشہ اب کی بار کھل کر مسکرائی۔

”میں مسکراتے ہوئے اچھی لگتی ہوں ناں؟“ ارمغان نے ایک نظر اسے دیکھا۔ جی میں تو آیا کہ آج سچ بولتے ہوئے کہہ دے۔

”ہاں اچھی لگتی ہو...... بے...... حد وحساب۔“ مگر ارمغان تو ارمغان تھا۔

”مسکراتے ہوئے اچھی لگتی ہو‘ کس کو؟“ بے حد سنجیدگی سے پوچھا گیا۔

”میرا مطلب ہے میری مسکراہٹ اچھی ہے ناں۔“

اس نے بہت آس سے پوچھا۔

”ہاں اچھی ہے لیکن اگر آنکھیں بند کر کے دیکھا جائے۔ دوسری صورت میں بس تھوڑا سا خوف

محسوس ہوتا ہے اور تو کوئی پریشانی والی بات نہیں۔"

"مجھے پتا ہے تم مذاق کر رہے ہو۔" بہت اطمینان سے جواب دیا گیا۔ ارمغان کو اب کی بار کافی سے زیادہ حیرت ہوئی تھی۔

"بھابھی! میں نے کہا تھا آپ کو اسے یونیورسٹی میں ایڈمشن مت دلوائیں۔ آدھی پاگل تو ہے پھر مکمل پاگل ہوجائے گی مگر آپ نے میری ایک نہیں سنی۔"

"اب کیا ہوگا کون کرے گا اس لڑکی سے شادی۔ خیر آپ زیادہ فکر مت کیجئے۔ میں ہوں ناں میں کر لوں گا اس سے شادی۔ آخر اپنے ہی اپنوں کا خیال کرتے ہیں۔" وہ مزے سے بولا۔

"میرا دماغ خراب ہوا ہے جو تم سے شادی کروں۔ تم سے شادی کرنے سے بہتر ہے میں رانا ٹنگا سے شادی کرلوں۔" ورشہ زیادہ دیر تک پرسکون رہ نہیں سکتی تھی' اسی لیے سلگ کر بولی۔

"تم سے شادی کرنے سے بہتر ہے میں بھی رانی ٹنگا سے شادی کرلوں۔"

"جاؤ جاؤ کرلو وہ تمہیں گھاس بھی نہیں ڈالے گی۔"

"میں نے کبھی تمہارا پانی نہیں پیا تمہاری غذا کیسے کھا سکتا ہوں۔ تم اور رانا ٹنگا مل کر کھانا ایسا کھانا۔ میں اور میری رانی تو چکن بریانی کھایا کریں گے۔"

"ارمغان کے بچے! زیادہ بک بک نہیں کرو۔" وہ دھیرے دھیرے تپنے لگی تھی۔

"ارے ارمغان کے بچے کو درمیان میں کیوں گھسیٹتی ہو' کیسی ظالم ماں ہو تم اولاد کا ذرا خیال ہی نہیں۔"

"تم نہایت بدتمیز اور فضول آدمی ہو۔ تم سے بات کرنا ہی فضول ہے۔" وہ پیر پٹختی باہر نکل گئی۔

ارمغان نے کھل کا قہقہہ لگایا۔ بھابھی ہنس دیں۔

"تمہیں ترس نہیں آتا اس پر۔ کیوں تنگ کرتے ہو بے چاری کو۔" وہ نند کی حمایت میں بولیں۔

"ترس نہیں آتا' ہنسی آتی ہے۔ مزہ آتا ہے۔" وہ خالی مگ میز پر رکھ کر بولا۔

"محبت آتی ہے پیار آتا ہے۔" دل ہی دل میں خود سے کہا' کیونکہ فی الحال وہ یہ سب باتیں برملا با آواز بلند کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

"کیسی ہیں آپ؟"

"میں اچھی ہوں۔"

"کتنی؟"

"بہت۔" اس نے مسکراتے ہوئے ٹائپ کیا تھا۔

"ہمیں کیسے پتا چلے گا۔" مانیٹرز کی اسکرین پر دوسری جانب سے فوراً ہی پیغام موصول ہوا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پائی۔

"کیا مطلب؟"

"اگر آپ اچھی ہیں تو ہم کیسے جان سکتے ہیں۔ ہمیں تو اپنا آپ دکھاتی ہی نہیں ہو۔" اس پیغام پر وہ چند لمحے اسکرین کو گھورتی رہی۔

"پلیز کچھ تو کیجئے میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔" اس دوران دوسرا پیغام بھی آ گیا تھا۔

"میں نے آپ کو بتایا تھا میں کمپیوٹر کے متعلق زیادہ نہیں جانتی۔ میرا مطلب Sending Scanning وغیرہ۔"

اس نے اسے اپنے مسئلے سے آگاہ کیا۔ یہ نہ بتا سکی کہ فی الحال وہ تصویر وغیرہ دینا مناسب خیال نہیں کرتی۔ وہ دونوں انگلش کی بجائے رومن ٹائپ کر رہے تھے۔

"ارے It aint that difficult (یہ اتنا مشکل نہیں ہے) اب کی بار اس نے انگلش میں ٹائپ کیا تھا۔

"کسی بھی کلب میں جا کر Scan کیجئے۔"

"اپنے ای میل باکس سے اس فائل کو اٹیچ کیجئے۔"

"یہ اٹیچمنٹ مجھے Send کر دیجئے۔" اس کے یکے بعد دیگرے تین پیغامات موصول ہوئے۔

"میں نے سنا ہے نیٹ کیفیز کا ماحول اچھا نہیں ہوتا۔" اب کی بار اس نے بھی انگلش میں ٹائپ کیا۔

"اوہ کم آن یار! ماحول انسان بناتا ہے۔ آپ کسی لوکل کلب میں مت جائیے۔ ذرا ویل نون کلب تلاش کیجئے۔ وہاں جا کر اپنا کام کریں۔ فائل کو بعد میں ڈیلیٹ کر دیجئے گا ہسٹری بھی ریموو کر دینا۔"

کافی لمبا پیغام آیا تھا۔

"آپ کیا کریں گے مجھے دیکھ کر؟" اس نے لکھا نجانے کیا جاننا چاہ رہی تھی۔

"کیا کروں گا؟ نہیں جانتا بس اتنا جانتا ہوں کہ میں آپ کو دیکھنے کے لیے مرا جا رہا ہوں۔"

"اچھا...... آ آ آ۔" اس نے "اچھا" کے اسپیلنگ کو طویل کر کے لکھا۔ لب آپ ہی آپ مسکرانے لگے تھے۔ یہ تصور ہی بہت خوش کن تھا کہ کوئی انجانا شخص آپ کو دیکھنے کے لیے اس قدر بے چین ہے۔ اب کی بار اسکرین چند لمحے تک بے جان رہی پھر ایک پیغام فلیش ہوا۔

"کبھی کبھی آپ بہت ظالم لگنے لگتی ہیں۔"

اس کے دل کو کچھ ہوا۔ ظالم تو نہیں تھی وہ بس مصلحت پسند اور محتاط تھی۔

"میں نے سوچا تھا میں اصرار نہیں کروں گا۔ آپ کہتی ہوں گی کہ نجانے میں تصویر پر اتنا اصرار کیوں کرتا ہوں۔"

اس کے ٹائپ شدہ لفظ اس کے دل کی غمازی کر رہے تھے۔

"میں اتنا بڑا لڑکا نہیں ہوں۔"

"لڑکا؟ آپ لڑکے نہیں رہے اب آدمی ہو چکے ہیں۔"

وہ ماحول تبدیل کرنے کی خاطر مزاحیہ انداز میں بولی۔

''ہاں' میرا بھی یہی خیال ہے۔ میری شادی ہو جانی چاہیے۔'' جواب آیا تھا۔ اس نے مسکراہٹ والا پیغام دیا۔

''لیکن میں کیا کروں۔ جس پر بھی میرا دم نکلے وہ کسی اور کی بیگم نکلے۔'' اس بات پر اس نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔

''اوہ بے چارہ میرا اتنا منا سا دوست۔''

اب کی بار دوسری جانب سے Aughter والا میسج آیا۔

''اس دوست کو گود میں لٹا لیجیے نا۔''

اسے یہ بات اچھی نہیں لگی۔ وہ چند ثانیے اسکرین کو خاموشی سے گھورتی رہی۔

''آپ کو ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔'' اس نے خفگی کا اظہار کرنے میں تامل نہیں کیا۔

''ہاں......شاید......لیکن'' اسکرین پر مکمل میسج فلیش ہوا۔

''لیکن!'' اس نے کچھ نا سمجھی کے انداز میں اسکرین کی طرف دیکھتے ہوئے ٹائپ کیا۔

''سچ کہوں تو کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کی گود میں سر رکھ کر لیٹ جاؤں اور آپ میرے بالوں میں بہت نرمی سے انگلیاں چلائیں۔''

''کمپیوٹر آپ کو دلیر بنا دیتا ہے۔ بہت بڑی باتیں بہت آسانی سے کہی نہیں جا سکتی۔ ٹائپ کی جا سکتی ہیں۔'' اس نے اسکرین پر آئے لفظوں کو پھر آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ عجیب بات یہ تھی کہ اسے برا نہیں لگا۔ کیا یہ بات اسے اچھی لگی تھی۔ اس بارے میں اس نے سوچا ہی نہیں۔

''کبھی یہ بھی دل چاہتا ہے کہ آپ میری گود میں سر رکھیں اور میں آپ کی نرم زلفوں سے......''

یہ والا پیغام نامکمل تھا۔ اس نے مکمل پیغام کے لیے نظریں اسکرین کی سمت ہی رکھیں۔

''اور میں آپ کی نرم زلفوں سے سارے سفید بال نوچ کر ختم کر دوں۔''

پیغام مکمل ہوا تو اس کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی جبکہ اسکرین پر بڑا سا ''ہاہاہا'' لکھا آیا تھا۔

''بڑے میاں! آپ کے اپنے بال سفید ہوں گے۔''

اس نے اسے چڑانے کے لیے ٹائپ کیا۔

''بڑے میاں؟ کس کا میاں؟ میں میاں نہیں ہوں' میری تو ابھی شادی بھی نہیں ہوئی۔'' وہ ایک بار پھر کھلکھلا کر ہنس دی۔

''بڑے میاں یعنی بوڑھا آدمی......اولڈ مین......'' اس نے ٹائپ کیا۔

''مرد کبھی بوڑھا نہیں ہوتا۔'' ترت جواب آیا تھا۔ ''اور جو بوڑھا ہو جائے وہ مرد نہیں ہوتا وہ بوڑھا ہوتا ہے۔''

ان کے درمیان باتوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا اور یہ صرف آج کی باتیں نہیں تھی وہ

گزشتہ کئی مہینوں سے اسی طرح کئی کئی گھنٹے باتیں کرتے تھے۔ گھڑی کی سوئیاں کی بورڈ کی Keys اور ان کی انگلیاں ایک ہی رفتار سے حرکت کر رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

''ساری کلاس طے کر چکی ہے کہ کون سا گروپ کس طرح فنڈ اکٹھا کرے گا۔ کیا اسٹال لگائے جائیں گے کیا طریقے اپنائے جائیں گے' نہیں ڈیسائیڈ کیا تو ایک ہمارے اکلوتے گروپ نے۔ میں پوچھتی ہوں آخر تم لوگ سیریس کیوں نہیں ہوتے۔ مجھے اتنی فکر ہو رہی ہے سب کی تیاریاں دیکھ کر مجھے ہر حال میں یہ سرٹیفکیٹ چاہیے۔ میں نہیں چاہتی ہمارا گروپ کسی سے بھی پیچھے رہے۔ ہمیں سب سے زیادہ فنڈز اکٹھا کرنے ہیں۔''

وہ کافی غصہ سے بول رہی تھی۔ سارے گروپ میں صرف ایک وہی تھی جو اس چیز کو انا کا مسئلہ بنائے اتنے دن سے پریشان ہو رہی تھی۔ ورشہ اور ورنیہ کو تو جیسے پروا ہی نہیں تھی اور وانیہ کو ان دونوں کی طبیعت میں زہر کی طرح پھیلتی اس لاپروائی سے سخت چڑ تھی۔ ان دونوں کی فطرت عادات و اطوار شکل فیملی بیک گراؤنڈ سب کچھ ایک دوسرے سے مختلف تھا اور اگر کوئی چیز مماثل تھی تو وہ ان کی شخصیت کو گھناتی ہوئی لاپروائی جو اکثر اوقات ان کے اچھے بھلے بنے بنائے کام کو بگاڑنے کا باعث بنتی تھی۔ وہ دونوں اسکول کے زمانے کی سہیلیاں تھی۔ گزرے سال صرف ان کو بلکہ ان کی فیملیز کو بھی قریب لائے تھے۔ وانیہ برملا کہتی تھی۔

''اگر تم دونوں اتنی لاپروا نہ ہوتیں تو کبھی اتنی اچھی دوست بھی نہ ہوتیں۔ تمہاری شخصیت کی یہ کمزوری ہی ہماری دوستی کی مضبوطی کی ضامن ہے۔''

وانیہ خود کافی ذمہ دار قسم کی لڑکی تھی جس کام میں ہاتھ ڈالتی اسے وقت سے پہلے پورا کر لیتی۔ اس نے ان دونوں کے گروپ کو یونیورسٹی میں ہی جوائن کیا تھا اور تب سے یہ تینوں اچھی دوست تھیں۔ ان تینوں کی ناموں کے پہلے حروف کی مماثلت کی وجہ سے اکثر کلاس فیلوز انہیں V3 کہا کرتے تھے۔ وانیہ کو ورشہ اور ورنہ کی لاپروائی سے چڑ تھی تو وہ اس کے قدرے ہٹ دھرم اور ضدی طبیعت کے باعث خار کھاتی تھیں۔ وہ اپنے کیریر کے لیے بہت سنجیدہ تھی۔ لٹریچر کی کوئی بھی صنف اسے پسند تھی نہ سمجھ میں آتی تھی۔ اس نے اپنی گریجویشن کے لیے انگلش کا چناؤ صرف اس لیے کیا تھا کہ یہ ایک اچھا اسکوپ مضمون تھا۔ ابتدا میں اسے مشکل ہوئی تھی مگر اب ایک سال گزرنے کے بعد صورت حال ٹھیک تھی وہ اکثر کہتی تھی۔ ''یہ لٹریچر مجھے اسٹریچر پر ڈال دے گا۔''

ورشہ اس کی بہت مدد کرتی تھی۔ وہ ان تینوں میں زیادہ ذہین تھی اور اس کا مطالعہ بھی بہت وسیع تھا لیکن وہ کچھ کم گو تھی۔ اس کے باعث اس کی شخصیت کی ساری خوبیاں مخفی رہتی تھیں۔ گھر میں سب سے چھوٹی ہونے کے باعث اس کی ذہانت اور عادات وغیرہ کو بڑے' بہن بھائی کے مقابلے کم سراہا گیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ اپنی ذات کو لے کر وسوسوں کا شکار رہتی۔ ان کی گروپ اسائنمنٹس میں وہ سب سے زیادہ کام کر کے بھی سب سے کم اسکور کر پاتی تھی کیونکہ پریزنٹیشن کے وقت وہ اپنی عدم اعتمادی کے باعث ناکام ہو جاتی تھی۔

ورنیہ میں اعتماد کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ وہ اسکول و کالج میں ہر دل عزیز اسٹوڈنٹ ہوا کرتی تھی۔ اور

اس نے یہ ریکارڈ یونیورسٹی میں بھی برقرار رکھا تھا۔ برمحل اور موقع کی نزاکت کے عین مطابق اشعار پڑھنا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ بلا کی حاضر جواب اور شوخ لڑکی تھی۔ اس کی زندگی کا واحد مقصد زندگی کے ہر لمحے سے لطف کشید کرنا تھا۔

''میں نے یونیورسٹی میں صرف اس لیے ایڈمشن لیا ہے کہ یہاں پر آئے ہینڈسم لڑکوں کو دیکھ سکوں ان سے باتیں کرسکوں۔''

وہ اکثر کہتی اور پھر وانیہ کی ڈانٹ بھی کھاتی۔ وانیہ کو اس کی ایسی باتوں سے چڑ ہوتی تھی۔ وہ ہمہ وقت سر پر دوپٹہ ڈالے نظر آتی۔ گفتگو کے معاملے میں انتہائی احتیاط سے کام لیتی۔ وہ ورنیہ کو اکثر اچھی لڑکی بننے کے تمام گر بتانے کی کوشش کرتی یہ اور بات ہے اس کی کوشش کبھی کامیاب نہ ہوتی تھی۔

ورنیہ اسی طرح جینز کے ساتھ کرتا پہنے کندھے کے ایک طرف دوپٹہ ڈالے لڑکوں سے پٹر پٹر باتیں کرتے نظر آتی لیکن یہ لڑکے صرف اپنے ڈپارٹمنٹ کے ہوتے جو اس کی جھاڑ بھی سن لیتے اور ہنستے کھیلتے اس کی بذلہ سنجی کا نشانہ بنتے۔ وہ سب کے لیے بہن کی طرح تھی۔

''مجھے تو سب آپا سمجھتے ہیں۔''

وہ اس عزت پر بھی منہ بسور کر کہتی۔ اس کی شکل دیکھنے والی ہوتی تھی جب کسی اور ڈپارٹمنٹ کا لڑکا اسے مخاطب کرتا۔

''یار ورنیہ! تم اتنا گھبرا کیوں رہی ہو اور اتنا بلش کیوں ہو رہی ہو وہ تمہیں کھا تو نہیں جائے گا۔''

اس کا سرخ چہرہ دیکھ کر وانیہ اس کا مذاق اڑاتی جبکہ وہ کبھی یہ بات مان کر نہیں دیتی تھی۔

''اویں میں کیوں بلش کروں گی۔ میں تو بے حد کانفیڈنٹ اور میچور لڑکی ہوں۔'' مسکراتے ہوئے وہ بالکل چھوٹی بچی لگتی تھی۔

وانیہ کو فنڈ ریزنگ کے سلسلے میں پریشان دیکھ کر اب وہ دونوں سنجیدہ شکل بنائے کوئی نیا اور اچھوتا آئیڈیا سوچنے لگی تھیں۔ تاکہ وانیہ کا موڈ ٹھیک کیا جاسکے۔

''وانی! تم نے بھی تو کچھ نہ کچھ سوچا ہی ہوگا۔ پہلے تم بتاؤ تمہارے ذہن میں کیا پلان ہے۔''

ورشہ نے اس کا ذہن کھنگالنا چاہا۔

''میں سوچ رہی تھی ہم کچھ مختلف کرتے ہیں جیسے کلاس میں کچھ لوگ پھولوں کے بوکے سیل کریں گے۔ کچھ لوگ چھوٹے چھوٹے گفٹ آئٹمز کا پلان کر رہے ہیں۔ میں چاہ رہی تھی ہم ہینڈ میڈ کارڈز وغیرہ رکھ لیتے ہیں۔''

وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔ اسے یقین تھا اس کا آئیڈیا پسند نہیں کیا جائے گا۔ ورنیہ اور ورشہ کے چہرے کے تاثرات سے وہ سمجھ گئی کہ انہیں اس کی بات سے اتفاق نہیں ورشہ نے ورنیہ کی طرف دیکھا تو وہ فوراً سے پیشتر بولی۔

''پلیز مجھ سے مت پوچھو میرے ذہن میں کوئی پلان نہیں ہے۔ میں بس یہ چاہتی ہوں کہ ہم کسی

ایسی چیز کا اسٹال لگائیں کہ ہر ہینڈسم لڑکا ہمارے اسٹال کی طرف دوڑا آئے۔'' ورشہ نے اسے گھور کر دیکھا جبکہ وانیہ بولی۔

''ہاں ٹھیک ہے۔ ہم گریڈ سترہ کی جابز کا اسٹال لگا لیتے ہیں۔ ہینڈسم نان ہینڈسم سب ہمارے اسٹال کی طرف بھاگے آئیں گے۔''

''یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہم ایشوریہ رائے پریتی زنٹا اور مادھوری وغیرہ کا اسٹال لگا لیتے ہیں۔ ساتھ میں کوئی چیز مفت بھی دے دیں گے۔ جیسے ایشوریہ کے ساتھ جولیا رابرٹس، پریتی زنٹا کے ساتھ اینجلینا جولی اور مادھوری کے ساتھ نکول کڈمین مفت۔ قسم سے بالکل اچھوتا آئیڈیا ہے بہت فنڈز اکٹھے ہوں گے۔''

وہ مزید کہہ رہی تھی۔ ورشہ کے چہرے پر عجیب سی خاموشی نے گھیرا ڈال لیا جبکہ ورنیہ تو ازلی ڈھیٹ تھی فوراً بولی۔

''آئیڈیا تو بہت اچھا ہے مگر یاد رہے۔ سر افتخار نے سختی سے کہا ہے کہ کوئی غیر ملکی کام نہیں ہوگا۔''

''نو پرابلم۔ ہم ایشوریہ پریتی اور مادھوری کے بجائے ریما میرا اور نرما وغیرہ رکھ لیں گے۔'' وانیہ بولی ورشہ کو عجیب سا محسوس ہوا۔

''یار پلیز! اتنی غلط غلط باتیں نہیں کرو ایسے مت کہو۔''

وہ ایسی ہی تھی۔ مذاق میں بھی اخلاقی اقدار کا بے حد احترام کرنے والی۔ وانیہ کو برا لگا۔

''وی آر جسٹ کڈنگ ورشہ! تم کیا مدر ٹریسا کی طرح بن کر اخلاقی اقدار پر زور دینے لگتی ہو۔ ہم سنجیدہ تو نہیں ہیں۔ تمہیں کیا لگتا ہے یہاں صرف ایک تم ہی مسلمان ہو۔''

وہ خفگی سے بولی۔ ورشہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ اس نے ایسی خفا کر دینے والی بات بھی نہیں کی تھی۔ ورنیہ کو کچھ صورت حال کشیدہ محسوس ہوئی تو فوراً بات پلٹ کر بولی۔

''میں سوچ رہی تھی ہم چوڑیوں کا اسٹال لگا لیتے ہیں۔ فری ڈیلیوری سروس بھی رکھیں گے۔ نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر من پسند پارٹنر تک پہنچانے کا انتظام بھی۔ اس کی بات پر ان دونوں کے چہرے پر پسندیدگی کے اثرات ابھرے۔ اپنی بات کا مثبت ردعمل دیکھ کر ورنیہ کا والیوم جوش کے باعث کچھ اور اونچا ہوگیا۔

''اگرچہ یہ آئیڈیا بھی نیا نہیں ہے لیکن میں نہیں جانتی ہوں یہ کام کرے گا کیونکہ اسٹال پر میں جو مکمل تیاری کے ساتھ کھڑی ہوں گی۔ مجھ سے بچ کر کوئی کہاں جائے گا۔ وہ ہمیشہ اسی طرح اعتماد کا مظاہرہ کرتی تھی۔

''میں متفق ہوں مگر پہلے باقی کلاس فیلوز سے پوچھ لو کہ کسی اور کا تو یہ پلان نہیں۔ یہ نہ ہو کہ ہم اس آئیڈیا کو فائنل کرلیں اور پہلے ہی کوئی اور ٹیچرز سے اس کے متعلق بات کر چکا ہو۔''

وانیہ نے اپنا ووٹ اس کے حق میں دیا تھا۔

''میں نے تقریباً تمام لوگوں سے پوچھا ابھی کسی کے ذہن میں یہ بات نہیں ہے۔''

''میرے ذہن میں ایک اور آئیڈیا بھی ہے۔ چوڑیوں کے ساتھ ساتھ ہم ایک عدد پامسٹ بھی بٹھا دیں گے مذاق مذاق میں ہی سہی مگر اس طرح سے بھی کافی روپے اکٹھے کیے جاسکتے ہیں۔''

ورشہ نے ایک اور نکتہ بیان کیا تھا۔ یہ آئیڈیا بھی پسند کیا گیا۔

"وشی! تم نے پامسٹری پر کافی کتابیں پڑھ رکھی ہیں نا یہ کام تم سنبھال لینا۔" ورنیہ نے فوراً ذمہ داری بانٹی تھی۔ جبکہ ورشہ کے چہرے کا رنگ بدلا۔

"نہیں یار مجھ سے نہیں ہوگا۔ میں جلدی کنفیوز ہو جاتی ہوں۔ سب گڑبڑ کر دوں گی۔"

"وشی پلیز! تم نہیں کرو گی تو اور کون کرے گا۔ پامسٹری کے متعلق تم اتنا کچھ جانتی ہو۔ ہم دونوں سے بہتر یہ ذمہ داری تم اٹھا سکتی ہو۔ اتنا مشکل کام تو نہیں ہے۔ یہ صرف ہاتھوں کے جزیروں میں اپنے قیاس کے گھوڑے دوڑانا الجھی لکیروں کو سلجھانے والے کچھ کارگر فارمولے بول دینا۔ شادی' بچے' کاروبار' اچھا مستقبل ان چار باتوں کو گھما پھرا کر اس طرح سے بتانا کہ سب تمہاری بات پر ایمان لے آئیں۔" ورنیہ اسے سمجھانے کے انداز میں بولی۔ وانیہ پچھلی خفگی کے زیر اثر تھی اس لیے خاموش رہی۔

"ویری گڈ بہت خوب۔ کچھ بھی الٹا سیدھا بول دوں اور گناہ کماؤں۔" وہ قطعیت سے بولی۔ ورنیہ کو اب کی بار اس پر اور بھی غصہ آیا۔

"ہم یہ کام کسی کو دھوکہ دینے کے لیے نہیں کریں گے۔ وی ول ڈو واٹ جسٹ فار دی سیک آف چیریٹی۔ تم کو نہیں کرنا تو مت کرنا میں کرلوں گی۔"

وہ تحمل سے مگر جلانے والے انداز میں بولی۔

"اچھا چلو' یہ بعد میں طے کر لیں گے۔ کہ کون کیا کام کرے گا۔ فی الحال سر افتخار کے پاس اپنے گروپ کا نام تو لکھوا دیں۔"

وہ اٹھ کر آفس کی سمت چل دیں وہ عام طور سے اپنے ڈپارٹمنٹ سے ذرا ہٹ کر واقع ایم بی اے کی کینٹین میں آیا کرتی تھیں کیونکہ یہ ذرا بڑی اور ہوادار کینٹین تھی اور سردیوں میں تو خاص طور پر اس کینٹین کے سامنے والے تینوں بڑے لان میں بہت رونق ہوتی تھی۔

"یار! یہ کون ہے؟" میں نے اسے اپنے ڈپارٹمنٹ میں بھی دیکھا ہے۔ بہت زیادہ نظر آتا ہے اس جگہ۔"

ورشہ نے کینٹین کے پارکنگ ایریا میں کھڑی ایک کار کے پاس جمع لڑکوں کے گروپ کی طرف اشارہ کر کے سوال کیا۔ ورنیہ نے فوراً اس طرف دیکھا لڑکوں کے متعلق اس کی معلومات ہمیشہ اپ ٹو ڈیٹ ہوتی تھیں۔

"کس کی بات کر رہی ہو یہ بلیک ڈینم والا جس نے ہاتھ میں گلاسز پکڑے ہیں۔"

"اف ورنیہ کی بچی! اتنے غور سے نہیں دیکھا میں نے۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"ہائے بتاؤ نا۔ کس کی بات کر رہی ہو؟" وہ بار بار مڑ کر اس سمت میں دیکھ رہی تھی۔ ان لڑکوں کو بھی شاید اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ان کے بارے میں بات کر رہی ہیں کیونکہ وہ سب اب انہیں ہی دیکھ رہے تھے۔ ورنیہ کا انداز اور اس کی اونچی آواز کسی راز کو راز نہیں رہنے دیتی تھی۔

"بکواس نہیں کرو اب مڑ کر نہیں دیکھنا۔ اپنے آپ کو پرنس آف ویلز سمجھنے لگیں گے وہ۔" وانیہ نے گھر کا۔

"باقی سب کی تو مجھے خبر نہیں مگر وہ بلیک ڈینم والا اگر اپنے آپ کو پرنس آف ویلز سمجھ رہا ہے تو کچھ غلط تو نہیں سمجھ رہا۔ اتنا تو ڈیشنگ ہے۔ میں ہیلو ہائے کر آؤں۔"

ورشہ ہنس دی جبکہ وانیہ نے گھور کر دیکھا۔ ورنیہ کا مقصد اسے چڑانا ہی تھا۔

"شٹ اپ وانیہ؟" وہ اسے گھور کر بولی۔

"شٹ اپ کیا؟ وائی شڈ آئی ہاں۔" وہ پھر ایک دفعہ پیچھے کی سمت دیکھ کر بولی۔

"اب اللہ نے اتنی اچھی اچھی چیزیں دیکھنے کے لیے ہی پیدا کی ہیں۔ میں نے دیکھ لیا سراہ لیا تو کیا غلط کیا۔"

وہ چڑانے والے انداز میں بولی۔ وانیہ نے اب کی بار پیچھے مڑ کر دیکھا اور بولی۔

"میں بھی دیکھوں ایسے کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں اس میں۔" اسی لمحہ اس لڑکے نے وہاں کھڑے ہاتھ ہلا کر انہیں متوجہ کیا تھا۔ ان لڑکوں کی ساری ٹولی ہنس دی جبکہ وانیہ کا پارہ مزید چڑھ گیا۔

"لفنگا پرنس آف ویلز۔"

وہ چلا کر بولی تھی۔ وہ تینوں ہی اب کی بار پیچھے دیکھے بغیر آگے بڑھنے لگی تھیں کہ بہر حال لفنگے سے پنگے وہ افورڈ نہیں کر سکتی تھی۔

☆ ☆ ☆

"سہیلی! خیر تو ہے۔ تمہارا موڈ آج کل بہت اچھا رہنے لگا ہے۔ کہیں محبت وغیرہ تو نہیں ہو گئی۔"

وہ اس کے بالکل پاس بیٹھا انجانے سے خدشے کے تحت پوچھ رہا تھا۔ چہرے پر اگرچہ وہی سرسری پن تھا' بیگانگی تھی زچ کر دینے والی مسکراہٹ اور چڑانے والی شوخی تھی۔

ورشہ نے ایک نظر اسے دیکھا پھر کارڈیگن کی آستین کو کھینچ کر اپنے ہاتھوں کو ان میں چھپانے لگی۔

ارمغان کا دل کلبلایا۔ ایسی باتوں پر تو وہ فوراً منہ توڑ جواب دیا کرتی تھی۔

"کچھ ہے ارمغان بیٹے! کچھ تو ہے۔" اس کا دل ہمک ہمک کر اسے بھی ہولا رہا تھا۔

"اے بتا دو نا' پرامس کسی کو نہیں بتاؤں گا۔" وہ اس کے کندھے کو اپنے کندھے سے ٹھوکا دے کر مزاحیہ انداز میں بولا۔

ورشہ کے چہرے پر میٹھی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ ارمغان نے اس چہرے کو ہمیشہ اپنا سمجھا تھا اور اس چہرے کے ہر رنگ کو اپنا رنگ سمجھ کر اپنے دل کے دالانوں میں محصور کیا تھا لیکن یہ رنگ یہ مسکراہٹ اس کے لیے بہت نئی بہت انوکھی تھی۔ وہ لان کی سیڑھیوں پر بیٹھی تھی۔ سورج کی نرم گرم کرنیں اس کے چہرے پر سرسوں کی طرح بکھری تھیں۔ زرد رنگ کے لباس میں سیاہ کارڈیگن پہنے' اپنے گندمی رنگ کے ساتھ وہ وہی ورشہ تھی جسے پچھلے اکیس سال سے وہ دیکھتا آ رہا تھا۔ اس کے نقوش میں ایک ملاحت تھی چہرے پر ایک بھولا پن تھا جو دیکھنے

والوں کو اتنی جلدی اس کے چہرے سے نظر ہٹانے نہیں دیتا تھا اور وہ خود زمانے بھر کی احمق اپنی شخصیت کے اس سحر سے بے خبر ہمہ وقت یہ گلہ کرتی نظر آتی۔"

"اگر میری ہائٹ بھی آپی کی طرح ہوتی تو میں بھی کتنی اچھی لگتی۔"

اس نے اتنے کمپلیکسز پال رکھے تھے کہ ارمغان نہ چاہتے ہوئے بھی اس کو چڑانے کے لیے ان کمپلیکسز کو دور کرنے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔ ان دونوں کی بچپن سے ہی بہت دوستی تھی۔ اس کا شروع سے ہی خالہ کے گھر بہت آنا جانا تھا پھر نعمان بھائی نے اپنی شریک حیات کے طور پر زرشہ آپی کو چنا تو دونوں گھرانوں میں محبت کا گراف اور بھی اونچا ہوگیا۔ اس شادی پر ہی پہلی مرتبہ اس نے ورشہ کے لیے کچھ محسوس کیا تھا۔ وہ انٹر کے رزلٹ کے انتظار میں تھی جب شادی کا غلغلہ اٹھا۔ فراغت کے باعث اس نے شادی کے ہر فنکشن کو بہت بھرپور طریقے سے انجوائے کرنے کا پلان کیا تھا۔

"دعا کرو ارمغان! میں سب سے پیاری لگوں۔" وہ اپنے ڈریسز کو بہت پیار سے دیکھتے ہوئے اس سے کہہ رہی تھی۔ زوار بھائی کی تمام تر توجہ ٹی وی کی طرف تھی۔ ورنہ وہ ضرور کوئی مزے کا جواب دیتے۔"

"کیوں؟" اس نے بن کر پوچھا۔

"میں زرشہ آپی کی بہن ہوں اور نعمان بھائی کی کوئی بہن ہے نہیں۔ صرف تم ایک بھائی ہو' میں اکلوتی لڑکی ہوں دونوں طرف سے سب کی نظریں مجھ پر ہوں گی۔"

"ہوں...... بات تو ٹھیک ہے۔" بے حد سنجیدگی سے ہنکارا بھر کر کہا گیا۔

"پلیز مائنڈ مت کرنا مگر تم دونوں طرف سے ہی بہن نہیں لگتیں۔ زرشہ آپی ماشاء اللہ اتنی خوبصورت ہیں اور نعمان بھائی اتنے سرو قد۔ اگر ہم اپنے منہ سے بھی کہیں گے کہ تم دلہن کی بہن ہو تب بھی لوگ مشکل سے ہی مانیں گے۔"

وہ اتنا سنجیدہ لگ رہا تھا' ورشہ کا چہرہ اتر سا گیا تھا۔ اسی لمحہ زوار بھائی بھی ان کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

"ہماری گڑیا کا رنگ بھی تو اتنا کالا ہے۔" دنیا جہان کی بے چارگی اپنے لہجے میں سموتے ہوئے انہوں نے کہا۔ ورشہ کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو چمکنے لگے۔

"ارے ارے رونا نہیں بدشکل ہونا اتنا بڑا گناہ نہیں ہے۔ تم بدشکل ہو' بدعقل تو نہیں ہو گڑیا!" زوار بھائی نے مسکراتے ہوئے پچکارا۔

"خیر اب آپ اس کا دل رکھنے کے لیے اتنا بڑا جھوٹ بھی نہ بولیں۔ اسے حقیقت پسند بننے دیں۔ ہے تو شرم والی بات مگر ہماری ورشہ شکل اور عقل دونوں باتوں میں ذرا بے چاری ہے۔"

وہ پر تاسف انداز میں کہہ رہا تھا۔ اس نے شکل ایسے لٹکا رکھی تھی کہ ورشہ نے تو شرمندگی سے سر جھکایا ہی تھا۔ زوار بھائی نے بھی ہنسی چھپانے کے لیے سر جھکا لیا۔ ورشہ کی آنکھوں میں چمکنے والے آنسو اب اس کے رخساروں پر پھسل آئے تھے۔ ویسے تو وہ اس قسم کے مذاق کا نشانہ بنتی ہی تھی مگر آج تو ان دونوں نے حد کر دی

تھی۔

"فکر والی کوئی بات نہیں ہے۔ اگرچہ تمہارے خوبصورت لگنے کے لیے دعا کرنا ایسا ہی ہے جیسے لاہور کی زمین سے مٹی کا تیل نکلنے کی دعا کرنا مگر پھر بھی میں تمہارا پیارا دوست یہ دعا ضرور کروں گا۔"

وہ دونوں ہاتھ دعا کے انداز میں اٹھا کر بولا۔ ورشہ واک آؤٹ کر گئی تھی۔

اس نے دعا نہیں کی تھی مگر کچھ دعائیں کیے بغیر ہی قبولیت کا درجہ پا لیتی ہیں۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کسی کو پیاری لگی یا نہیں مگر خود اسے وہ اتنی پیاری لگی کہ تمام فنکشن میں اس کی آنکھوں اور کیمرے کا فوکس وہی رہی۔ اس روز اس نے اپنے دل کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہوئے بہت سرشاری سے اپنا سب کچھ اسے دان کر دینے کا عہد کیا تھا۔ لیکن دل بھی عجب کمبخت چیز ہے جس پر سب سے زیادہ آتا ہے اسے ہی سب سے زیادہ ستاتا ہے۔ اس دن کے بعد سے وہ اسے چڑانے اور جلانے کے لیے ہر حربہ آزمانے لگا۔ وہ چڑتی بھی بہت تھی۔ اپنے رنگ اور قد کے متعلق تو کوئی بات اس سے برداشت ہوتی ہی نہیں تھی۔

ارمغان کو کچھ دنوں سے محسوس ہونے لگا تھا کہ جلنے جلانے کے اس کھیل میں سب سے زیادہ نقصان تو اس کا اپنا ہو رہا تھا۔ اس لڑکی کے بغیر زندگی کا تصور مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا۔

"میں بھی جانے کیا کیا سوچنے لگتا ہوں۔ آئی ایم شیور ورشہ کی زندگی میں میرے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔"

اس پر ایک بھرپور نظر ڈالتے ہوئے اس نے خود کو بھی ڈانٹا۔ اپنے کارڈیگن کے آستینوں سے کھیلتی' اس منظر کا سب سے جاندار حصہ ہونے کے باوجود وہ اس منظر کا حصہ نہیں تھی۔ لاتعلق اور کچھ کھویا سا انداز چہرے کا احاطہ کرتی دلفریب مسکراہٹ اور آنکھوں کے گوشوں سے جھانکتے مدہوش خواب۔ وہ چاہتے ہوئے بھی اس کے سراپے سے نظر نہیں ہٹا پا رہا تھا۔

"ورشہ! کتنی خوبصورت ہو گئی ہو تم۔" اس نے پہلی بار جو محسوس کیا' وہ کہہ دیا۔ اس سے پہلے تو وہ ہمیشہ اپنے جذبے سینت سینت کر رکھتا تھا۔ وہ ابھی بھی گم صم اپنے پاؤں کی انگلیوں کو تک رہی تھی۔ ارمغان کی بات سنی ہی نہیں تھی یا شاید جان بوجھ کر ان سنی کر دی تھی۔ وہ واپس اپنی جون میں آ گیا۔

"مجھے تمہیں ایک بات بتانی ہے ورشہ!" اب کی بات اس نے قدرے اونچی آواز میں کہا۔ ورشہ نے سر اٹھا کر استفہامیہ انداز میں اسے دیکھا۔

"وہ دراصل......" وہ جھجک کر خاموش ہو گیا۔ ورشہ کی آنکھوں میں تحیر ہلکورے لینے لگا تھا۔ ارمغان کا انداز بے حد عجیب تھا۔

"ورشہ! میں جانتا ہوں' یہ بات تمہارے لیے بہت نئی بہت انوکھی ہے لیکن...... یہ بات عجیب نہیں ہے ورشہ...... ایسا ہو جاتا ہے...... بہت سے لوگوں کی زندگی میں...... بہت سے لوگوں کے ساتھ ایسا ہو جاتا ہے۔"

وہ پھر خاموش ہوا۔

"کہو نا ارمغان! کیا بات ہے۔" وہ عجیب سے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"وہ دراصل......" وہ پھر جھجکا۔

"دراصل...... ورشہ...... تمہاری ناک بہت گندی ہو رہی ہے۔ اسے صاف کر لو۔" انتہائی سنجیدگی سے عرض کیا گیا۔ ورشہ کا منہ پھول کر غبارہ ہو چکا تھا۔

"بدتمیز۔" وہ اتنا ہی کہہ پائی۔ ارمغان نے ہنسنا شروع کر دیا۔

☆ ☆ ☆

"آج آپ بہت خاموش لگ رہی ہیں۔"

"نہیں تو...... آپ کو یونہی محسوس ہوا۔"

اس نے اسکرین پر آئے پیغام کو پڑھ کر تقریباً ایک منٹ کے وقفہ سے جواب دیا۔ اسے حیرت ہوتی تھی کہ یہ شخص اتنی جلدی اس کی کیفیات کو کیسے محسوس کر لیتا ہے۔ یہ ڈیجیٹل دنیا تھی یہاں احساسات و جذبات کا فقدان تھا لیکن کوئی اس کے دل سے پوچھتا یہ ڈیجیٹل ورلڈ اس کے لیے اوریجنل ورلڈ بنتی جا رہی تھی اور وہ مکمل یقین کے ساتھ کہہ سکتی تھی کہ آگ دونوں طرف برابر کی لگی ہے۔ وہ اس شخص کے لیے اتنی ہی اہم تھی جتنا کہ وہ خود اس کے لیے اہم تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اسے کبھی بتانا نہیں پڑتا تھا کہ میں اداس ہوں یا میں خوش ہوں۔ ان کی فریکوئنسی اتنا میچ کرتی تھی کہ وہ ایک دوسرے کے ٹائپ کیے گئے لفظوں سے ہی ایک دوسرے کو سمجھ جاتے تھے۔

"اے...... ہیلو...... کہاں گئیں؟" اس کی طویل خاموشی سے اکتا کر اس نے ٹائپ کیا تھا۔

"کہیں نہیں گئی یہاں ہی موجود ہوں۔" اس نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"کیا آپ تھکی ہوئی ہیں؟"

"نہیں۔" اگرچہ اس کا موڈ آف تھا مگر وہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"آج سارا دن کیا کیا آپ نے کیا مصروفیت رہی۔"

"کچھ خاص نہیں۔ صبح یونیورسٹی پھر گھر آ کر لنچ پھر ٹی وی پھر چائے پھر ڈنر پھر...... یہاں آپ کے سامنے۔"

اس نے یکے بعد دیگر تمام جوابات ٹائپ کیے تھے۔

"میرے سامنے؟ نہیں میڈیم! میرے سامنے آتی کب ہیں آپ! میں نے تو ہر کوشش کر لی آپ کو اپنے سامنے لانے کی مگر آپ تو اعتبار ہی نہیں کرتیں ہم پر۔"

اس پیغام پر وہ ایک مرتبہ پھر خاموش ہو گئی۔ اس نے ابھی تک اپنی تصویریں اسے اسکین کر کے نہیں بھیجی تھیں۔

"آئی ایم سوری۔ آئی ایم رئیلی ویری سوری! لیکن اب برداشت نہیں ہوتا۔ آئی ایم ڈائنگ ٹو سی یو یار!"

اس کے دل کو پھر کچھ ہوا۔ وہ چاہتی تھی کہ اپنی تصویریں بھیج دے مگر کوئی طاقت تھی جو اسے روک دیتی

تھی۔ اسکرین پر یکے بعد دیگرے میسجز فلیش ہو رہے تھے۔

"ہر بار سوچتا ہوں کہ نہیں کہوں گا' ہیں مانگوں گا مگر پھر ہر بار دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر کہہ دیتا ہوں۔"

"یار! اتنی منت سماجت تو میں نے کبھی کسی کی بھی نہیں کی۔ میں کیا اب ہاتھ جوڑوں۔؟"

اسے محسوس ہوا جیسے سارے ماحول پر عجب مدہوشی کی کیفیت چھا رہی ہے۔

"میں جانتا ہوں' آپ کو یقین نہیں آئے گا لیکن یہ سچ ہے کہ میں آپ کو بہت مس کرتا ہوں۔ ہمیشہ آپ کی موجودگی اپنے آس پاس محسوس کرتا ہوں۔"

وہ نجانے کس جذبے کے تحت ٹائپ کرتا چلا جا رہا تھا۔ ایسی پاگل پن کی باتیں ان کے بیچ کم کم ہی ہوتی تھیں۔ ان کے درمیان یہ مشین ٹو مشین تعلق تقریباً گیارہ ماہ سے تھا۔ وہ ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح جانتے تھے۔ ان گیارہ ماہ میں کم ہی دن ایسے گزرے تھے جب انہوں نے ایک دوسرے سے بات نہ کی ہو۔

"آپ نے مجھ پر کیا جادو کیا ہے؟" اس کے سامنے اسکرین پر ایک اور میسج فلیش ہوا۔ اس نے اسمائل کا میسج بھیجا اور ساتھ ہی ٹائپ کیا۔

"آپ پاگل ہیں۔"

"آپ بھی پاگل ہیں۔" اس نے فوراً جواب دیا تھا۔ لڑکے ایسے معاملوں میں ویسے بھی زیادہ حاضر جواب ہوتے ہیں۔ وہ پھر مسکرائی۔

"ارے آپ شرما تو نہیں رہیں نا؟" یہ اگلا میسج تھا۔ وہ اب بھی خاموش رہی۔

"کاش! میں آپ کو اس لمحہ دیکھ سکتا...... کاش آپ اس لمحہ میرے پاس ہوتیں۔"

اس نے مسکراتے ہوئے گہرا سانس بھرا۔ اس شخص میں کچھ تو ایسا تھا جو سب سے ہٹ کر سب سے مختلف تھا جس کے باعث وہ اسے اچھا لگنے لگا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے محبت میں گرفتار ہو رہی تھی۔ کس کی محبت میں؟ ایک انسان کی یا مشین کی؟ یہ ایک الگ سوال تھا۔ ایک ایسا سوال تھا جس کا جواب نہ صرف پیچیدہ بلکہ مبہم بھی تھا۔

☆ ☆ ☆

"یار! آئی ایم گیٹنگ مشکوک۔ یہ ہینڈسم ہمارے ڈپارٹمنٹ میں کچھ زیادہ ہی نظر آنے لگا ہے۔"

ورشہ نے وانیہ کو اس کی طرف متوجہ کرتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔ اسی لمحہ وہ ان کے پاس سے گزر کر پریویس کی کلاس کی طرف آ گیا تھا۔ آج سارے ڈپارٹمنٹ کے لیے آخری دو کلاسز آف کر دی گئی تھیں تاکہ فنڈ ریزنگ کے سلسلے میں ہونے والے پروگرام کے لیے حتمی لائحہ عمل تیار کیا جا سکے۔ ورنیہ آرگنائزنگ کمیٹی کی روح رواں تھی اسی لیے وہ باقی ممبرز کے ساتھ مصروف تھی۔ وہ دونوں ڈپارٹمنٹ کے سامنے والے لان میں آ گئیں جہاں کچھ اور کلاس فیلوز بھی خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

"کس کے لیے آنے لگا ہے یہ بھی تو معلوم کرو۔" وانیہ نے اس طرف دیکھے بغیر کہا۔

''ہمیں کیا ضرورت ہے ٹینشن لینے کی ورینہ صاحبہ اندر ہیں وہ محترم بھی اندر گئے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد سب کچھ سامنے آ جائے گا۔''

ورشہ نے سولہ آنے درست بات کی تھی۔

''وانی! ایک بات پوچھو؟'' ورشہ نے ذرا دھیمی آواز میں کہا۔ ان کے قریب دو تین لڑکیاں آ کر بیٹھ گئی تھیں جو ان کی کلاس فیلوز نہیں تھی۔

''نہیں یار! آج مت پوچھوں؟'' ''آج میں بہت تھکی ہوئی ہوں۔'' وہ اسے چڑانے والے اندزا میں بولی۔

''تمہیں کبھی کوئی اچھا لگا؟'' وہ اس کے قریب آ کر بہت رازداری سے بولی۔

''مجھے؟'' وانیہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ ورینہ کی طرح بات کر رہی تھی۔

''نہیں...... تمہارے ابا کو؟'' وہ چڑ کر بولی۔

''اوہ اچھا...... ابا کو...... ہاں میرا خیال ہے' آج سے پچیس سال پہلے ابا کو اماں کافی اچھی لگی تھیں تب ہی تو دونوں نے شادی کو لی...... کیوں؟'' ''ویسے تم کیوں پوچھ رہی ہو؟'' وہ معصوم بن کر پوچھنے لگی۔

''اسٹوپڈ...... تمہیں...... تمہیں۔'' وہ اس کے ماتھے کو انگلی سے چھوتے ہوئے بولی۔

''مجھے...... ہاں مجھے بھی اچھا لگا تھا۔'' وہ کچھ سوچنے والے انداز میں بولی۔ اس کے انداز نے ورشہ کو اور بھی متجسس کر دیا تھا۔ دلچسپی اس کے ایک ایک انداز میں ہویدا تھی۔

''کون؟''

''ارے وہی...... اپنا نعمان اعجاز...... سچ وشی! مجھے اتنا اچھا لگتا تھا مگر اس نے شادی کر لی۔'' بات مکمل کر کے اس نے بے حد ٹھنڈی سانس بھری۔ ورشہ جی بھر کر بدمزہ ہوئی۔

''نہیں یار! مجھے کوئی اچھا نہیں لگا۔ آئی سوئیر میں نے بہت کوشش کی۔'' وہ ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''ڈونٹ ٹیل می مس وانیہ! تم اور کوشش، تمہیں تو یہ بھی پتا نہیں چلتا کہ یہ صاحب ہر دوسرے روز اس ڈپارٹمنٹ میں صرف تمہارے لیے آتے ہیں۔'' اس نے منہ لٹکا کر گویا انکشاف کیا۔ وانیہ کو جھٹکا لگا تھا۔

''ورشہ! آر یو میڈ...... بہت فلمیں دیکھنے لگی ہو آج کل۔'' وہ گھرکنے کے۔ انداز میں بولی۔

''اگر تم نہیں پوچھ سکتی تو میں پوچھ آتی ہوں۔'' یہ آواز ان کے عقب سے آئی۔ ان دونوں نے مڑ کر ایک ساتھ دیکھا۔ ورنیہ صاحبہ بالکل پیچھے کھڑی تھیں۔

''کیا پوچھ کر آتی ہو؟ اور کس۔ سے پوچھ کر آتی ہو؟''

وانیہ نے حیرت سے پوچھا۔ اسے مکمل یقین تھا کہ ورنیہ نے کچھ سنا۔

''راز کی بات پوچھ کر آتی ہوں اور اسی پرنس آف ویلز سے پوچھ کر آتی ہوں۔''

وہ پھسکڑا مار کر ان کے پاس بیٹھ گئی۔ وانیہ کے اندر پکڑ دھکڑ شروع ہو چکی تھی۔ اگر ورنیہ کو ورشہ کی بات سے اتفاق تھا تو اس کا مطلب تھا اس ایشو کا بہت سارے لوگوں کو پتا چل جانا تھا اور اسے سیکنڈلز سے بہت

ڈر لگتا تھا۔

''میں اس سے پوچھ کر آتی ہوں کہ کیا یہ ڈینم اس کا ٹریڈ مارک ہے۔ ہر وقت ڈینم میں نظر آتا ہے۔ کبھی بلیک ڈینم کبھی بلو ڈینم کبھی گرینش بلو ڈینم۔''

وہ بات ان سے کر رہی تھی مگر نظریں اسی طرف کھڑی ماہ رخ پر تھیں جو اس لڑکے سے تقریباً چپکی جا رہی تھی۔ وہ لڑکا بھی ماہ رخ کو گلے کا ہار بنائے خوش دکھائی دے رہا تھا۔

''ورشہ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔'' وانیہ نے سر جھٹک کر اپنے آپ کو ایک خیال سے آزاد کروانا چاہا۔

''ورنیہ! تمہیں پتا ہے یہ کس کے لیے آتا ہے۔'' ورشہ نے وانیہ کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''ہاں پتہ ہے...... میرے لیے آتا ہے اور کس کے لیے؟'' وہ ہمیشہ غیر سنجیدہ ہی رہتی تھی۔

''یہ ماہ رخ وغیرہ سے بات تو صرف مجھے جلانے کے لیے کرتا ہے۔'' وہ بالوں کو بینڈ کی بندش سے آزاد کر کے ان میں انگلیاں چلا رہی تھی۔ وہ فل فارم میں تھی اب کسی بات کا سنجیدگی سے طے ہونا ناممکن ہی تھا۔

''لیڈیز لیٹس موو۔'' وانیہ نے مزید کسی بات کا موقع دیے بغیر اپنی کتابیں سمیٹ لی تھیں۔ مجبوراً وہ دونوں بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ شاید ورشہ کی بات کا اثر تھا کہ وانیہ نے کن اکھیوں سے اسی سمت دیکھا' جہاں وہ لڑکا کھڑا تھا۔ حیرت انگیز طور پر وہ بھی حرکت میں آ گیا تھا۔ وانیہ اندر ہی اندر کچھ محتاط ہو گئی تھی۔ وہ دونوں تو آپس میں کسی بات پر جھگڑنے لگی تھیں۔ مگر اس کا دھیان اسی لڑکے کی جانب تھا جو ان سے چار پانچ ہی قدم پیچھے تھا۔ چند لمحوں بعد وہ یکدم ان کے قریب آ گیا۔

''ایکسکیوزمی مس! یہ آپ کا والٹ ہے شاید۔'' اس نے ایک براؤن رنگ کا والٹ ورنیہ کی طرف بڑھایا۔ وانیہ کا پارہ ایک دم سے چڑھا تھا۔

''مسٹر! یہ اوچھے ہتھکنڈے کسی اور کے سامنے آزمانا۔ یہ پرانے فلمی حربے اب بہت پرانے ہو چکے ہیں۔ انہیں اس طرح سے مخاطب کرنا کوئی اچھی بات ہے کیا؟''

''مس! آپ کا دماغ تو درست ہے۔'' وہ لحہ بھر کو سانس لینے کو رکا تو وہ ذرا حیرت و خفگی کے ملے جلے جذبات سے بولا۔ اس کے اتنے لاپروا انداز نے وانیہ کو مزید سلگا دیا تھا۔

''میرا دماغ بالکل درست ہے۔ آپ میری پروا مت کیجئے۔ آپ یہ بتائیے کہ آپ کا مقصد کیا ہے۔ یہ اس طرح سے والٹ پکڑا کر کہنا کہ یہ آپ کا ہے حالانکہ آپ جانتے ہیں یہ ہمارا نہیں ہے پھر بھی آپ ہمیں دے رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ آپ کا اپنا ہوگا' آپ......''

''وانیہ پلیز! خاموش ہو جاؤ۔'' ورنیہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے خاموش کروانا چاہا۔ ارد گرد چلتے پھرتے لوگ بھی ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

''نہیں تم مجھے خاموش مت کراؤ۔ مجھے ذرا سیدھا کرنے دو ان صاحب کو۔ یہ نیا رواج چلا ہے لڑکیوں کو متوجہ کرنے کا۔''

وہ بپھری ہوئی شیرنی لگ رہی تھی۔ ورنیہ اور ورشہ کا رنگ بھی فق ہو چلا تھا۔

اس لڑکے کے رنگ میں دھیرے دھیرے سرخی نمایاں ہو رہی تھی۔ ماتھے پر تیوریوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔

''مجھے آپ جیسی ال مینرڈ لڑکیوں سے بات کرنے کا شوق نہیں ہے۔ میں تو صرف یہ والٹ......''

وانیہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

''جب میں نے کہہ دیا یہ والٹ ہمارا نہیں......''

''شٹ اپ وانیہ!'' ورنیہ نے اسے گھور کر آہستہ سے کہا۔

''یہ والٹ ہمارا ہی ہے۔ میرا ہے یہ والٹ۔'' اس نے شرمندگی سے والٹ پکڑا۔ وانیہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ یہ والٹ اس نے پہلے ورنیہ کے پاس نہیں دیکھا تھا۔

''عمر بھائی نے دیا تھا کل مجھے واپس کرنا یاد نہیں رہا۔ شاید مجھ سے لاپروائی سے وہاں گر گیا۔ آئی ایم سوری مسٹر! دراصل......''

مسٹر نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کروایا تھا۔

''یہ لیجئے آپ کا والٹ...... اینڈ یو مس......'' اس نے اس کی سمت انگلی اٹھائی۔

''دماغ کا استعمال کرنا سیکھو...... انشاء اللہ افاقہ ہوگا۔''

وہ کہہ کر رکا نہیں تھا۔ ورنیہ نے تاسف و ترحم کی ملی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ شرمندہ شرمندہ سر جھکائے کھڑی تھی۔ مگر اس شرمندگی کا اثر وقتی تھا۔

''یار! سن تو لیا کرو کوئی کیا کہنا چاہتا ہے ایک دم سے شروع ہو جاتی ہو میرا والٹ ہے یہ۔ لازمی تو نہیں کہ ہر انسان ہی محض لڑکیوں کو مخاطب کرنے کے لیے ایسی حرکتیں کرے۔''

ورنیہ نے اسے جھڑکا۔ وہ بہت بھری ہوئی تھی اور بہت کچھ کہنا چاہتی تھی مگر ورشہ نے اس کا ہاتھ دبا کر اسے روک دیا تھا۔ وانیہ کی آنکھوں میں غصہ چھلکنے لگا تھا۔ اس نے نخوت سے سر جھکایا تھا۔

☆ ☆ ☆

''سنا ہے یونیورسٹی میں بہت خوبصورت لڑکیاں ہوتی ہیں۔'' اس کو لاؤنج میں داخل ہوتا دیکھ کر ارمغان کی زبان میں کھجلی ہوئی۔

''ہائیں یونیورسٹی ہے یا میٹرنٹی ہوم...... لڑکیاں ہوتی ہیں۔''

زوار بھائی جو اس کے قریب ہی بیٹھے تھے مصنوعی حیرانی سے بولے۔

ارمغان کو ہنسی آ گئی۔ زوار بھائی کو ایسی پھلجھڑیاں چھوڑنے کی عادت تھی۔ یہ پھلجھڑیاں اکثر ایسی بھی ہوتی تھی جو خالصتاً مردوں کے درمیان ہی ڈسکس ہو سکتی تھیں اس لیے آواز کا والیوم وہ صورت حال کے مطابق کم یا زیادہ کر لیا کرتے تھے۔ اب بھی ان کی آواز اتنی دھیمی تھی کہ ارمغان ہی سن پایا۔ ورشہ انہیں ہنستا دیکھ کر سمجھی کہ حسب معمول اس کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ ارمغان سے اس کی ناراضی تھی اس لیے زوار بھائی کو گھور کر بولی۔

''آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں؟''

''میں...... بخدا نہیں میں تو......'' ارمغان نے ان کی بات کاٹی۔

''ورشہ ہم تمہارا مذاق کیسے اڑا سکتے ہیں۔ تم کالی ہو تو کیا ہوا ہمارے خاندان سے ہو ہمارا خون ہو......''

''ہماری بہن ہو......'' بھابھی نے اس کی بات کاٹی۔ وہ ابھی ابھی لاؤنج میں آئی تھیں۔ انہیں ارمغان کے دل کی خبر تھی اسی لیے چڑانے والے انداز میں بولیں۔

''اللہ نہ کرے۔'' وہ دہل کر آہستہ آواز میں بولا اور بھابھی کو مصنوعی خفگی سے گھور کر دیکھا۔

''ہماری اتنی پیاری سی ورشہ کو بہت ستانے لگے ہیں آپ!'' وہ نند کی حمایت میں میدان میں اتریں۔

''بھابھی! پلیز وہ سسرالی گفتگو مت کیجئے۔ ہماری ورشہ اتنی پیاری ہے خوبصورتی کا اعلا شاہکار نہایت مہذب اور سلیقہ مند۔ سگھڑاپا تو ختم ہے ہماری ورشہ پر۔ جو ابھی ہم نے سموسے کھائے تھے یہ جو ارمغان بیکری سے لایا تھا یہ ہماری ورشہ نے ہی تو بنائے تھے اور...... اور یہ جو ڈرائنگ روم کے پردے ہیں۔ یہ جو دس ہزار میں خرید کر پانچ ہزار میں سلوائے گئے تھے یہ کس نے بنائے ہیں بھلا...... ارے ون اینڈ اونلی ہماری پیاری راج دلاری ورشہ ستارنے۔''

وہ لمحہ بھر کو رکا۔

''اب پلیز یہ مت کہنا کہ زوار بھائی کی شیو اور حجامت بھی ورشہ ہی بناتی ہے۔ انہوں نے اس کی خاموشی سے فائدہ اٹھا کر کہا۔ سب ہی ہنس دیے۔ وہ بھی مسکرا دی اور اس کی یہی مسکراہٹ ارمغان کو وسوسوں کا شکار کرتی تھی۔

''میں تمہارے بارے میں بھی ایسی سسرالی گفتگو کر سکتی ہوں۔'' بھابی اس کی بات کا مزہ لے کر بولیں۔

''میرے بارے میں سسرالی گفتگو مت کیجئے۔ بس ورشہ سے میری سفارش کر دیجئے۔'' وہ اسے نظروں کی گرفت میں لے کر کہہ رہا تھا۔

''سفارش' کیسی سفارش؟'' ورشہ نے منہ کھولا۔

''میں چاہتا ہوں ورشہ ڈیئر! تم مجھے یونیورسٹی میں لڑکیوں کے بیچ متعارف کرواؤ مجھے مشہور کرو' میری خوبیوں کا چرچا کرو لڑکیوں کو بتاؤ کہ تمہارا ایک بے حد ہینڈسم کزن بھی ہے۔ رنگ گورا قد چھ فٹ جسم کسرتی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ شادی کی عمر کے قابل ہے بلکہ شادی کی عمر سے دو چار سال آگے ہی نکل گیا ہے۔ ہائے یار ورشہ! کچھ تو کرو...... کچھ تو ایسا کرو کہ ہر خوبصورت لڑکی میرے نام کی مالا جپنے لگے۔'' وہ زوار بھائی کے کندھے پر سر رکھ کر کھوئے کھوئے انداز میں بولا۔

''تم چاہو تو میں کیبل پر لوکل ایڈ دے دیتا ہوں' ایک عدد سلوگن کے ساتھ ''موجاں لٹ لو' یا پھر

''پہلے آیئے پہلے پایئے۔''یا پھر''نہ کہنا خبر نہ ہوئی۔''

وہ سب پھر ہنسنے لگے تھے۔ ورشہ کو سب سے زیادہ مزہ آیا تھا۔

''ہنستی رہو تو کتنی اچھی لگتی ہو۔''

وہ اس کے چہرے کو تکتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

''آئی وش میری زندگی کا ہر دن ایسا ہی ہو جیسا کل کا دن تھا۔ آہاہا......ان آنکھوں نے کل ایسے ایسے وجیہہ خوبرو لڑکے دیکھے ہیں کہ بس......''

ورنیہ نے کوک کا بڑا سا گھونٹ بھرتے ہوئے پسندیدہ موضوع چھیڑا۔ وہ لوگ فارغ وقت میں اپنی من پسند جگہ پر بیٹھی فنڈ ریزنگ پروگرام کی توقع سے زیادہ کامیابی کو ڈسکس کر رہی تھیں۔ ٹیچرز بھی ان سب سے بے حد خوش تھے۔ بہت سے دوسرے کلاس فیلوز بھی اسی موضوع کو زیر بحث لائے اپنی اپنی باتوں میں مشغول تھے۔

ورنیہ کو ہمیشہ کی طرح اس بات کی خوشی تھی کہ اسے بہت سے دوسرے ڈپارٹمنٹس کے لڑکے دیکھنے کا موقع ملا۔

ورشہ کو اس سرٹیفکیٹ کی خوشی تھی جو سب سے زیادہ فنڈز اکٹھا کرنے کے صلہ میں ان کے گروپ کو ملا تھا جبکہ وانیہ اس بات سے مطمئن تھی کہ اس نے اپنی ذمہ داری بہتر طریقہ سے نبھائی اور تمام ٹیچرز کی نظر میں سرخروز ہوئی۔

ورشہ نے اسے پامسٹری سے متعلق کچھ کتابیں فراہم کر دی تھیں جنہیں سرسری مطالعہ کے بعد اس نے لوٹا دیا۔ شادی، اولاد، کاروبار، دولت، شہرت، بیرون ملک سفر، غرضیکہ ایک انسان جس جس چیز کے لیے پاگل ہو سکتا ہے۔ وہ ہاتھوں کی لکیروں میں سے یہی سب ڈھونڈ ڈھونڈ کر لوگوں کو بے وقوف بناتی رہی۔ قسمت کی بے یقینی سے سب ہی عاجز ہیں اسی لیے قسمت کا حال جاننے والوں کی کمی نہیں تھی اسی لیے وہ تینوں بے حد مصروف رہی تھی۔

دن کی ابتدا میں خود ان کے اپنے کلاس فیلوز ہی جذبہ ہمدردی کے تحت ایک دوسرے کے اسٹالز کا چکر لگاتے رہے مگر جیسے جیسے دن گزرا اور باقی ڈپارٹمنٹس میں کلاسز آف ہونے لگیں تو رش بہت بڑھ گیا تھا۔ ہر شخص ہی چیریٹی کے لیے سو پچاس خرچ کرنے کو تیار تھا اس لیے ان سب نے فنڈز بھی اکٹھے کر لیے تھے اور انجوائے بھی کیا تھا۔ ورنیہ کی حاضر جوابی اور اچھے حس مزاح کی بدولت انہوں نے کافی ہوشیار اور سور ماقسم کے لڑکے بھی بہت آرام سے ڈیل کر لیے تھے۔

''مبارک ہو لڑکیو! تمہارے ہونے والے بھائی جان آ گئے ہیں۔'' ورنیہ نے وانیہ کو ٹھوکا دے کر متوجہ کیا اور خوشخبری دینے والے انداز میں بولی۔ اس نے اس سمت دیکھا۔ وہ وہی لڑکا تھا جسے اس نے چند دن پہلے بے وجہ ڈانٹ دیا تھا۔

''خبردار کوئی ان پر ایسی ویسی نظر نہیں ڈالے گا یہ میرے ہونے والے''وہ''اور تم سب کے بھائی جان ہیں۔''

ورنیہ صاحبہ نے پھر فرمان جاری کیا۔ وہ تینوں ہی اس لڑکے کے متعلق کچھ نہیں جانتی تھیں سوائے اس کے کہ وہ ان کے ڈپارٹمنٹ میں بہت کثرت سے آتا ہے۔ اس کی ماہ رخ وغیرہ کے گروپ سے کافی دوستی تھی اور قیاس غالب تھا کہ وہ آتا ہی اس مغرور حسینہ کے لیے ہے۔ اب بھی اپنی اسپورٹس بائیک کو ایک سائیڈ میں پارک کر کے اسی طرف گیا تھا جہاں ماہ رخ بیٹھی تھی۔ ورشہ نے کھنکھارتے ہوئے ایک چڑاتی مسکراتی ہوئی نظر ورنیہ پر ڈالی۔ وہ کہاں چڑنے والوں میں سے تھی۔

''ارے ایک تو میں اس شخص سے بہت تنگ ہوں آتے ہی بہن سے ملنے چل دیا۔'' وہ ماہ رخ اور اس لڑکے کو دیکھتے ہوئے بولی۔ اسی پر کیا موقوف اس کی دونوں عزیز از جان سہیلیاں اسی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''چلو اب دونوں بہن بھائی کو سکون سے باتیں کرنے دو۔'' وہ ماہ رخ کے پاس ہی بیٹھ گیا تو ورنیہ نے گہری سانس بھر کر کہا پھر وہ تینوں ہی ہنس دیں۔

''ہائے ہم بے چارے لڑکیاں حبیب ہے نہ رقیب ہے' یہ کیسا اپنا نصیب ہے۔'' ورنیہ آہ پہ آہ بھر رہی تھی اور وہ دونوں مسکرائے جا رہی تھیں۔

''کیوں مسکرا رہی ہو تم لوگ میں وہاں سے دیکھ رہی تھی پھر سوچا پاس جا کر پوچھتی ہوں۔''

ماہ رخ کی آواز نے ان کو چونکایا۔ وہ سچ مچ بہت حیرانی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''ہم بدنصیبوں کو کس بات پر مسکرانا ہے یار! ایویں ایک بات یاد آ گئی تھی۔''

''ہمیں بھی تو پتا چلے وہ ایک بات جس کے باعث تم تینوں مسکرا رہی ہو۔'' ماہ رخ نے ان کے قریب ہی نشست سنبھالی۔ ماہ رخ جیسی مغرور لڑکی کا ان کے پاس اس طرح آ کر بیٹھ جانا انہیں کسی قدر حیران کر رہا تھا۔

''تمہارے بہت عیش ہیں یار! کبھی کبھی لگتا ہے یونیورسٹی کے سارے ہینڈسم لڑکے تمہاری فرینڈز لسٹ میں آتے ہیں۔''

ورنیہ نے دو معنی انداز میں کہا۔ اس کی اور ماہ رخ کی ایسی نوک جھونک چلتی ہی رہتی تھی۔ ماہ رخ نے بہت مسکرا کر اس کمپلیمنٹ کو قبول کیا تھا۔

''اسد کی وجہ سے کہہ رہی ہو۔''

''تو محترم کا نام اسد ہے۔'' ان تینوں کو ہی اس لڑکے کے نام سے پہلی بار واقفیت ہوئی۔

''ہاں......اسد ابتہاج خان......فرام ایم بی اے......میرا بہت اچھا فرینڈ ہے۔'' وہ بہت لاپروائی سے بولی۔

''ہم......فرینڈ......ہی اینٹ سیم جسٹ آ فرینڈ ماہ رخ۔

ورنیہ کچھ اگلوانا چاہتی تھی۔

''ارے نہیں یار...... بلیومی جسٹ آ فرینڈ۔ وہ بہت اور طرح کا لڑکا ہے۔'' وہ بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''اور طرح کا......'' مطلب وہ گلاس کے بجائے چمچ سے پانی پیتا ہے۔ ہاتھوں کے بجائے پاؤں سے ڈرائیو کرتا ہے۔''

ماہ رخ ایک دم سے ہنس دی حالانکہ ورنیہ کا خیال تھا وہ اس پر شاید بھڑک اٹھے۔

''میرا مطلب تھا وہ ذرا مختلف سا لڑکا ہے۔ میری قسم کا لڑکا نہیں ہے۔ وہ ایسے لڑکوں سے فرینڈ شپ تو ہو سکتی ہے مگر کوئی اور سیریس ریلیشن شپ نو وے...... میں تو سوچ بھی نہیں سکتی۔''

وہ نخوت جو اس کی شخصیت کا خاصا تھی یکدم جیسے سارے ماحول پر چھا گئی۔ ایک لمحہ کے لیے تو وہ تینوں ہی چپ ہو گئیں پھر ورینہ نے ہی اس خاموشی کو توڑا۔

''ہمیں بھی تو بتاؤ' ایسی بھی کیا بری بات ہے اسد ابتہاج خان صاحب میں......''

''نہیں یار! بری بات نہیں ہے بس میں اس قسم کی لڑکی نہیں ہوں میں ہمہ وقت سر پہ دوپٹہ نہیں ڈال سکتی میں لمبے بال نہیں پال سکتی۔ بات کرتے وقت محتاط رہنا سر جھکا کر رہنا، قہقہہ نہیں لگانا، صرف مسکرانا ہے، ہاف سلیوز، جینز، ٹراؤزر، ٹائٹ ایٹ آل۔ میں یہ سب برداشت نہیں کر سکتی۔ اتنی پابندیوں میں میرا دم گھٹ جائے گا۔ میرا اپنا لائف اسٹائل ہے میرا اپنا سوشل سرکل ہے۔ اسد کے ساتھ سیریسلی انوالو ہونے کا مطلب ان سب چیزوں سے ہاتھ دھونا۔ میں چار دیواری کے اندر محدود رہنے والی لڑکی نہیں ہوں ہمہ وقت شوہر کی چاکری بچوں کی نوکری مجھ سے نہیں ہوگا یہ سب۔''

وہ اتنے لاتعلق انداز میں اس شخص کے بارے میں بات کر رہی تھی جس کے ساتھ وہ آج کل سب سے زیادہ دیکھی جا رہی تھی۔ سب کا ہی یہ خیال تھا کہ یہ شخص صرف اور صرف ماہ رخ کے لیے اس ڈپارٹمنٹ کے چکر لگاتا ہے۔

''میرا خیال تھا وہ تمہاری وجہ سے صرف صبح شام اس انگلش ڈپارٹمنٹ کا طواف کرنے آتا ہے۔'' ورنیہ نے جو سوچا کہہ ڈالا۔

I Know he come for a girl but I am sure I aint his kind a girl and whoes that girl I dont Know

''میں جانتی ہوں وہ ایک لڑکی کے لیے آتا ہے لیکن میں پر یقین ہوں۔ میں اس کی طرح کی لڑکی نہیں ہوں اور وہ لڑکی کون ہے میں نہیں جانتی)

''یار ورینہ! سنو......'' ماہ رخ نے آواز بہت دھیمی کر کے ورنیہ سے کوئی بات کی۔ وانیہ خاموشی سے اپنے پاؤں کی انگلیوں کو تک رہی تھی جبکہ ورشہ وقفہ وقفہ سے ایک نظر وانیہ پر دوسری ماہ رخ پر ڈالتی اور پھر دور بیٹھے اسد ابتہاج خان کو دیکھنے لگتی۔ اس کا دماغ بہت تیزی سے چل رہا تھا۔

''آؤ ورنیہ! تمہیں اسد سے ملواتی ہوں۔'' ماہ رخ بات مکمل کر کے اٹھتے ہوئے بولی۔ آفر صرف

ورنیہ کے لیے تھی۔

''ارے نہیں پھر کبھی...... ابھی مجھے ضروری پرنٹ آؤٹس نکلوانے ہیں۔'' اس سے پہلے کہ ماہ رخ اصرار کرتی ورنیہ نے فائل سمیٹی اور فوٹو اسٹیٹ کی دکان کی سمت چل دی۔ ماہ رخ بھی اپنے اسد ابتہاج خان کی طرف بڑھی تھی۔

ان کے جانے کے بعد وہ خاموشی سے بیٹھی اپنی اپنی سوچوں میں گم رہی تھیں۔

''وانیہ!...... سر پر دوپٹہ' لمبے بال بلاوجہ گفتگو نہ کرنا قہقہہ نہیں لگانا...... وانیہ...... پورے انگلش ڈپارٹمنٹ میں ایسی صرف ایک ہی لڑکی ہے۔ اتنی محتاط تو صرف ایک ہی لڑکی ہے۔ تم جانتی ہو وانیہ! وہ لڑکی کون ہے۔؟ سب ہی جانتے ہیں وہ لڑکی کون ہے۔''

ورشہ نے رک رک کر اپنی بات مکمل کی تھی۔ وانیہ چاہنے کے باوجود اس کی بات کو جھٹلا نہ سکی۔

☆ ☆ ☆

''ورشہ پاگل ہے......'' اس نے بلا مغالبہ چوتھی بار یہ بات اپنے آپ سے کہی تھی۔ کیمپس سے اکیڈمی جہاں وہ آج کل بی اے کی کلاس کو انگلش پوئٹری پڑھا رہی تھی اور پھر اکیڈمی سے گھر واپسی تک ورشہ کی باتیں نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے دماغ میں گردش کرتی رہی تھیں اور وہ اس کے قیاس کو غلط فہمی، پاگل پن قرار دیتے ہوئے جھٹلانے کی کوشش کر رہی تھی۔

اس کے کمرے میں نیم تاریکی کا راج تھا۔ نائٹ بلب کی ہلکی نیلگوں روشنی ماحول میں پھیلے سناٹے کے ساتھ نبرد آزما تھی۔ وہ بستر سے اٹھ کر کھڑکی کے پاس آ کھڑی ہوئی جہاں سے اس کے گھر کا سب سے خوبصورت حصہ بہت واضح نظر آتا تھا۔ ان کے لان میں بھی ویسا ہی سناٹا پھیلا تھا جیسا اس کمرے کی چار دیواری میں تھا۔ چاندنی کے سفید پھول سبز زمین پر ایسے بکھرے تھے جیسے بڑے بڑے گھیر دار فراک پہنے رقص کرتی لڑکیاں۔ دس سوا دس کے قریب ہی ان کے گھر میں ہو کا عالم چھا جاتا تھا۔ گھر میں افراد ہی کتنے تھے۔ اماں ابا بھائی اور وہ چاروں افراد ہی خطرناک حد تک Ambition واقع ہوئے تھے۔

اماں' ابا نے زندگی کا بڑا حصہ درس و تدریس کے شعبہ میں گزارنے کے بعد اب ایک ذاتی اسکول کھول لیا تھا۔ اب وہ فارغ وقت میں بھی اپنے اس نوزائیدہ بچے کے اچھے مستقبل کے لیے منصوبہ بندی میں مصروف رہتے۔ بھائی کنگ ایڈورڈ میں آج کل فائنل پراف بھگتا رہا تھا جبکہ اس کا بھی فائنل ایئر چل رہا تھا۔ دونوں بہن بھائی اگلے سال سی ایس ایس کے امتحان میں بیٹھنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

''زندگی میں کوئی گول کوئی aim (مقصد) ضرور ہونا چاہیے جس کے حصول کے لیے انسان آخری حد تک جا سکے۔''

یہ ایک بات ان کے ابا نے بہت بچپن سے ان کے ذہن میں بٹھا رکھی تھی۔ وہ اسکول سے لے کر یونیورسٹی تک ایک آؤٹ اسٹینڈنگ اسٹوڈنٹ رہی تھی۔ کیا کرنا ہے' کب کرنا ہے اور کس طرح کرنا ہے' یہ سب باتیں کوئی بھی نیا کام شروع کرنے سے پہلے بہت اچھی طرح ذہن نشین کر لیتی تھی۔ یونیورسٹی میں ایجوکیشن اس کا

پہلا تجربہ تھا۔ لڑکے اس کے لیے کبھی بھی ہوائی مخلوق نہیں رہے تھے۔ ''یونیورسٹی صرف پڑھنے جانا ہے اور اپنے کام سے کام رکھنا ہے۔'' یہی اس کا موٹو تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ لڑکے اور لڑکیاں دونوں کے ساتھ میل ملاپ میں ایک حد کی قائل تھی۔ ایسے میں کسی لڑکے کا اس کی طرف متوجہ ہونا کم از کم اسکے لیے کسی قدر اچنبھے کی بات تھی۔

''اتنی سی عمر میں بھلا کوئی عشق و عاشقی جیسے ایڈونچرز کیسے افورڈ کر سکتا ہے۔''

اس نے ایک دفعہ پھر سر جھٹک کر اپنے موقف کے حق میں خود ہی ایک دلیل دی۔ اس نے ایک نظر بھائی کے کمرے سے آتی روشنی کی طرف دیکھا۔

''میرے بھائی نے تو کبھی ایسے کاموں میں وقت برباد نہیں کیا۔'' اس نے سوچا۔ یہ بات تھی بھی سچ۔ وہاج' وانیہ سے بھی زیادہ ambition تھا۔ وہ میڈیسن صرف اس لیے پڑھ رہا تھا تاکہ انٹر میں ٹاپ کرنے کے باعث با آسانی اس کا ایڈمشن کنگ ایڈورڈ میں ہو جائے اور ابا چاہتے تھے کہ وہ یہ کالج ضرور جوائن کرے۔

''وہ لوگ ہمیشہ غلط ہوتے ہیں جو پروفیشن کو سکون کا ذریعہ سمجھ کر ایڈاپٹ کرتے ہیں۔ پروفیشن ہمیشہ ایسا ہونا چاہیے جو انسان کو فائنانشلی اسٹرونگ بنا سکے۔

فائنانشلی اسٹرونگ ہونے کے علاوہ اگر آپ پاور میں ہوں' آپ کے پاس یہ احساس ہو کہ آپ کی ایک انگلی کی جنبش سے بیک وقت ایک سو لوگ حرکت میں آ سکتے ہیں تو پھر کیا ہی بات ہے۔''

وہ اپنی بہن کو اکثر سمجھاتا تھا حالانکہ بہن کو یہ سب سمجھانے کی ضرورت نہیں تھی۔ ان دونوں بہن بھائی میں بہت اچھی انڈرسٹینڈنگ تھی۔ پڑھائی سے جب بھی فرصت ملتی تھی وہ دونوں ساتھ بیٹھتے تھے۔ اپنی اپنی مصروفیات ڈسکس کرتے تھے مووی دیکھ لیتے تھے۔ اپنی ایک ایک بات شیئر کرتے تھے۔

''جس ٹرین کو بہت دور جانا ہو وہ چھوٹے چھوٹے اسٹیشن پر اسٹاپ نہیں کرتی۔''

یہ بات بھی اسے اس کے بھائی نے سمجھائی تھی اور یہ بات اسے از بر بھی تھی مگر وہ اپنے دل کا کیا کرتی جو ورشہ کی بات بھولنے اور نظر انداز کرنے پر تیار نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

''ول یو پلیز شٹ اپ۔'' اس نے خشمگیں نگاہوں سے ورشہ کو گھورتے ہوئے کہا۔ اس کی آواز دھیمی تھی تاکہ دو چار قدم دور بیٹھی ورنیہ سن نہیں پائے۔

''انسان سچی بات پر بہت جلدی بھڑک اٹھتا ہے۔'' ورشہ نے اثر لیے بغیر مسکرا کر کہا۔

''ورشہ......ورشہ......! تم سمجھتی کیوں نہیں ہو۔'' وہ اسی کے انداز میں بولی۔

''ڈیئر خواتین! کس مسئلہ کو لے کر پریشان ہیں۔'' ورنیہ بھی متوجہ ہوئی۔

وانیہ نے ورشہ کا ہاتھ تھام کر حتیٰ الامکان آنکھیں باہر نکال کر اشارے سے پاؤں کی ضرب سے منہ بند رکھنے کی درخواست کی مگر وہ بھی ورشہ تھی اپنی محدود عقل کے جتنے قیاس اس نے لگائے تھے سب ورنیہ کے سامنے اگل دیے۔

''آئی ایم شیور' وانیہ کے لیے ہی آتا ہے۔''

اس نے گویا مہر لگائی تھی۔ ورینہ کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے جبکہ وانیہ کچھ جھینپی ہوئی ہونے کے باوجود اپنے آپ کو لاتعلق ظاہر کر رہی تھی۔

''اب یہ دونوں مل کر میرا ریکارڈ لگائیں گی۔'' اس نے سوچا تھا۔

''ورشہ اور اس کے احمقانہ اندازے۔'' ورنیہ نے چار لفظوں میں ہی اچھی بھلی کہانی کا کلائمکس کر دیا۔ وانیہ نے بہت خاموش نظر اس پر ڈالی تھی۔ بولی اس لیے نہیں کہ ورشہ جو موجود تھی۔ وہ لائبریری میں بیٹھی تھیں جہاں ان کے علاوہ صرف لائبریرین تھے۔

''احمقانہ اندازے......مطلب؟''

''مطلب یہ کہ ایک اس دوپٹے والے جواز پر یہ تسلیم کر لینا کہ وہ وانیہ کے لیے آتا ہے' وہ نہ صرف احمقانہ بلکہ بے وقوفانہ بھی ہے۔'' وہ بہت سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

''یہ تو تم بھی جانتی ہو کہ وہ ہمارے ڈپارٹمنٹ میں ایک لڑکی کے لیے آتا ہے۔ اسے کس قسم کی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں یہ کل ماہ رخ نے بتا ہی دیا ہے۔ اب بتاؤ ہمارے ڈپارٹمنٹ میں ایسی لڑکیاں ہیں جو اتنی احتیاط سے دوپٹہ لیتی ہیں کہ یہ دوپٹہ ان کا سمبل بن کر رہ گیا ہے۔ ایسی لڑکیاں چھ ہیں۔ ان چھ لڑکیوں میں سے کتنی لڑکیوں کے لمبے بال ہیں۔ دو لڑکیاں ان دو لڑکیوں میں سے ایک لڑکی ڈس ایبل ہے اور دوسری لڑکی وانیہ ہے۔ تمہارے خیال میں وہ لڑکا اس......ثمینہ کے لیے آتا ہے۔'' ورشہ نے کہا۔

''تمہارے خیال میں وہ وانیہ کیلئے آتا ہے۔'' اس نے ورشہ کو دیکھا جس کے چہرے پر صرف ''ہاں'' لکھا تھا۔

''نہیں یار! وہ ایسا لڑکا نہیں ہے۔ مجھے تو وہ بہت نان سیریس' بہت فلرٹی قسم کا لگا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے دوپٹہ رکھ رکھاؤ لمبے بال مشرقیت......کچھ اہم نہیں ہوتا۔ ایسے لوگوں کو اگر کوئی چیز متاثر کرتی ہے تو وہ ہے ''انتہا'' یعنی کسی بھی چیز کی حد سے زیادہ خوبصورتی حد سے زیادہ دولت۔ یہ انیسویں صدی نہیں ہے جہاں ایک لڑکی کا انداز گفتگو یا دھیمی سی مسکراہٹ لڑکوں کا دل جیت لیا کرتی تھی۔ یہ زندگی ہے۔ ایک کڑی حقیقت ایسی باتیں افسانوں میں ہوتی ہیں ایک غیر معمولی لڑکے نے ایک عام سے گھرانے کی عام سی شکل و صورت والی لڑکی سے ٹھیک ٹھاک بے عزتی کروائی اور پھر اس کی محبت میں گرفتار ہو گیا۔''

وہ لمحہ بھر کو سانس لینے کے لیے رکی تھی۔ اس نے ایک بار بھی وانیہ کے چہرے کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ اگر دیکھ لیتی تو شاید خاموش ہو جاتی۔

''یہ سب بکواس کتابی باتیں ہیں۔ ایسی باتیں جین آسٹن کے ناولز میں پڑھنے کی حد تک تو اچھی لگ سکتی ہیں۔ مگر انہیں زندگی پر اپلائی نہیں کیا جا سکتا۔ وہ ماہ رخ نے صرف ایک بکواس کی تھی۔ اس سے زیادہ اس کی بات میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔ وانیہ! تم خود سوچو بھلا ایک تئیس چوبیس سال کا لڑکا جو ابھی اسٹیبلش بھی نہیں ہے۔ جو باپ کی کمائی پر عیش کرتا ہے وہ لڑکا افیئر تو چلا سکتا ہے مگر اس افیئر کو شادی جیسے سیریس ایشو تک نہیں لے

جاسکتا۔''

''میرا خیال ہے تم نے اپنا تجزیہ پیش کرنے میں کچھ زیادہ ہی تلخی سے کام لیا ہے۔ ہاں ٹھیک ہے یہ انٹرنیٹ ایج ہے یہاں کے لوگوں کو اٹھارہویں انیسویں صدی جیسی معصوم حرکتیں اٹریکٹ نہیں کرتیں مگر...... محبت ان سب چیزوں سے مبرا چیز ہے۔ محبت شکل دیکھ کر نہیں ہوتی محبت تو ایک ادا ایک عادت ایک مسکراہٹ کی وجہ سے بھی ہو سکتی ہے۔''

ورشہ کی بات پر ورنیہ نے پھر کچھ بولنا چاہا مگر وانیہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

''پلیز یار! کیا فضول باتوں میں وقت ضائع کر رہی ہو، لیو دس ٹاپک۔'' اس کے انداز میں حد سے زیادہ لاپروائی تھی۔

ان دونوں نے اس کا موڈ دیکھ کر بات ختم کر دی۔ لائبریری میں کچھ پرپولیس کے اسٹوڈنٹ آ گئے تو وہ باہر آ گئیں۔

''کیا میں ایک عام سی شکل وصورت کی عام سی لڑکی ہوں۔''

اس کے ذہن سے ایک یہی بات چمٹ کر رہ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

''مجھے پیاس محسوس ہو رہی ہے میں پانی پینے جا رہی ہوں۔''

اس نے ایک چھوٹی سی چٹ پر لکھ کر ورنیہ کی طرف بڑھائی۔ اس کی نظریں مکمل طور پر مسز لاشاری کی طرف مبذول تھیں۔ کلاس میں ان ہی کا سب سے من پسند ٹاپک ڈسکس ہو رہا تھا۔ Tess-the unfortunate jill Tess-the کے حق میں اور مخالفت میں کلاس مل کر ہی دلائل دے رہی تھی۔ اسے فی الحال کسی بھی ٹاپک سے کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اس لیے وہ بہت خاموشی سے اٹھ کر باہر آ گئی۔ اس کی پہلی منزل لائبریری تھی مگر لائبریری ہمیشہ کی طرح خالی تھی وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ اس کی متلاشی نگاہوں کو لائبریرین نے بھی محسوس کیا اسی لیے اپنے مخصوص انداز میں ابرو اٹھا کر استفہامیہ انداز سے اسے دیکھنے لگا۔

چھوٹے سے انگلش ڈپارٹمنٹ کی اس چھوٹی سی لائبریری کے بڑے سے لائبریرین اس سے بہت اچھی طرح واقف تھے۔ کلاس کے وقت اس کا کلاس سے باہر ہونا ان کے لیے بہت اچنبھے کی بات تھی۔ اس نے انہیں سب ٹھیک ہے کا اشارہ دیا تھا پھر وہ باہر آ گئی تھی۔ پرپولیس کی کلاس کا دروازہ بند تھا جس کا مطلب تھا وہاں بھی لیکچر چل رہا ہے۔ کوریڈور بھی خالی تھے۔ وہ سست روی سے چلتی باہر آ گئی۔

''وہ آیا تو واپس بھی چلا گیا۔ اس نے لمحہ بھر بھی انتظار نہیں کیا اور...... ورشہ کہتی ہے وہ میرے لیے آتا ہے۔''

اس کی چال تھکی ہوئی اور کندھے جھکے ہوئے تھے۔ اردگرد سے بے نیاز وہ درویشانہ انداز میں باہر آ گئی۔

گزشتہ کئی دن سے اس کے ساتھ ایسا ہی ہو رہا تھا۔ وہ صرف یہ دیکھنے کے لیے کہ آیا اسد ابتہاج

خان اس کے لیے آتا ہے یا نہیں' اس کے پیچھے خوار ہو رہی تھی۔ اس کی آمد کے آثار پاتے ہی وہ اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے کوریڈور یا لان میں آ بیٹھتی۔

''مجھے اس سے محبت نہیں ہے مگر میں یہ دیکھنا چاہتی ہوں کہ وہ کس کے لیے آتا ہے اور وہ جس کے لیے آتا ہے' کیا وہ بہت خوبصورت ہے؟''

اپنی احمقانہ روش کی وجہ سے وہ اپنا وقت ضائع کر رہی تھی اور فائدہ کچھ بھی نہیں ہو رہا تھا مگر ماہ رخ کے علاوہ کسی سے بات کرنا وہ شاید گناہ سمجھتا تھا۔ وہ اپنے آپ سے بھی یہ ماننے کو تیار نہیں تھی کہ وہ اسد ابتہاج خان کی کشش میں اس کی طرف کھنچ رہی ہے۔ اس دن ورنیہ کی کہی گئی بات بہت دن تک اسے بے چین کرتی رہی تھی۔

''میں عام لڑکی نہیں ہوں۔'' اس کی خودی اور انا بلبلا کر کہتی تھی۔ اس نے بہت غیر ارادی طور پر اسد ابتہاج خان کو دیکھنا شروع کیا تھا۔ چند دن میں ہی وہ اسکے متعلق ضروری باتیں جان چکی تھی۔ وہ اسپورٹس بائیک پر آتا تھا مگر اس کے پاس گاڑی بھی تھی۔ وہ بات کرتے ہوئے زمین کو اپنے جوگرز کی مدد سے کھودنے کا عادی تھا۔ وہ بہت کم مسکراتا تھا مگر اس کی مسکراہٹ ساحرانہ تھی۔

''یہ محبت نہیں ہے' یہ صرف ورنیہ کی بات کا ردعمل ہے۔''

وہ ڈپارٹمنٹ کے سامنے والے لان میں آ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس کی عادات میں ایک شخص کی وجہ سے دھیرے دھیرے تبدیلی آ رہی تھی۔ اور وہ ان تبدیلیوں کو کسی کی بات کا ردعمل قرار دے رہی تھی۔

محبت ایک بینڈٹ کوئین کی طرح حملہ کرتی ہے مگر ہم چوروں کی اس سرغنہ کو تب پکڑ پاتے ہیں جب یہ پوری طرح ہماری زندگیوں پر شب خون مار چکی ہوتی ہے۔ ہم اس حرافہ کے آگے جھکتے ہیں' مجبور ہوتے ہیں۔ ہم ایک نامحرم شخص کے بارے میں اتنا زیادہ سوچنے لگتے ہیں کہ جتنا سوچنا جائز ہے۔ دنیا کو ودیعت کی گئی خوبصورت ترین چیزوں میں سے ایک چیز...... اور چیز کوئی بری نہیں ہوتی اس کا استعمال اسے اچھا یا برا بناتا ہے۔

وانیہ نے رسٹ واچ پر نظر ڈالی تھی' لیکچر ختم ہونے میں پانچ ہی منٹ باقی تھے۔ اس کے بعد بیس منٹ کا بریک تھا۔ ابھی یہاں بہت سے لوگوں کا رش لگ جانا تھا اور وہ اس وقت کسی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ اپنی چیزیں سمیٹ کر کسی پرسکون گوشے کی تلاش میں نکلی تھی۔ جب پارکنگ کے پلر کے ساتھ وہ کھڑا نظر آیا۔ بلاشبہ وہ وہی تھا۔ اسے اپنی سمت دیکھتا پا کر اسد ابتہاج خان نے یکدم نظریں چرائی تھیں اور ہاتھوں میں پکڑے سن گلاسز آنکھوں پر لگا لیے تھے۔ اس نے اپنی اسپورٹس بائیک کا سہارا لے رکھا تھا۔ وانیہ کو اس کے چہرے کی خجالت پکڑنے میں لمحہ ہی لگا تھا۔ اندر سے وہ خود بھی کچھ کنفیوز ہو رہی تھی۔ اس نے تو ابھی پہلے والے رویہ کی ہی معذرت نہیں کی تھی۔

''میں اس کے پاس جا کر معذرت کرتی ہوں' بات کرنے کے دوران وہ میری طرف دیکھے گا اور میں جان جاؤں گی کہ وہ مجھ میں انٹرسٹڈ ہے یا نہیں۔''

اپنے اندر اپنی ازلی خود اعتمادی کو زندہ کرتے ہوئے اس نے سوچا۔ وہ اس کی طرف بڑھی تھی مگر اس

سے پہلے کہ وہ اس تک پہنچ پاتی' وہ اپنی بائیک پر سوار ہوا اور لمحوں میں یہ جا وہ جا۔ اس کے چہرے پر خجالت اور جھجک کے آثار نمایاں تھے۔ وہ وانیہ کا سامنا کرتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔

''شاید سب محبت کرنے والے ابتدا میں اسی ہچکچاہٹ کا شکار ہوتے ہیں۔''

چند لمحوں تک وہ خود اسد کے اس اقدام کی وجہ سمجھ نہیں پائی اور جب سمجھ پائی تو اس نے مسکراتے ہوئے سوچا تھا۔ ایک پرسکون لہر اس کے اندر تک اتر آئی تھی۔ بہت دن کی بے چینی یکدم اپنے اختتام کو پہنچ گئی تھی۔ وہ ایک عام لڑکی نہیں ہے کیونکہ اسد ابتہاج خان ایک عام لڑکی کے لیے یہاں نہیں آتا تھا۔ یہ سوچ اسے مسرور کرنے کے لیے کافی تھی۔

''اور ورنیہ کہتی ہے وہ میرے لیے نہیں آتا۔''

اس نے مسکراتے ہوئے سوچا تھا۔ اسے اپنی چہرہ شناسی پر بہت مان بہت فخر تھا۔ شاید سب ہی لڑکیوں کو اپنی چہرہ شناسی پر بہت مان بہت فخر ہوتا ہے۔

☆ ☆ ☆

''ہیلو! السلام علیکم۔'' اس نے بہت دھیمی آواز میں کہا۔ دوسری جانب چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی پھر بہت گرمجوشی سے ''وعلیکم السلام'' کہا گیا۔

''خیریت سے ہیں آپ'' وہ پوچھ رہا تھا۔ ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ کیا جواب دے اس نے پھر کہا۔

''اتنے دن تک آپ نے فون نہیں کیا تو میں پریشان ہو گیا تھا۔ آپ کی وجہ سے مجھے بہت آسرا ہو گیا تھا۔ آپ جس طرح صبح وشام پانچ پانچ چھ چھ مرتبہ میرے سیل فون پر اور میرے گھر پر کالز کر رہی تھیں۔ میرا مطلب بلینک کالز کر رہی تھیں اس سے بہت الرٹ رہنے لگا تھا۔ میری مام اس ساری صورت حال سے بہت خوش تھیں انہیں ویسے بھی شکایت رہی ہے کہ میں بہت سست ہوں۔''

اس کے طنز پر ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ کیا جواب دے وہ پھر بول پڑا۔

''ویسے پچھلے تین دن سے تھیں کہاں آپ! گھر کا فون بھی خاموش تھا سیل فون بھی نہیں بج رہا تھا۔ پہلے میں نے سوچا شاید آپ نے اس طرح دوسروں کے گھر بلینک کالز کرنے والی عادت سے توبہ کر لی ہے اور آپ کو عقل آ گئی ہے مگر پھر سی ایل آئی پر آپ کا نمبر دیکھا تو دل کو بہت سکون ملا۔ بہت خوشی ہو رہی ہے کہ آپ کو دوبارہ سے اس طرح بے وجہ فون کرتا دیکھ کر۔ بہت اچھا لگتا ہے جب آپ جیسے کسی انسان سے واسطہ پڑتا ہے۔ احساس ہوتا ہے کہ ڈھیٹ لوگوں کی دنیا میں کمی نہیں ہے۔'' اس کی آواز میں بتدریج خفگی کے آثار نمایاں ہونے لگے تو وہ خاموش نہ رہ سکی۔

''بہت غصہ آ رہا ہے آپ کو؟''

''غصہ......؟ بہت چھوٹا لفظ ہے جی غصہ...... یہ تو کوئی طریقہ نہ ہوا۔ آپ کسی کے گھر...... کسی کے سیل فون پر اس طرح سے بے وجہ رنگ کریں اور پھر کسی کے کال ریسیو کرنے سے پہلے ڈس کنیکٹ کر دیں۔

آپ جانتی ہیں آپ میرے ساتھ یہ کھیل پچھلے دس دن سے کھیل رہی ہیں۔ دس دن سے ہی سی ایل آئی کی بدولت اور پھر سیل فون پر آپ کا نمبر متواتر آ رہا ہے۔ مگر میں نے کبھی کال بیک کر کے آپ کو تنگ نہیں کیا۔ میں چاہتا تو ایسا کر سکتا تھا مگر......''

''میں جانتی تھی آپ ایسا نہیں کریں گے۔'' وہ بہت وثوق سے بولی۔

''اچھا جی...... اتنی معلومات ہیں آپ کو میرے بارے میں۔''

''ایسا ہی سمجھ لیجئے۔''

''ہم......'' اس نے ہنکارا بھرا۔

''ایسی بات ہے تو پھر بھی آپ کے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور معلوم ہونا چاہیے۔''

''کیا جاننا چاہتے ہیں میرے بارے میں آپ!'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ گھر میں اس وقت کوئی بھی نہیں تھا اس لیے وہ بہت آرام سے بات کر رہی تھی۔

''سب سے پہلے اپنا نام بتایئے۔''

''خوبصورتی کا کوئی نام نہیں ہوتا۔'' اس بات پر وہ زور سے ہنسا تھا گویا بہت انجوائے کیا ہو۔

''ہیلن آف ٹرائے کو کچھ لوگ Bone of Contention (فساد کی جڑ) بھی کہتے ہیں کیونکہ کہ اس کی وجہ سے تباہی مچی تھی۔''

''اب آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ تباہی کا بھی کوئی نام نہیں ہوتا۔''

''نہیں...... اگر میں نے ایسا کہا تو آپ کہیں گے کہ یعنی ورلڈ وار کو ایویں ورلڈ وار کہتے ہیں۔''

اس بار پر اس کی کھلکھلاہٹ اتنی زیادہ تھی کہ ریسیور کو کانوں سے کچھ فاصلہ پر کرنا پڑا۔

''ویسے مجھے اسد ابتہاج خان کہتے ہیں۔'' وہ خود ہی اپنا تعارف کروانے لگا وانیہ کے جی میں آئی کہہ دے۔ ''میں بہت اچھی طرح سے جانتی ہوں'' مگر چونکہ اسے کوئی جلدی نہیں تھی اس لیے بولی۔

''کون کہتے ہیں''

''میرے فرینڈز......''

''میں آپ کی فرینڈ تو نہیں ہوں۔'' وہ عجیب بے خودی کے اثر میں بولی تھی۔

''تو پھر کون ہیں آپ؟ میری ہونے والی بیوی۔''

''خدانخواستہ...... آپ سے شادی کا مطلب ہے آدھی یونیورسٹی کو اپنی سوکن بنانا۔'' وہ بہت بولڈ تھی اس نے ثابت کیا۔ ایسی باتیں لڑکوں کو مزید شہہ دیتی ہیں۔ اس کی بات نے اسد ابتہاج صاحب کو مزید خمار میں مبتلا کر دیا۔

''اب اللہ نے وجاہت ہی اتنی دی ہے ویسے آپ نے مبالغہ آرائی کی حد کر دی۔ مجھ سے شادی کا مطلب آدھی نہیں پوری یونیورسٹی کو سوکن بنانا ہے۔''

''وری فنی۔''

''آئی ایم ناٹ فنی...... آئی ایم ہنی...... کبھی چکھ کر دیکھنا بہت میٹھا ہوں۔''

''زہر لگ رہے ہو ایسی باتیں کرتے ہوئے۔'' وہ تنک کر بولی۔

''تو پھر پی لو اس زہر کو۔'' اس بات پر وہ خاموش ہوئی۔ بلاشبہ اسے برا لگا تھا۔

''اچھا...... سوری یار...... اب رات کے گیارہ بجے ہیں۔ ایسے میں اتنی خوبصورت آواز سن کر انسان کب تک خاموش میں رہ سکتا ہے۔''

وہ پھر بھی خاموش رہی۔

''اے...... ناراض ہوگئی ہو کیا؟ کم آن میں خوبصورتی۔''

"We are friends--- arnt we"

وانیہ نے بہت خاموشی سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا آج کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ بھائی کے کمرے کی لائٹ آن ہو چکی تھی۔ اس کا مطلب ہے وہ آ گیا تھا۔ اماں ابا ایک ڈنر میں گئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ بھی آ جاتے ایسے میں اس کا اسد سے بات کرنا نامناسب تھا اسی لیے اس نے فون بند کر دیا تھا یوں بھی وہ کچھ زیادہ ہی شوخ ہو رہا تھا۔

وانیہ کے لبوں پر کچھ سوچتی ہوئی مسکراہٹ تھی اسے اسد سے بات کرنا اچھا لگا تھا۔ بہت مشکل سے ماہ رخ سے وہ یہ نمبر حاصل کر پائی تھی۔ بے وجہ اس نک چڑھی لڑکی سے دوستی کرنا پڑی اس کی خوشامد کرنا وانیہ کے لیے مشکل تھا مگر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس نے یہ کام کیا تھا۔ ماہ رخ کی ٹیلیفون انڈکس سے اس نے یہ دونوں نمبر بہت خاموشی سے نوٹ کیے تھے۔ تاکہ ماہ رخ کے ساتھ ساتھ ورنیہ اور ورشہ کو اس کی خبر نہ ہو سکے۔ کوئی بھی بات تسلیم کرنے کے لیے سب سے موثر گواہی دل کی ہوتی ہے اور اس کا دل چپکے سے اس کے کان میں بتا چکا تھا کہ اسد اس سے ہی محبت کرتا ہے اور وہ بھی اسد سے ہی محبت کرتی ہے۔

☆ ☆ ☆

''ایک بات پوچھوں؟'' اس نے رسمی علیک سلیک کے بعد پوچھا۔ وہ اب اکثر اسے فون کر لیتی تھی۔ اور اس نے اسے اپنا ایک فرضی نام بھی بتایا تھا۔

''پوچھ لو......'' وہ شاید کچھ کھا رہا تھا کیونکہ اس کی آواز سے لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی چیز چبا رہا ہے۔ وانیہ کو اندازہ ہوا تھا کہ کیمپس میں وہ جتنا ویل مینرڈ لگتا ہے حقیقت میں اتنا ہے نہیں۔

''کیا تم کسی سے محبت کرتے ہو؟''

''ہاں...... کرتا تو ہوں......'' اس نے جواب دینے میں لمحہ بھی نہیں لگایا۔

''کس سے؟'' دوسری طرف وانیہ کی سانس رک سی گئی تھی۔

''آف کورس یار! لڑکی ہی ہے۔''

''وہ بھی تم سے محبت کرتی ہے؟''

''معلوم نہیں...... مجھے دیکھ کر اس کی شکل ایسی ہو جاتی ہے جیسے ابھی رو دے گی۔''

''تم نے اسے بتایا نہیں کہ تم اس سے محبت کرتے ہو۔''

''منہ سے بتانا ضروری ہے کیا؟ میرا ایک ایک انداز اس بات کی گواہی دیتا ہے وہ عقل مند ہوگی تو خود سمجھ جائے گی۔''

''تم نے کسی اور کو اس بارے میں بتایا؟'' وانیہ اگلوانا چاہتی تھی سب۔

''کس بارے میں؟''

''یہی کہ تم کسی سے محبت کرتے ہو۔''

''نہیں۔''

''کیوں......؟'' وانیہ نے آنکھیں سکیڑی تھیں۔

''ضروری نہیں سمجھا۔''

''تمہیں کسی سے مدد لینی چاہیے تھی۔ مسکراتے ہوئے مشورہ دیا گیا۔

''مثلاً کس سے؟ اس کی اماں سے۔'' وہ ہنسا تھا۔ وانیہ بھی ہنس دی۔

''نہیں بلکہ اپنے ابا سے...... تاکہ وہ اس کے گھر تمہارا رشتہ لے جا سکیں۔''

''رشتہ؟'' اس سے میرا رشتہ کیسے طے ہو سکتا ہے؟''

وانیہ کے کانوں میں تحیر بھری آواز آئی۔

''کیوں......''

''میری دو ماہ کی بھانجی سے میرا رشتہ کیسے طے ہو سکتا ہے پاگل۔'' جیسے اس کی عقل پر ماتم کیا گیا۔

''واٹ...... بھانجی...... دو ماہ کی؟'' وانیہ نے کسی قدر خجالت محسوس کی۔

''ہاں یار...... بہت محبت ہے مجھے صوبائنہ سے مگر وہ تو میرے پاس آ کر بالکل خوش نہیں ہوتی۔ اب چپ کیوں ہو گئی ہو۔ دیکھو ایک تو مجھے تمہاری اس عادت سے سخت چڑ ہے۔ جلدی جلدی ناراض ہو جاتی ہو۔'' وہ شکوہ کر رہا تھا۔

''ناراض نہیں ہوں مگر اب فون بند کرتی ہوں۔ نیند آ رہی ہے۔'' اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

''ہائے نہیں پلیز...... ابھی نہیں...... ابھی تو مجھے بالکل نیند نہیں آ رہی۔ فون بند کر دیا تو میں کیا کروں گا۔ ابھی تو صرف ساڑھے دس ہوئے ہیں ابھی سے کیوں نیند آ رہی ہے تمہیں۔ دیکھو میں بہت اکیلا ہوں بہت بور ہو رہا ہوں۔ ایسے مت کرو میری اچھی سہیلی ہو نا؟'' وہ منت سماجت پر اتر آیا وانیہ ابھی بھی خاموش تھی۔

''او کے...... میں تمہیں سنجیدگی سے بتاتا ہوں ایک لڑکی کو پسند تو کرتا ہوں۔ بہت کیوٹ ہے بھولی بھالی سی مگر ایک دم کتابی کیڑا ہے۔ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے یا نہیں میں نہیں جانتا کیونکہ میری آج تک کبھی اس سے بات چیت نہیں ہوئی ایک بار بات ہوئی تھی وہ بھی خاصے ناخوشگوار ماحول میں۔ دعا کرنا بات بن جائے۔''

وانیہ بہت خاموشی سے اس کی باتیں سن رہی تھی اب تو کسی شک کی گنجائش رہ ہی نہیں گئی تھی یقیناً اسد اسی سے محبت کرتا تھا۔ اسے افسوس ہوا کہ اس نے ابتدا میں اس کے ساتھ ایسا رویہ کیوں اپنایا تھا۔

''اب ورشہ اور وانیہ کو یہ سب بتا دینا چاہیے۔'' اس سے بات کرتے ہوئے وانیہ نے دل میں طے کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

''سرعباس کی نئی اسائنمنٹ کا ٹاپک ذرا مختلف ہے کرسٹوفر مارلو کی ایبی گیل اور ہارڈی کی ٹیس کا تقابلی جائزہ دونوں ہی ٹریجک فگرز ہیں اور دونوں ہی کو بیک وقت معصوم اور چالاک قرار دیا جاتا ہے لیکن سرعباس نے کہا ہے کہ ان دونوں کرداروں کی الگ الگ خصوصیات کو ڈسکس کرنے کے بجائے ہمارا emphasize صرف اس بات پر ہونا چاہیے کہ ایبی گیل زیادہ معصوم اور خالص عورت تھی یا ٹیس......''

ورنیہ نے اپنے سامنے اس ٹاپک سے متعلقہ سارے لیکچرز ترتیب سے رکھتے ہوئے کہا۔ وہ تینوں لائبریری میں بیٹھی اسی اسائمنٹ کے متعلق بات کر رہی تھیں۔ جسے دو دن بعد لازمی سب مٹ کروانا تھا۔

''پارٹ ون میں بھی یہ دونوں کردار جان سے چمٹ کر رہ گئے تھے اور اب فائنل ائیر میں بھی پیچھا نہیں چھوڑ رہے۔''

وانیہ نے تساہل سے ٹانگیں کرسی پر چڑھاتے ہوئے کہا۔ ورشہ بھی کچھ سست لگ رہی تھی۔ ورینہ نے دونوں کو حیرت سے دیکھا۔ اسائنمنٹ سب مٹ کرواتے میں صرف دو دن تھے اور ان دونوں کا رویہ ہی سمجھ سے بالاتر تھا حالانکہ وہ دونوں کم از کم سرعباس کی اسائمنٹ کو ہمیشہ ہی بہت سنجیدگی سے تیار کرتی تھیں۔

''مجھے ایبی گیل سے زیادہ ٹیس پسند ہے۔ اسے زندگی میں زیادہ مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس کے باوجود اس کی ثابت قدمی دیکھنے کے قابل تھی۔ میرا خیال ہے ہم ٹیس کے کردار کو جسٹی فائی کریں گے۔''

اس نے ان کی لاپروائی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے کہا۔

''نہیں ورنیہ! ہم ایبی گیل کو جسٹی فائی کریں گے کیونکہ وہ زیادہ مصیبت کی ماری ہوئی تھی۔'' وانی نے اس کی بات کی تردیدی کی۔

''مصیبت کی ماری ہوئی؟ کیسے؟'' ورشہ بھی بحث میں کودی۔ ان کے درمیان اسائنمنٹ ہمیشہ ایسے ہی بنتی تھی۔ ٹاپک کے متعلق بہت تفصیل سے بحث ہوتی جس میں وہ تینوں ہی حصہ لیتی تھیں۔ وانیہ اسی وقت ضروری نکات کے نوٹس لے لیتی جنہیں بعد میں ورشہ تفصیل سے لکھ لاتی تھی۔ کمپوزنگ کی ذمہ داری ورنیہ کے سر ہوتی کہ اس کی ٹائپنگ اسپیڈ اچھی تھی۔

''اس کی ساری جنگ اپنے باپ کے خلاف تھی اور اپنے پیاروں کے خلاف لڑنے کے لیے زیادہ حوصلہ چاہیے ہوتا ہے۔ اس طرح کی صورتحال میں زیادہ ہمت درکار ہوتی ہے جو ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔''

وانیہ نے اپنی بات کی وضاحت کی۔

''اس اسائنمنٹ کے لیے بہادری اور جرات مندی کو ڈسکس نہیں کرنا ہے۔ بلکہ معصومیت اور شرافت کو ڈسکس کرنا ہے۔''

ورشہ نے ان کی توجہ اصل ٹاپک کی طرف مبذول کروائی۔ ''ایبی گیل ہی زیادہ معصوم تھی کیونکہ بہر حال اس نے زندگی میں کبھی بھی Prostitute (طوائف) بننا قبول نہیں کیا تھا۔ جب کہ ٹیس اپنی زندگی کے دوسرے فیز میں مسٹریس کے طور پر رہنا قبول کرتی ہے حالانکہ تب تک اس کی شادی ہو چکی ہوتی ہے اور وہ ماں بننے کے مرحلے سے بھی گزر چکی ہوتی ہے۔''

وانیہ کسی طور پر اپنے موقف سے ہٹنے کو تیار نہیں تھی۔ بات کرنے کے دوران اس نے ورنیہ کی فائل اٹھا کر اس کے لیکچر کے دوران لیے گئے نوٹس کا مطالعہ شروع کر دیا تھا۔

''ٹیس کو طوائف کہنا ایک دم غلط ہے۔ وہ بے چاری صرف اپنی ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لیے اس اقدام پر راضی ہوتی ہے کیونکہ اس کا شریف شوہر اسے چھوڑ کر برازیل چلا جاتا ہے۔ وہ ماں باپ شوہر اور سوسائٹی کی دھتکاری ہوئی عورت ہے جسے پناہ کے عوض اپنا سب کچھ کھونا پڑتا ہے۔ ایبی گیل ابتدا میں صرف اپنے باپ کی دولت کے حصول کے لیے اپنی مرضی سے نن بننا قبول کرتی ہے پھر دولت کے ملتے ہی سب ویسے ہی چھوڑ کر اپنے باپ کے پاس آ جاتی ہے وہ اپنے باپ کے پسند کیے ہوئے شخص کے ساتھ تنہائی میں وقت گزارنے پر رضامند ہو جاتی ہے۔ حالانکہ اسے ٹیس جیسی کوئی مجبوری نہیں ہوتی۔''

اپنی بات کی وضاحت کرتی ورنیہ نے رک کر سانس لیا تھا۔ ورشہ اس کی بات غور سے سن رہی تھی جب کہ وانیہ فائل میں گم تھی۔

''prostitution (طوائف) دو طرح کی ہوتی ہے۔ جسمانی اور ذہنی۔ اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ ایک عورت جو جسمانی طور پر تو اس لعنت سے محفوظ ہے مگر ذہنی طور پر اس کے خیالات بہت پراگندہ ہیں۔ کیا لازمی ہے کہ وہی عورت معتوب ٹھہرائی جائے۔ جو قسمت کے کسی بدترین حادثے کے باعث اپنی حرمت گنوا دے مگر اس کا دل بہت خالص ہو۔''

''تم شاید یہ کہنا چاہتی ہو کہ ریڈ لائٹ ایریا میں موجود تمام عورتیں چونکہ پیسہ کے لیے اس پیشے کو اپناتی ہیں اور پیسہ آج کے دور میں سب سے بڑی مجبوری ہے اس لیے وہ تمام عورتیں مجبور ہیں۔''

وانیہ نے اس کی بات کاٹ کر بہت طنزیہ انداز میں کہا۔

''نہیں وانیہ! میں یہ نہیں کہہ رہی یقیناً وہ عورتیں بری ہیں مگر وہاں بھی کچھ عورتیں ایسی ہوں گی جو دھوکے سے وہاں لائی جاتی ہوں گی۔ خیر یہ ایک لمبی کہانی ہے تم ان عورتوں کو کیسے جسٹی فائی کرو گی جو بہت مہذب ہیں جن کے چہرے سے معصومیت ٹپکتی ہے۔ مگر مرد کی قربت میں رہنے کے لیے ایسی شریف عورتیں جلدی تیار ہو جاتی ہیں لیکن چونکہ وہ سوسائٹی کی ایک اچھی کلاس سے تعلق رکھتی ہیں اس لیے انہیں کسی صورت طوائف نہیں کہا جا سکتا۔''

ورنیہ نے شاید بہت تفصیل سے اس موضوع کو پڑھ لیا تھا۔ اسی لیے اپنی رائے کا کھل کا اظہار کر رہی تھی۔

''معذرت کے ساتھ کہتی ہوں مگر وانیہ اگر ہم غور کریں تو بہت اچھی اچھی لڑکیاں اس قسم کے کاموں میں ملوث تو بہت نظر آتی ہیں جسے ہم بہت آرام سے Spritual Prostitution (ذہنی طوائفیت) کے

زمرے میں لا سکتے ہیں۔ یہاں اس کیمپس میں بہت سے لڑکے اور لڑکیاں ایسے ہوں گے جو ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ مگر اس محبت کا دورانیہ صرف اتنا ہی ہے۔ جتنا ان لوگوں کا اس کیمپس میں ایجوکیشنل کیریر' لڑکے ابھی اپنے پاؤں پر کھڑے نہیں ہیں۔ وہ اتنی جلدی شادی کر نہیں سکتے اور لڑکیاں انتظار کر نہیں سکتیں۔ وہ لوگ جانتے ہیں کہ وہ کبھی ایک نہیں ہو سکتے۔ ان کے راستے جدا ہیں مگر پھر بھی وہ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ وہ اس بات کا برملا اظہار کرتے ہیں۔ کہ وقت کا کیا بھروسا جب تک ہم اکٹھے ہیں تب تک تو محبت کر لیں پھر تم اپنے گھر ہم اپنے گھر۔ اسے مہذب زبان میں محبت کہتے ہیں مگر ایسی محبت گناہ ہے Prostition (بدکاری) کیا ہے؟ ایک عورت کا ایک مرد کو کسی جائز رشتے کے بغیر قربت کے لمحات فراہم کرنا اب اگر یہ جسمانی طور پر ہو تو گناہ ہے۔ مگر ذہنی طور پر بھی گناہ ہے۔ تم نے ان لڑکے لڑکیوں کو دیکھا ہے۔ جو ٹیلیفون پر یا نیٹ پر فرینڈ شپ کرتے ہیں اور پھر دھیرے دھیرے یہ دوستی محبت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس محبت کا نہ کوئی حاصل نہ وصول صرف چند لمحوں کا لطف...... دیکھا جائے تو یہ امر بہت تکلیف دہ لگتا ہے مگر ہے تو حقیقت نا......"

وہ خاموش ہو گئی تھی مگر ورشہ اور وانیہ تو جیسے اس کی باتیں سن کر شاک میں تھیں۔ اس نے بہت آرام سے ہر لڑکی کو ایک ہی کیٹگری میں لا کھڑا کیا تھا۔

"ایسی بات ہے ورنیہ! تو پھر ہم سب کیا ہیں۔ ہم جو لڑکوں کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اٹھتے بیٹھتے ہیں۔ ایک ساتھ سفر کرتے ہیں کیا ہم......"

وہ جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو گئی تھی۔

"میں بہت اچھی مسلمان نہیں ہوں۔ میں بہت ریگولر نمازی بھی نہیں ہوں۔ میں جانتی ہوں میری آؤٹ لک ویسٹرن ہے۔ میں نے کبھی یہ دعویٰ بھی نہیں کیا کہ میرا ہر کام شریعت کے مطابق ہوتا ہے۔ لیکن میں ایک بات جانتی ہوں۔ میری ماں نے یہ بات مجھے بچپن سے سمجھا دی تھی کہ جب مرد اور عورت تنہا ہوتے ہیں تو ان کے بیچ تیسرا نفس شیطان ہوتا ہے اور جہاں شیطان ہوتا ہے وہاں کچھ نہیں ہوتا۔ مجھے کچھ نہ ہونے سے بہت ڈر لگتا ہے۔ اور میں ہمیشہ ایسی صورتحال کو درگزر کرتی ہوں جہاں کچھ نہ ہو۔"

وہ دونوں بہت حیرت سے ورنیہ کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ ایسی باتوں کی امید کم از کم ورنیہ جیسی لڑکی سے نہیں کی جا سکتی تھی۔ بہت دیر تک خاموشی ان کے اردگرد محو رقص رہی۔ ورشہ ورنیہ کی طرف دیکھ رہی تھی جو آج بالوں کو تیل لگا کر بہت سختی سے باندھ کر آئی تھی۔ ڈوپٹہ بھی سر پر ڈال رکھا تھا۔ وانیہ اس کی فائل کھولے خاموشی سے صفحات پلٹ رہی تھی۔ اس ساری بحث میں اسائنمنٹ اور اس کا ٹاپک کہیں بہت پیچھے رہ گیا تھا۔

اسی دوران اسد ابتہاج خان داخلی دروازے سے اندر داخل ہوا تھا۔ وانیہ جانتی تھی اس کی متلاشی نگاہیں کیا کھوج رہی ہیں۔ اس نے اپنے آپ پر ایک سرسری نگاہ ڈالی اور پھر خود کو او کے کا سگنل دیا۔

"دولہا آف دا ڈیپارٹمنٹ تشریف لے آئے ہیں۔ ورشہ نے مسکرا کر دھیمی آواز میں کہا۔

"دولہا نہیں، دولہا بھائی کہو۔" ورنیہ اپنے مخصوص انداز میں بولی۔ وہ اب ویسی ہی ورنیہ لگ رہی تھی

جسے وہ دونوں جانتی تھیں۔ شوخ لا پروا منہ پھٹ۔

"تمہیں اس سے بھی محبت تو نہیں ہو گئی۔" ورشہ کے مذاق نے وانیہ کو عجیب سے احساس سے دوچار کیا۔ وہ ہونق بن کر ورنیہ کی شکل دیکھنے لگی۔ جو اپنی جون میں واپس آ رہی تھی۔

"سارے جوان اور خوبرو لڑکے میرے اسلامی بھائی ہیں اور مجھے سب بھائیوں سے محبت ہے۔"

وہ سابقہ انداز میں جواب دے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم کہاں جا رہی ہو؟"

"مجھے اس اسلامی بھائی سے کچھ کام ہے۔" وہ اپنے دوپٹے کو درست کر کے اس سمت چل دی جس سمت اسد گیا تھا۔ وانیہ نے کچھ ہکا بکا ہو کر اسے اور اس کے دوپٹہ درست کرنے والے اقدام کو دیکھا۔ اس کا ذہن مسلسل کام کر رہا تھا۔

"یہ اس سے ملنے کیوں جا رہی ہے اور اگر وہ اس سے ملنے جا رہی ہے تو ابھی چند لمحے پہلے یہ سب بکواس کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ آج کے زمانے میں اگر ہم یہ سوچنے لگیں کہ مرد اور عورت تنہا کچھ نہیں کر سکتے تو کر لی پاکستانی قوم نے ترقی جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مرد اور عورت کی دوستی نہیں ہو سکتیں۔ وہ ذہنی طور پر خود کو انیسویں صدی کے پسماندہ ماحول سے نکال ہی نہیں پائے۔ ورنیہ صاحبہ اسائنمنٹ ادھوری چھوڑ کر ایک لڑکے سے ملنے نہیں گئیں تو کیا فرشتے سے ملنے گئی ہیں اور فرماتی ہیں جہاں کچھ نہ ہو مجھے وہاں ڈر لگتا ہے۔"

اسے یہ بات زیادہ سلگا رہی تھی کہ اتنا بھاشن جھاڑنے کے بعد ورنیہ خود ایک لڑکے سے ملنے چل دی ہے اور لڑکا بھی کون اسد ابتہاج خان۔ ورشہ خود احتسابی میں پڑ گئی تھی۔ اس کے دل کو ورنیہ کی باتیں بھلی محسوس ہوئی تھیں مگر وہ خود آج کل جو کر رہی تھی وہ صحیح ہے یا غلط۔ اس کا ذہن فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔

"ورنیہ کیا کہہ رہی تھی وانیہ؟" اس نے جھکے ہوئے سر کے ساتھ کہا۔

"کچھ بھی نہیں یار...... جسٹ اے جگری پوکری (jiggerypokery) (دوغلا پن منافقت)

وہ نخوت سے سر جھٹک کر بولی۔ اس کی نظریں ابھی بھی داخلی دروازے پر لگی تھیں۔ جہاں سے لمحہ بھر پہلے ورنیہ اور اسد باہر گئے تھے۔

"میں اسد کو بتا دوں گی کہ اس سے اجالا کے فرضی نام سے باتیں کرنے والی لڑکی میں یعنی وانیہ ہوں۔"

اس نے تہیہ کیا تھا۔ وہ محبت کے اس کھیل کو ادھورا نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ کیونکہ وہ اتنا آگے جا چکی تھی کہ پلٹ کر آنا اس کے لیے بہت مشکل ثابت ہوتا۔

"زندگی میں کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہونا چاہیے جس کے حصول کے لیے انسان آخری حد تک جا سکے۔"

اس کے ذہن میں ابا کا قول گردش کر رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

''میں وانیہ ہوں۔'' اس نے جیسے زندگی کا بہت بڑا راز اگلا تھا۔ ورنیہ سے بحث کے بعد وہ اتنا محتاط ہوگئی تھی کہ آتے ہی اسد کو ساری حقیقت سے آگاہ کر دینا چاہتی تھی۔ اس نے اسد سے اپنی شناخت چھپائی تھی۔

''اگر میں اسے یہ نہیں بتاؤں گی کہ میں کون ہوں تو اسے کبھی پتا نہیں چل پائے گا۔ وہ میرے پہلے دن کے برے رویے کے باعث مجھ سے بات کرتے ہوئے جھجک رہا ہے اور اگر میں نے پہل نہ کی تو یہ جھجک بہت نقصان دہ ثابت ہوگی۔''

اس نے سوچا تھا۔ وہ اسے فون کرنے کے لیے بے تاب تھی مگر اس روز بھائی کو نیٹ سے کچھ میٹریل ڈاؤن لوڈ کرنا تھا اس لیے وہ بہت دیر تک نیٹ کنیکٹ کر کے بیٹھا رہا تھا۔ فون کرنے کی نوبت اگلے روز آئی اور اس نے رسمی علیک سلیک کے بعد فوراً اپنی پہچان ظاہر کر دی تھی۔

''میں جانتا ہوں اجالا کہ تم وانیہ ہو؟'' وہ خود حیران ہوگئی تھی۔

''ویری سمپل تمہاری باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ تم نے مجھے کیمپس میں دیکھا ہے۔ میں ابتدا ہی سے جانتا تھا کہ تم بھی یونیورسٹی گرل ہو۔ اب سوال یہ تھا کہ تمہارا ڈپارٹمنٹ کون سا ہے تو بھی بہت پہلے جان گیا تھا کہ تم انگلش ڈیپارٹمنٹ سے ہو۔''

''لیکن تمہیں کیسا پتا چلا؟'' اب کی بار وہ ذرا پرسکون تھی۔

''میرا موبائل نمبر تو میرے بہت سے فرینڈز کے پاس ہے لیکن میرے گھر کا فون نمبر صرف ماہ رخ کے پاس تھا جب تم نے مجھے بہت شروع میں بلینک کالز کرنا شروع کی تھیں تو سیل فون پر اور گھر کے فون پر تمہارا ایک ہی نمبر آتا تھا۔ اس لیے میں کچھ محتاط ہوگیا تھا۔ پہلے میں نے سوچا کہ تم ماہ رخ ہو مگر بعد میں یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ تم ماہ رخ نہیں ہو۔ میں نے اس سے اس بارے میں حقیقی بات چیت کی تھی تو اس نے بتایا کہ اس کی ٹیلی فون انڈکس صرف ایک لڑکی نے خود سے مانگ کر چیک کی تھی اور وہ لڑکی تم تھی۔'' وہ تفصیل سے بتا رہا تھا۔

''تمہیں برا تو نہیں لگا۔'' اس نے کچھ جھجکتے ہوئے اسد سے پوچھا۔

''کم آن یار! کیا ہم ایک دوسرے کو اتنا بھی نہیں سمجھ پائے کہ ایسے سوالات پوچھنے کی نوبت آئے۔''

''مجھے تم سے اس دن کے لیے ایکسکیوز کرنا چاہیے تھا۔''

نو سوری تو پلیز ہم اتنے فارمل کیوں ہو رہے ہیں۔''

''نہیں میں نے اس روز بہت بدتمیزی کی تھی۔ مجھے یقیناً ایکسکیوز کرنا چاہیے۔ میں اتنی بری لڑکی نہیں ہوں۔''

''میں جانتا ہوں تم بری لڑکی نہیں ہو بلکہ تم بہت اچھی لڑکی ہو۔ اسد کی چوائس بری نہیں ہوسکتی۔''

خوش فہمیوں میں گھری وانیہ کے لیے یہ بات گویا آدھا اقرار محبت تھا۔

''تم نے مجھے کبھی یونیورسٹی میں مخاطب کرنے کی کوشش نہیں کی؟'' وانیہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''یار! یونیورسٹی میں مناسب نہیں لگتا۔ لوگ نقطے سے کہانی بنا لیتے ہیں۔'' وہ آج کچھ زیادہ ہی موڈ

میں تھا۔ اس لیے بہت مہذب انداز میں بات کر رہا تھا ورنہ ان کا بیشتر ٹائم تو ایک دوسرے کو چڑانے میں گزر جاتا تھا۔

''بہت خوب ماہ رخ کے ساتھ بات کرنا مناسب ہے مگر میرے ساتھ نہیں۔'' بہت دن سے دل میں موجود شکوہ لبوں پر مچل آیا۔

''پلیز وانیہ! خود کو ماہ رخ کے ساتھ کمپیئر مت کرو۔ وہ وہ ہے تم تم ہو۔''

اس نے پہلی بار وانیہ کا نام لیا تھا۔ وانیہ کو اس کے منہ سے اپنا نام سننا بہت اچھا لگا۔ اس کے دل سے ہر وہم ہر خدشہ اور خیال مٹتا جا رہا تھا۔ من چاہے جیون ساتھی کا تصور اتنا خوش کن تھا کہ وہ زندگی میں طے کیے گئے باقی عزائم بھولتی جا رہی تھی۔

''ایسی کیا خاص بات ہے مجھ میں؟'' اس نے بہت ناز سے پوچھا۔

''تم بہت ذہین ہو پراعتماد اور ذمہ دار بھی۔ مجھے ماہ رخ نے بھی بتایا تھا اور تمہاری کلاس کے کچھ لڑکوں سے میری بہت اچھی دوستی ہے۔ وہ بھی تمہاری تعریف کرتے ہیں۔ ایسی لڑکیاں بہت پرعزم ہوتی ہیں اور پرعزم لڑکیاں اچھی بیویاں بنتی ہیں۔ میرے لیے تو فائدے کی بات ہے۔''

اس نے بہت ذومعنی بات کی تھی۔ وانیہ خاموش کی خاموش رہ گئی۔

''اب کیا ہوا...... خاموش کیوں ہو۔'' وہ ہنس کر کہہ رہا تھا۔

''اچھا بابا...... جسٹ کڈنگ یار...... اب کیا فرینڈز کے ساتھ مذاق بھی نہیں ہوسکتا۔ تمہارے ساتھ مذاق نہیں کروں تو کس کے ساتھ کروں۔''

وہ بہت ہلکے پھلکے انداز میں بات کر رہا تھا۔ وانیہ نے بات ٹالنے کی غرض سے اس کی پڑھائی ا. رمستقبل کی منصوبہ بندی کے متعلق بات شروع کر دی۔ وہ اس رات بھی بہت دیر تک باتیں کرتے رہے تھے۔ وانیہ نے بات ختم کرنے کے بعد جب فون رکھا تو گھڑی اڑھائی بجا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

''کیا بات ہے انارکلی! آج آپ بہت مضمحل دل گرفتہ اداس منتشر ذہن اور...... سوختہ جاں ا. ر دریدہ دل...... دریدہ اعصاب...... اور یار کوئی اور لفظ سوجھ ہی نہیں رہا اس لیے مختصراً یہ کہ بہت اپ سیٹ دکھائی دیتی ہیں۔ میں نے کہا اجی! خیریت تو ہے۔ راوی وہی لکھ رہا ہے ناں جو آج سے پہلے لکھا کرتا تھا یعنی چین. ، چین۔''

وہی ارمغان اور اس کی وہی بے تکی باتیں۔ اس نے ٹی وی سے نظریں ہٹا کر اسے گھورا۔

''گھورتی کیوں ہیں انارکلی! دراصل آپ ٹی وی پر خبرنامہ ملاحظہ کر رہی تھیں اس لیے ہمارے ذ؟ ن میں پہلا خیال یہی آیا کہ شاید آپ کی طبیعت کچھ ناساز ہے۔''

وہ مسخرے پن سے کہہ رہا تھا۔ ورشہ خاموشی سے قلم ہاتھ میں لیے ٹی وی کی طرف دیکھتی رہی۔ بھابھی اور امی مارکیٹ تک گئی تھیں۔ اس لیے وہ اس وقت لاؤنج میں نظر آ رہی تھی وگرنہ اس کا یہ وقت ا...

کمرے میں گزرتا تھا کیونکہ عام طور سے اس وقت ارمغان نعمان بھائی کے بیٹے کو لے کر ان کے یہاں آجاتا تھا۔ آج کل وہ ارمغان کا سامنا کرنے سے کتراتی تھی نجانے کیا بات تھی مگر اسے خوف تھا کہ اس کے دل کی چوری سب سے پہلے ارمغان ہی پکڑے گا۔

''کیا لکھ رہی ہو؟'' اس نے اس کے ہاتھ میں قلم دیکھ کر استفسار کیا۔

''وصیت لکھ رہی ہوں۔'' سپاٹ سے انداز میں اس نے جواب دیا۔

''پاگل! تمہارے پاس ہے ہی کیا کہ تم وصیت لکھو۔ وہ تو میں لکھوں گا۔ تمہیں میری جائیداد میں سے 1/8 حصہ ملے گا۔ بیوی کو اتنا ہی ملتا ہے نا۔''

''شٹ اپ ارمغان!'' وہ بے طرح چڑ کر بولی۔ ایسی باتوں سے وہ پہلے بھی چڑتی تھی مگر آج تو انداز ہی نرالا تھا۔ لحہ بھر کو تو ارمغان بھی چپ رہ گیا۔

''واہ اب تو انگریزی میں ڈانتی ہو۔'' خاموشی اور بدمزگی کے نادیدہ اثر کو زائل کرنے میں اس نے پہل کی۔

''سوری۔'' وہ شرمندہ نہیں تھی مگر پھر بھی معذرت کرلی۔

''اٹس اوکے...... ویسے ایک بات پوچھوں۔'' وہ عجیب سے انداز میں بولا۔

''میں جانتی ہوں تمہیں کیا پوچھنا ہے۔ ورشہ! تمہارا رنگ صاف لگ رہا ہے۔ کیا آج کل فیئر اینڈ لولی استعمال کررہی ہو یا پھر ورشہ تمہارا رنگ بہت کالا لگ رہا ہے کیا آج کل ضرورت سے زیادہ جلنا کڑھنا شروع کردیا ہے یا پھر ورشہ! میرے ایک ہومیوپیتھک ڈاکٹر دوست نے شرطیہ قد لمبا کرنے والی دوائی بنائی ہے۔ تمہیں چاہیے تو لادوں ہوسکتا ہے تمہیں یہ پوچھنا ہو کہ ورشہ! ہمارے محلے میں ایک بزرگ ہیں جو تعویذ لکھ کر دیتے ہیں تمہارے لیے اچھے رشتے کا تعویذ لادیتا ہوں۔ سنا ہے کالی لڑکیوں کی شادی بہت مشکل سے ہوتی ہے۔ یہی سب نا...... ہے نا ارمغان ایسی ہی کوئی بات پوچھنی ہوگی تمہیں۔''

ارمغان یک ٹک سے اسے دیکھ رہا تھا اور دیکھتا ہی جارہا تھا۔ اس کی ساری وقتاً فوقتاً مذاق میں کی گئی باتیں اسے کیسے ازبر تھیں۔ ورشہ کی نظریں اب بھی ٹی وی پر تھیں۔ ارمغان نے گہری سانس بھرتے ہوئے ٹی وی کی جانب نظریں مبذول کیے ورشہ پر نظر ڈالی۔ کبھی کبھی وہ اتنی لاتعلق اتنی اجنبی لگنے لگتی تھی کہ وہ خود ڈر جاتا تھا۔ گھر میں صرف زوار بھائی تھے وہ بھی ڈرائنگ روم میں اپنے دوست کے ساتھ تھے موقع اچھا تھا وہ اس سے اپنے دل کی بات کہہ سکتا تھا اور اس کی مرضی بھی جان سکتا تھا مگر جانے کیا بات تھی کہ مذاق میں ہر قسم کی بات کہہ دینے والا ارمغان آج ایک سنجیدہ بات کرتے ہوئے ڈر رہا تھا۔ قبل اس کے کہ وہ بولتا ورشہ بول اٹھی۔

''میں جانتی ہو میرا رنگ سانولا ہے۔ میرا قد چھوٹا ہے۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ ظاہری شخصیت بہت اہمیت رکھتی ہے۔ میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں کہ میں آپ سب لوگوں جیسی اچھی شکل وصورت کی مالک نہیں ہوں مگر...... مگر ارمغان زندگی گزارنے کے لیے صرف یہ چیزیں ہی ضروری نہیں ہوتیں۔ اگر میری ظاہری شخصیت اچھی نہیں ہے تو یقیناً اللہ نے مجھے کچھ نہ کچھ تو اندرونی خصوصیات دی ہوں گی۔ مجھے اب ایسی باتیں

پریشان نہیں کرتیں کہ میں زرشہ آپی جیسی خوب صورت نہیں ہوں۔ میں بھابھی جیسی سروقد شخصیت کی مالک نہیں۔ میں تمہارے ساتھ چلتی اچھی نہیں لگتی۔ تمہیں زوار بھائی کو یا نعمان بھائی کو یا کسی بھی اور کو اب میری وجہ سے کسی شرمندگی سے دوچار نہیں ہونا پڑتا ہوگا کیونکہ اب میں آپ کے ساتھ کہیں نہیں جاتی۔ آپ لوگوں کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ میں بھی آپ جیسی خوبصورت فیملی کا کوئی حصہ ہوں۔ میں سچ مچ آپ لوگوں کی آج تک ہونے والی بے عزتی جو آپ لوگوں کو میری وجہ سے سہنی پڑی، کے لیے معذرت خواہ ہوں۔''

اس کی آواز رندھی تھی نہ کوئی اپنائیت کا جذبہ غالب آیا تھا۔ اپنے سامنے بیٹھی ورشہ ارمغان کو اس ورشہ سے بہت مختلف نظر آئی جسے وہ آج تک جانتا تھا جسے وہ چڑاتا تھا کہ اس کی جھنجھلائی ہوئی شکل اسے اچھی لگتی تھی۔ وہ اسے ہمیشہ اپنی لگی تھی اور اپنوں کے ساتھ تکلف کون برتتا ہے۔ اس کے تو وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کے مذاق اور محبت بھری چھیڑ چھاڑ کو وہ اس سنجیدگی سے لیتی ہوگی۔ اس نے تو زوار بھائی اور نعمان بھائی کے ساتھ بھی رعایت نہیں برتی تھی۔ اس نے تو سوچا تھا کہ وہ آج اسے سب بتادے گا۔ شادی تو اس کی پڑھائی مکمل ہونے پر ہی ہوتی مگر منگنی تو ہوسکتی تھی یوں بھی وہ آفس کی جانب سے ماریشس جارہا تھا اور جانے سے پہلے وہ اپنی زندگی کا اہم ترین فیصلہ کرنا چاہتا تھا۔ ورشہ کی باتوں نے اسے حیران نہیں کیا تھا بلکہ وہ ششدر رہ گیا تھا اس نے سوچا تھا وہ خود ورشہ سے اس کی مرضی پوچھے گا کہ دل کے کسی گوشے میں سو فیصدی کامیابی کی امید تھی مگر اب اس کی کھری کھری باتیں سن کر وہ چاپ چاپ وہاں سے اٹھ آیا تھا۔

''کچھ باتیں بزرگوں کے بیچ ہی طے ہونی چاہیے۔'' گھر کی طرف ڈرائیو کرتے ہوئے اس نے سوچا تھا۔

☆ ☆ ☆

''میں ارمغان سے شادی نہیں کروں گی۔''

اس نے ایک بار پھر بہت آرام سے جواب دیا اس کے اس درجہ اطمینان نے زرشہ آپی کو سلگا دیا تھا۔ ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ ورشا نے فون کرکے اس مقصد کے لیے گھر بلایا ہے۔ خالہ امی نے دو دن پہلے ہی ورشہ کے لیے ارمغان کا باقاعدہ پرپوزل دیا تھا۔ سب ہی جانتے تھے کہ اس رشتے سے انکار نہیں ہوگا اور سب ہی بہت خوش تھے۔ امی ابو، زوار، بھابھی سب نے ہی تقریباً اس رشتے کی تائید کی تھی اگرچہ خالہ بھی جانتی تھیں کہ یہ صرف دنیا دکھاوے کے لیے ہے۔ ایسی مثبت صورت حال میں ورشہ کا اس طرح انکار کردینا ان کے لیے کسی دھماکے سے کم نہیں تھا۔ انہوں نے کمرے کے دروازے سے باہر جھانک کر بھابھی کی غیر موجودگی کی تصدیق کی پھر اس کے سامنے آکر بیٹھیں۔

''کیا میں آپ کے اس فیصلہ کی وجہ جان سکتی ہوں۔'' ان کے انداز میں لحہ بھر میں ہی ورشہ کو ان کی اندرونی کیفیت کا احساس دلادیا۔

''کیا ارمغان سے شادی نہ کرنے کے لیے کسی وجہ کا ہونا ضروری ہے آپی؟'' اس کے لہجہ میں محسوس کی جانے والی ہٹ دھرمی تھی۔

''ورشہ ایسی پاگل پن کی باتیں کیوں کر رہی ہو تم اس بات سے منکر ہو رہی ہو جو آج سے پانچ سات سال پہلے ہی طے کر لی گئی تھی۔ میں نہیں سمجھتی کہ تمہارے لیے یہ بات حیران کن ہے۔''

''آپی! بات حیران کن نہیں ہے بلکہ unaceptable (نا قابل قبول) ہے۔'' وہ دھیمی آواز میں بولی زرشہ آپی کو یکدم ہی کچھ کلک ہوا۔

''unacpetable (نا قابل قبول) اس میں unacceptable کیا ہے ورشہ! ارمغان اچھا خوش شکل لڑکا ہے۔ بہت اچھی پوسٹ پر ہے۔ گھرانہ بھی بہت اچھا ہے۔ میں نے وہاں چار سال گزارے ہیں۔ خالہ امی روایتی ساس جیسی نہیں ہیں۔ میری وجہ سے تمہیں کسی دیورانی جیٹھانی کے جھنجھٹ میں بھی نہیں پڑنا پڑے گا۔ ہم اسی خاندان میں رہیں گے ورشہ۔''

وہ گویا اسے لالچ دے رہی تھیں۔ ورشہ کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''یہی تو بات ہے آپی! میں اس خاندان میں ہی تو نہیں رہنا چاہتی۔ میں اس خاندان سے اس خاندان کے لوگوں سے ان کی روایات سے ان کی عادات سے سب سے دور جانا چاہتی ہوں۔ میں ایسی جگہ جانا چاہتی ہوں جہاں میری اپنی شخصیت ہو جہاں میری اپنی ایک پہچان ہو۔ جہاں کوئی میرا مذاق نہ اڑائے۔ میرے رنگ کا میرے چھوٹے قد کا۔ جہاں میری بات کی کوئی اہمیت ہو۔ مجھ سے مشورہ لیا جائے مجھ سے رائے مانگی جائے۔'' وہ سانس لینے کو رکی۔

''آپی! میں بھی تو انسان ہوں۔ میں بھی تھک سکتی ہوں اکتا سکتی ہوں ایسی باتوں سے، آپ لوگ کہتے ہیں کہ ورشہ بہت بیوقوف ہے زمانے کے ساتھ نہیں چل سکتی۔ اس کی شخصیت میں جھول ہے۔ آپ بتایئے آپی! میں ایسی ہوں تو کس کا قصور ہے۔ آپ لوگوں نے مجھے ایک میچور انسان سمجھا اور نہ ہی ایک میچور انسان بننے دیا۔ میں نے اگر کبھی آپ لوگوں کی کسی بات میں بولنا چاہا رائے کا اظہار کرنا چاہا تو مجھے ڈفر کہہ کر خاموش کروا دیا گیا۔ میری ہر بات آپ لوگوں کے لیے ایک لطیفہ ہے۔ جب سب کا ہنسنے کو دل چاہا تو مجھے ڈسکس کرنا شروع کر دیا۔ کیا میں ایک Laughing stock ہوں۔ کیا میں مسخرہ ہوں جوکر ہوں بھانڈ ہوں میں۔''

اس کی آواز میں نمی گھل رہی تھی۔ زرشہ آپی کو اس کی باتیں ایک معمہ لگ رہی تھیں۔

''آپ ہوں یا زوار بھائی نعمان بھائی ہو یا بھابی یا...... یا پھر ارمغان کبھی کسی نے میری کسی بات کو یا مجھے سنجیدگی سے لیا؟'' اب تو آپ کے بچے بھی مجھے بھولی خالہ یا بھولی پھپھو ہی کہتے ہیں۔ انہیں کس نے سکھایا؟ آپ نے، آپ سب نے۔ سب سے بڑھ کر ارمغان نے...... آپ کو پتا ہے آپی! میں ارمغان کے ساتھ ایک قدم نہیں چل سکتی۔ کجا پوری زندگی۔ میں اپنے آپ کو کبھی اس کے ساتھ مطمئن محسوس نہیں کرتی۔ اس کے سامنے بولتے ہوئے مجھے ہمیشہ یہ ڈر لگتا ہے۔ کہ وہ میری کوئی بھی بات پکڑ کر مجھے لمحوں میں سب کے سامنے مذاق کا نشانہ بنائے گا اور سب مجھ پر ہنسنے لگیں گے۔ ارمغان کے ساتھ چلتے ہوئے میں تو کہیں نہیں ہوتی۔ وہ مجھے دوسروں کے سامنے لطیفہ بنا کر کچھ اس طرح سے میری ذات پر حاوی ہوتا ہے کہ میں دب کر رہ جاتی ہوں۔ وہ خاموش ہو تب بھی بولتا ہے اور میں بولتے ہوئے بھی خاموش لگتی ہوں اور آپی...... اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میں

بول نہیں سکتی بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ لوگ سن نہیں سکتے۔ آپ لوگوں نے کبھی کوشش ہی نہیں کی سننے کی۔ آپ کے لیے ایک بے چاری سی چیز ہوں جس کے کوئی احساسات نہیں ہیں۔ کوئی جذبات نہیں ہیں۔ میں کیسے اپنا آپ منواؤں گی اتنے قابل لوگوں کے بیچ ارمغان کے ساتھ میری شخصیت ایسی ہی رہے گی نامکمل نا پختہ...... آپی! میں ہی...... بے چاری سی...... لطیفہ سی...... ارمغان کے ساتھ شادی کرنے کا مطلب ہے تمام عمر اپنی بقا اپنے وجود کے علیحدہ تشخص کے لیے ایک نہ ختم ہونے والی جدوجہد آپی...... میری بات عجیب ضرور ہو گی مگر غلط نہیں ہے۔ میں...... میں ارمغان سے شادی نہیں کروں گی۔''

وہ خاموش ہو گئی تھی اور زرشہ آپی کو لگا جیسے وہ خود اس کے سامنے کبھی بول نہیں پائیں گی۔ وہ سر جھکا کر بیٹھی ورشہ کو حیرانی سے دیکھ رہی تھیں۔ اس کے دل میں اتنا غبار جمع تھا کہ وہ خود اس کی زد میں آ گئی تھیں۔ اس نے جو کہا تھا سچ کہا تھا۔ اس کی ایک بھی بات غلط نہیں تھی۔ وہ سمجھ نہیں پائی تھیں کہ انہیں خاموش رہنا چاہیے یا اپنے دفاع میں کچھ الفاظ کہنے چاہئیں۔

ان کے درمیان خاموشی بہت اطمینان سے آ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس خاموشی کو بھی ورشہ نے ہی توڑا۔

''آپی! مجھے کسی سے کوئی شکایت نہیں ہے کوئی گلہ' کوئی شکوہ' بھی نہیں ہے۔ میں جانتی ہوں آپ کو میری بہت سے باتوں سے اتفاق نہیں ہوگا۔ آپ اپنی اسٹوڈنٹ لائف میں بہت اچھی ڈیبیٹر رہی ہیں۔ آپ مجھے رد کرنے کے لیے ایک ہزار ایک دلائل بھی دے سکتی ہیں مگر...... مگر آپی! مجھے اب کچھ نہیں سننا۔ میں آپ سب لوگوں کے لیے چھوٹی ہوں اور چھوٹی ہی رہوں گی چاہے اس گھر میں رہوں یا خالہ کے گھر میں۔ پلیز آپی ٹرائی ٹو گیٹ مائی پوائنٹ میں ایک مختلف ماحول چاہتی ہوں ایک علیحدہ ماحول...... جہاں کوئی زوار بھائی نہ ہوں جن کی ذہانت کا چرچا میری کم قابلیت کو گہنا سکے جہاں کوئی زرشہ آپی نہ ہوں جو اپنی خوب صورتی کے باعث مجھے کہیں نظر ہی نہ آنے دیں...... مائینڈ مت کیجیے گا آپی! مگر میں اپنی نئی زندگی ایک مختلف طریقے سے شروع کرنا چاہتی ہوں اور میں جانتی ہوں میں ایسا کر سکتی ہوں میں اتنی گئی گزری بھی نہیں ہوں آپی! میں نے اپنے کلاس فیلوز کو اپنی تعریف میں رطب اللسان دیکھا ہے۔ میرے نوٹس، میری اسائنمنٹس میرے جونیئرز بھی مانگ کر لے جاتے ہیں۔ کیونکہ ان پر ہمیشہ زیادہ مارکس لگے ہوتے ہیں اور یہاں پر...... اس گھر میں کوئی مجھ سے یہ بھی توقع نہیں کر رہا ہوتا کہ میں شیکسپیر کے نام کے اسپیلنگز صحیح لکھ پاؤں گی۔ شکل تو بہت ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ آپی! آپ لوگ مجھے میری کسی باطنی خوبی کو...... کبھی نہیں سراہ سکتے۔ میں ساری زندگی آپ لوگوں کے چند تعریفی الفاظ کے لیے ترستی رہوں گی جیسے بائیس سال سے ترس رہی ہوں۔ میں ساری زندگی اسی طرح نہیں رہنا چاہتی۔ آپی! ایک پودے کو بھی ان نیچرل طریقہ سے پروان چڑھائیں تو وہ درخت نہیں بن پاتا۔ میں تو پھر انسان ہوں۔''

دھاکہ پر دھاکہ والی صورتحال تھی۔ زرشہ آپی گنگ بیٹھی تھیں۔ ورشہ نے کچھ دیر انہیں دیکھا پھر قدرے دھیمی آواز میں بولی۔

''میں جانتی ہوں وہ آپ کا دیور ہے۔ آپ کو بھائیوں کی طرح عزیز ہے مگر آپی! میرا بھی آپ سے

کوئی رشتہ ہے میں امید کرتی ہوں۔ آپ میرا ساتھ دیں گی۔" ورشہ اٹھ کر باہر کی سمت چل دی تو زرشہ آپی نے اسے پکارا۔ ارمغان نے بہت پہلے انہیں کچھ باتیں ٹاپ سیکرٹ کہہ کر بتائی تھیں اور ان سے وعدہ لیا تھا کہ یہ باتیں وہ کبھی کسی کو نہیں بتائیں گی۔

"کبھی کبھی وعدہ خلافی میں بھی مصلحت چھپی ہوتی ہے۔" انہوں نے سوچا تھا پھر وہ بولیں۔

"تمہاری سب باتیں بالکل ٹھیک ہیں۔ میں تمہاری بات سے اتفاق کرتی ہوں اور میں تمہارا ساتھ دوں گی مگر ایک بات ضرور سن لو ورشہ! ارمغان تم سے جتنی محبت کرتا ہے اتنی محبت شاید کبھی تم سے کسی نے بھی نہیں کی ہوگی۔"

☆ ☆ ☆

"یار! ہمیشہ تم ہی مجھے فون کرتی ہو۔ کبھی میں نے نہیں کیا اور حقیقت یہ ہے کہ مجھے کچھ عجب بھی لگنے لگا ہے کہ بار بار تم ہی فون کرو۔ اگر تم مجھے اجازت دو تو میں تمہیں فون کرلیا کروں۔"

اس کے کانوں میں اسد کی بھاری مردانہ آواز نے رس گھولا۔ اسے اسد کا اس طرح سے پوچھنا اچھا لگا تھا مگر یہ فی الحال مناسب نہیں تھا۔

"تمہیں اجازت کی ضرورت تو نہیں ہے اسد مگر...... دراصل...... بات یہ نہیں ہے کہ میرے پیرنٹس کنزرویٹو ہیں بلکہ ہمارے گھر کا ماحول بہت براڈ مائنڈڈ ہے لیکن...... وہ پھر جھجکی' اسے بات مکمل کرنے کے لیے موزوں الفاظ ہی نہیں مل رہے تھے۔

"تم میرے کلاس میٹ نہیں ہو اگر تم میرے کلاس میٹ ہوتے تو تمہارا فون کرنا عجیب نہیں لگتا مگر ایسے...... وہ پھر خاموش ہوگئی اسد کو اس کی بات سمجھ میں آ گئی تھی۔

"اٹس او کے یار! اسی لیے میں نے تم سے پہلے پوچھنا مناسب سمجھا۔ آئی کین انڈرسٹینڈ۔ تمہیں زیادہ فارمل ہونے کی ضرورت نہیں ویسے اگر تم چاہو تو مجھے اپنے سیل فون کا نمبر دے سکتی ہو۔"

"میرے پاس سیل فون نہیں ہے۔" وہ شرمندہ ہوئی۔ اس بات کے لیے جس کے لیے شرمندہ ہونا ضروری نہیں تھا۔

"واٹ...... کیا کہا...... سیل فون نہیں ہے۔" وہ حیران ہوا پھر ہنسنے لگا۔

"یار! کیسی بڈھی روح ہو تم یو نو آج کے دور میں سیل فون کتنی ضروری چیز ہے۔ خاص طور سے ہم لڑکے لڑکیوں کے لیے جنہیں ایک دوسرے سے لیٹ نائٹ بات کرنا ہوتی ہے۔"

اس نے اپنی طرف سے بہت پتے کی بات کی تھی۔ وانیہ کو اس کی بات اچھی نہیں لگی۔

"ہم جیسے لڑکے لڑکیاں...... مطلب؟"

"ہم جیسے یعنی جوان انرجیٹک لوگ جنہیں دن بھر کے کام کاج کے بعد تھکن اتارنے کے لیے ایک ٹانک کی ضرورت ہوتی ہے جو انہیں نیند کی میٹھی وادی میں لے جا سکے۔ وہ وضاحت کر رہا تھا۔

"ٹانک...... مطلب۔" وانیہ نے پھر تحیر سے پوچھا تو وہ چڑ گیا۔

"اف...... ہر بات کا مطلب میں بتاؤں' دیکھو نا سمجھ لڑکی! تم گزشتہ دو' اڑھائی ماہ سے اسی طرح مجھے فون کرتی ہو۔ ہم اتنی دیر تک بات کرتے ہیں ایک دوسرے سے اپنی باتیں اپنی فیلنگز شیئر کرتے ہیں۔ پھر ہم سو جاتے ہیں' ہمیں کتنی اچھی نیند آتی ہے تو پھر ہماری آواز ایک دوسرے کے لیے ٹانک ہی ہوئی نا۔"

"بہت خوب اور اگر میں تمہیں فون نہیں کروں تو کیا تم کو اس روز نیند ہی نہیں آئے گی۔" بات نامناسب تھی اس لیے اس کا لہجہ بھی کچھ اکھڑ سا گیا۔

"اوہ کم آن وانیہ! اب تم ایک ہی دوست تو نہیں ہو میری جس روز تم فون نہیں کرتیں اس روز کوئی اور لڑکی فون کر لیتی ہے۔ تمہارے ساتھ بھی تو ایسا ہی ہوتا ہوگا جس روز میں تمہیں لائن پر نہیں ملتا۔ تم کسی اور دوست کو فون کر لیتی ہوگی۔"

وانیہ کو اس کے لہجے سے اپنے اندر سردی کی لہر اترتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"ایسا نہیں ہے اسد......! میں میں تمہارے علاوہ تو کسی اور کو فون نہیں کرتی۔ میں صرف تمہیں ہی فون کرتی ہوں۔"

اس کی آواز قدرے پست ہوئی تھی۔

"اس کی بھی ایک وجہ ہے۔ میں باتیں بہت اچھی کرتا ہوں اور میری آواز بہت اچھی ہے اور میں خود بھی بہت اچھا ہوں۔"

"اچھا۔" کا پہاڑہ پڑھتے ہوئے اس کا لہجہ اور بھی سرسری ہوگیا۔

"نہیں اسد! اس کی ایک اور وجہ ہے۔" اس نے گہرا سانس بھرا تھا۔ آر یا پار کچھ تو ہونا چاہیے تھا سو وہ کہنے لگی۔

"میں تمہیں صرف دوست نہیں سمجھتی۔" اس نے توقف کیا۔ اس نے اپنے آپ کو مشکل سے ہی سہی مگر تیار کر لیا تھا اقرار محبت کے لیے۔ اسے لگا تھا اسد عام مردوں کی طرح اس کے منہ سے سب سننا چاہتا ہے۔

"آئی لو یو۔"

"ہائیں...... کیا کہا...... پھر سے کہنا۔ مجھے آواز نہیں آ رہی۔" اس کی آواز میں مسخرہ پن بڑھ رہا تھا۔

"آئی ریلی لو یو...... آئی ریلی ڈو اسد!" محبت کرتی تھی تو شرمانا بے کار تھا۔

"زہے نصیب...... زہے نصیب شکریہ...... شکریہ آئی ایم ریئلی آنرڈ میم۔" وہ ابھی بھی سنجیدہ نہیں تھا۔ وانیہ عجب شش و پنج میں پڑ گئی تھی۔

"تمہیں یقین کیوں نہیں آ رہا اسد؟" اس نے بے چینی چھپاتے ہوئے کہا۔

"مجھے یقین بھی آ رہا ہے اور تم پر بہت پیار بھی آ رہا ہے۔ یو آر جسٹ اے نائس فرینڈ۔ اتنی عزت کرتی ہو اتنی محبت دیتی ہو۔ میری بہت سی فرینڈز ہیں وانیہ! مگر تم سب سے بہترین ہو۔ میں بھی تمہاری بہت عزت کرتا ہوں۔"

''محض عزت؟'' اس کے منہ سے سرسراتی سرگوشی نکلی۔ اس نے عزت کو محض کہہ کر بہت معمولی کر دیا تھا۔

''ارے مائی ڈیئر ڈول! عزت محض نہیں ہوتی۔ کوئی ایوں ہی تو کسی کی عزت نہیں کرتا کم از کم میں تو نہیں کرتا۔ مجھ سے تو اپنی ماں اور بہن کے علاوہ کسی کی بے وجہ عزت نہیں ہوتی۔''

وہ اتنی تلخ بات اتنے ہلکے پھلکے انداز میں کہہ رہا تھا۔ وانیہ کچھ لمحے تک کچھ بول ہی نہ پائی۔''

''ہیلو...... وانیہ...... سن رہی ہو۔'' اس کو زلزلوں کی زد میں لا کر وہ مزید چہکنے لگا تھا۔

''اسد پلیز بی سیریس۔ مجھے فرینکلی بتاؤ تم مجھ سے محبت کرتے ہونا۔'' وانیہ نے زندگی میں بھی اتنی لجاجت سے بات نہیں کی تھی۔

''ہاں ایک فرینڈ کی طرح میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ ایک فرینڈ کے علاوہ میں نے تمہارے بارے میں کبھی نہیں سوچا۔ میں تمہیں بالکل حقیقت بتا رہا ہوں۔''

وہ ایسے بات کر رہا تھا جیسے کسی تیسرے فرد کے بارے میں بات کر رہا ہو۔

''اسد! تم جھوٹ بول رہے ہونا، مذاق کر رہے ہونا؟'' وہ رو نہیں رہی تھی مگر رو رہی تھی۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا نکلنا ضروری تو نہیں ہوتا۔

''نہیں وانیہ! میں سنجیدہ ہوں۔ میں تمہیں کسی دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا۔ تمہیں کوئی غلط فہمی ہوگئی ہے تو پلیز اسے دور کر لو۔ تم میری بہت اچھی دوست ہو اور ہمیشہ میری دوست رہو گی۔''

''تمہیں اگر میرے ساتھ یہی سب کرنا تھا تو...... اتنے قریب ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ تم نے مجھے چیٹ کیا اسد! تم نے میرے ساتھ فلرٹ کیا۔''

''وانیہ! تم پاگل ہوگئی ہو۔ میں نے تم سے کب ایسا کچھ کہا اور میں نے کب...... واٹ ربش کیسے الفاظ استعمال کر رہی ہو تم...... چیٹ اور فلرٹ...... میں نے کب تم سے ایسا کچھ کہا؟ میں نے کب کہا کہ میں تم پر مرتا ہوں تمہارے لیے پاگل ہوں۔ کیا میں نے خود تمہیں فون کرنا شروع کیا تھا...... بولو جواب دو...... اب خاموش کیوں ہو؟ تم نے خود مجھے فون کرنا شروع کیا میرا قصور صرف اتنا ہے کہ میں نے تم سے عزت سے بات کر لی اور تم نے خود ہی سب فرض کر لیا۔ اس میں میری غلطی کیا ہے۔''

وہ اکھڑپن سے کہہ رہا تھا۔ وانیہ ششدر تھی۔ آندھی آئی تھی نہ طوفان مگر سیمنٹ کی مضبوط چھت اس کے قدموں تلے آ گئی تھی۔

''اگر میں نے خود ہی سب کچھ فرض کر لیا تو تم صبح صبح ہمارے ڈیپارٹمنٹ کیا کرنے آتے تھے۔ مجھے دیکھ کر تمہارا چہرہ کھل کیوں اٹھتا تھا۔ آنکھوں کی چمک کیوں بڑھ جاتی تھی۔ مسکرانے کیوں لگتے تھے۔ تمہارے سارے وجود سے خوشی کیوں چھلکنے لگتی تھی۔ تمہارا پور پور چلاتا تھا کہ اسد...... پور پور۔''

''اچھا...... اتنا کچھ ہوتا تھا...... حیرت ہے مجھے آج تک پتا ہی نہیں چلا۔'' وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا۔

''تم کتنی پاگل لڑکی ہو۔ تمہارے خیال میں اسد ابتہاج خان اتنا فارغ البال آدمی ہے کہ صبح صبح ایک لڑکی کے لیے کیمپس پہنچ جاتا ہے۔ ایک لڑکی کی وجہ سے اس کی پوری شخصیت لائم لائٹ میں آ جاتی ہے۔ تمہارے خیال میں تم انگلش ڈیپارٹمنٹ کی واحد خوب صورت لڑکی ہو۔ میرے لیے لڑکی کبھی مسئلہ نہیں رہی وانیہ! لڑکی اور بکری میرے لیے ایک بات ہے وانیہ۔ میں نے لڑکیوں کے لیے کبھی ہاتھ پاؤں نہیں مارے لڑکیاں خود ہی مکھیوں کی طرح میرے قریب آ جاتی ہے۔ اتنا دم خم ہے میری شخصیت میں' میں تمہیں ایک بات بہت واضح طریقے سے بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں کبھی کسی لڑکی کے لیے کسی ڈیپارٹمنٹ نہیں گیا۔ میرا تعلق جس کلاس سے ہے نا وہاں لڑکا لڑکی ریلیشن شپ اتنا محدود نہیں کہ گرل فرینڈز ڈھونڈنے کے لیے تعلیمی اداروں کو کھنگالنا پڑے۔ تم اپنے ذہن سے یہ خوش فہمی نکال دو کہ میں تمہارے لیے ڈیپارٹمنٹ آتا تھا۔ میرے اس ڈیپارٹمنٹ میں بہت اچھے اچھے دوست ہیں۔ تم لوگوں کے سر عباس میرے فادر کے فرسٹ کزن ہیں۔ ماہ رخ میری بہن کی سسٹر ان لاء ہے۔ میری اس سے بہت اچھی انڈرسٹینڈنگ ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود اگر تمہیں یہ لگتا ہے کہ میں تمہارے لیے آتا تھا یا آتا ہوں تو وانیہ! تم خوش فہمی کے ساتویں آسمان پر ہو جہاں سے تمہیں سوائے تمہارے کوئی واپس نہیں لا سکتا۔ وانیہ! سن رہی ہونا۔''

''ہاں...... سن رہی ہوں مگر کاش نہ سن سکتی۔'' وہ بہت تھکے ہوئے لہجے میں بولی۔

''کام آن وانیہ...... ایسے مت کہو۔ ہم دوست ہیں۔ ہم دوست رہیں گے۔'' وہ بھی جیسے اس ساری گفتگو سے زچ ہو گیا تھا۔

''کیوں؟ وجہ؟ کس لیے؟ کیا جواز ہے ہماری دوستی کا؟''

وہ تڑخ کر بولی۔

''تم مجھے پسند کرتی ہو۔ میں تمہیں پسند کرتا ہوں۔ تم میری کمپنی کو انجوائے کرتی ہو میں تمہاری کمپنی کو انجوائے کرتا ہوں۔ ہم ایک دوسرے کے ساتھ اچھا وقت گزارتے ہیں۔ بلیو می وانیہ! تمہارے ساتھ ہوتے ہوئے میں ذہنی طور پر بہت ریلیکس فیل کرتا ہوں۔ تمہارے ساتھ ہوتے ہوئے میں سکون و سرور کی وہ کیفیت محسوس کرتا ہوں جو میں کسی اور گرل فرینڈ کے ساتھ محسوس نہیں کرتا۔''

وہ شاید کچھ اور بھی کہہ رہا تھا مگر وانیہ میں سننے کی ہمت نہیں تھی۔ اس نے بہت خاموشی سے کارڈلیس کو کارپٹ پر پھینک دیا اور دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اپنے بستر پر آ گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ کبھی کسی مردہ شخص کے لیے بھی اتنا نہیں روئی تھی جتنا اس زندہ شخص کے لیے رو رہی تھی۔ اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔''

''Prostitution دو طرح کی ہوتی ہے۔ ذہنی اور جسمانی۔ ایک عورت جو جسم فروشی نہیں کرتی مگر......''

اس کا ذہن کچھ سوچنے کو تیار نہیں تھا۔ ورنہ نے اسے جب یہ باتیں کہی تھیں تو اس نے فرسودہ خیالی اور جگری پوکری (دوغلاپن) کہہ کر ان سب باتوں کو ذہن سے جھٹک دیا تھا۔ کیونکہ ان دنوں اس کے دل و دماغ

پہ محبت کا دائرس حملہ آور تھا۔ وہ محبت کی اونچی پینگ سے اتنی گہرائی میں گری تھی کہ جتنی شاید پاتال کی گہرائی ہو۔ ہر روشن اور واضح لگنے والی چیز پر آگہی کا دھندلا ملفوف پردہ آ گیا تھا اور دھندلے ملفوف پردے میں چھپی ہر چیز واضح ہو کر سامنے آ گئی تھی۔ جو حقیقت تھی۔ وہ دیکھ نہیں پائی تھی اور جو وہ دیکھ پائی تھی۔ وہ حقیقت نہیں تھی۔ افسوسناک بات یہ تھی کہ وہ کسی کو بھی الزام نہیں دے سکتی تھی کیونکہ جو کیا تھا۔ اس نے اپنی مرضی اور منشاء کے تحت کیا تھا۔ وہ دودھ پیتی بچی نہیں تھی جسے کوئی انگلی پکڑ کر اس بحرظلمات میں لے آیا تھا۔ وہ پاتال میں آ گری تھی اور پاتال میں سب اپنی حماقتوں' غلطیوں اور نادانیوں کے باعث ہی گرتے ہیں۔

''میں طوائف نہیں ہوں۔ میں طوائف تو نہیں ہوں۔'' وہ سسک رہی تھی اور چلا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

''تم میری بات سمجھ ہی نہیں پائیں ورنیہ۔'' اس نے جیسے بہت تھک کر کہا تھا۔ ورنیہ کے اطمینان میں رتی برابر فرق نہیں آیا۔ وہ پہلے کی طرح سکون سے بیٹھی منہ میں ڈالی چیونگم کے ببلو بنانے اور پھوڑنے میں مصروف تھی۔ اس کا انداز نشست بھی پہلے کی طرح ڈھیلا ڈھالا تھا۔

''میں سمجھ بھی کیسے سکتی ہوں ورشہ! تمہاری یہ سب بکواس میرے سر پر سے گزر گئی ہے۔ علیحدہ تشخص اپنی پہچان اپنا آپ منوانا عزت نفس...... تو بہ ایسی تقریر تو قائداعظم نے قیام پاکستان کے وقت بھی نہیں کی ہو گی۔''

وہ چبا چبا کر بول رہی تھی۔ اس کی نظریں سامنے روڈ پر لگی تھیں جہاں کچھ افغانی بچے کھڑے تھے۔

''صرف باتیں کرنا ہمشیہ سے بہت آسان رہا ہے اگر تمہیں میرے جیسے حالات کا سامنا ہوتا تو پھر پوچھتی۔'' وہ کسی قدر چڑ کر بولی پھر ورنیہ کو لاپروائی سے ٹانگ ہلاتا دیکھ کر چیخی۔

''میں تم سے کہہ رہی ہوں ورنیہ۔''

''میں سن رہی ہوں ورشہ...... میں بہت بچپن سے یہی سب سن رہی ہوں تمہاری یہ بکواس زرشہ آپی کے لیے نئی ہو گی میرے لئے تو پارلیمنٹ کی باسی پرانی تقریر کی طرح ہے کوئی انوکھا اچھوتا خیال نہیں کوئی نیا پن نہیں۔ یہ تمہاری بچپن کی عادت ہے جب بھی کوئی نیا کام شروع کرنے لگتی ہو اسی طرح خدشات پھیلاتی ہو۔ خود بھی پریشان ہوتی ہو دوسروں کو بھی پریشان کرتی ہو؟''

وہ سادہ لفظوں میں اپنی بچپن کی سہیلی کی بے عزتی کر رہی تھی۔ وہ دونوں یونیورسٹی بس کا انتظار کر رہی تھیں۔ وانیہ کو پیاس لگی تھی اس لیے وہ ڈیپارٹمنٹ میں پانی پینے گئی تھی۔ امتحانات نزدیک تھے اس لیے حاضری نہ ہونے کے برابر تھی۔ وہ خود بھی بہت دن کے بعد آج اکٹھی ہوئی تھیں۔

''نیا کام؟ یہ کوئی نیا کام نہیں ہے۔ یہ زندگی بھر کا معاملہ ہے۔ یہ میری شادی کی بات ہے ورنیہ! یہ یونیورسٹی ڈیپارٹمنٹ یا کالج کا چناؤ نہیں ہے۔ یہ ناپسندیدہ رنگ کے لباس کی بات بھی نہیں ہے کہ گھر والے جو کہہ دیں گے وہی حرف آخر ہو گا۔ اب بھی مجھ سے میری رائے نہیں لی جائے گی تو پھر کب...... تو پھر کب ورنیہ......''

اس کے الفاظ حلق میں کہیں اٹکنے لگے تھے۔ اس دوران وانیہ بھی مضمحل طبیعت اور ملگجے لباس کے ساتھ واپس آ چکی تھی۔ اس کی آنکھیں بھیگی بھیگی سی لگ رہی تھیں۔

''آنکھوں میں اتنی جلن تھی میں نے سوچا پانی کے چھینٹے ڈال لوں۔'' کسی نے استفسار نہیں کیا تھا مگر وہ صفائی دینے والے انداز میں بولی۔

''کیا میرا میری زندگی پہ صرف اتنا حق ہے کہ میں روز کا مینیو سلیکٹ کروں۔ کیا میری رائے آج کیا پکے گا یا کیچپ کس برانڈ کی خریدی جائے جیسے سوالوں کے لیے ہی اہم رہ گئی ہے۔''

''زرشہ آپی! آپ فکر مت کریں۔ آپ کے سامنے اس نے اپنے نادر خیالات کا اظہار پہلی بار کیا ہے۔ مجھ سے تو وہ ایسے شکوے کرتی رہتی ہے۔'' اس نے انہیں تسلی دی تھی جبکہ ان کا خیال تھا وہ کسی میں انٹرسٹڈ ہے۔

''ورشہ اور انٹرسٹڈ؟ نو وے آپی! آپ کی بزدل بہن ایسے دلاوروں والے کھیل نہیں کھیل سکتی۔'' وہ سنجیدہ ہونے کو تیار ہی نہیں تھی مگر اب ورشہ کا انداز دیکھ کر وہ پہلی مرتبہ ٹھٹھکی۔

''ورشہ! کیا ارمغان سے شادی نہ کرنے کی صرف ایک یہی وجہ ہے۔ تم اس ماحول سے نکلنا چاہتی ہو کیونکہ یہاں تمہاری کوئی قدر، اہمیت نہیں ہے۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔ ورشہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی وہ ورشہ سے کچھ چھپا نہیں سکتی تھی۔

''ہاں...... تو اور کیا...... اس کے علاوہ تو......'' وہ اٹک اٹک کر بولی۔

''نہیں ورشہ! بات یہ نہیں ہے۔ میں مان ہی نہیں سکتی کہ تم سچ کہہ رہی ہو۔'' اس نے گہرا سانس بھر کر کہا تھا۔

''تم ارمغان سے شادی نہ کرنے کی اصل وجہ بتاؤ۔ کوئی وجہ ہو گی یقیناً کوئی وجہ ضرور ہو گی۔ کوئی یونہی تو اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی نہیں مارتا۔''

''وجہ تو ہے۔'' ورشہ نے آخر تسلیم کر ہی لیا تھا۔ اسے ورنیہ جیسے راز دار مددگار دوست کی معاونت کی اشد ضرورت تھی۔

''وجہ کا نام بتانا پسند کریں گی آپ'' وہ بھڑکی نہیں تھی مگر اس کا انداز بہت طنزیہ ہو گیا تھا۔

''ہشام حیدر۔'' اس کے منہ سے سرگوشی نکلی تھی مگر اس سرگوشی نے بھی ورنیہ کو ہلا کر رکھ دیا۔

''واٹ...... ہشام حیدر...... وہ...... وہ تمہارا نیٹ فرینڈ؟'' ورشہ کچھ نہیں بولی کبھی کبھی خاموشی میں بھی ہزار ہا اعترافات چھپے ہوتے ہیں۔

''مائی گاڈ...... مجھے یقین نہیں آ رہا۔ تم اتنی پاگل کیسے ہو گئی ہو۔'' وہ شاکڈ تھی۔

''میں پاگل نہیں ہوں!'' ورشہ بہت سکون سے بولی۔

''ہاں...... تم پاگل نہیں ہو مگر تم دوسروں کو پاگل کر دو گی۔ تم ارمغان سے اس لیے شادی نہیں کرنا چاہتیں کیونکہ تم...... تم...... وہ بھی ہشام حیدر کے ساتھ مائی گاڈ...... ہشام حیدر وہ جسے تم نے صرف ایک بار دیکھا

ہے وہ بھی تصویر میں...... آئی کانٹ بلیو اٹ۔''

وہ گہرے صدمے کی کیفیت میں تھی۔ اسے اپنی دوست سے اتنی کم عقلی کی توقع کبھی بھی نہیں رہی تھی۔

''تمہارے یقین کرنے یا نہ کرنے سے یہ حقیقت بدل تو نہیں جائے گی۔ میں نے اسے ایک بار دیکھا ہو یا سو بار کیا فرق پڑتا ہے۔ اصل بات تو یہ ہے وہ میرے لیے اہم ہے اور مجھے اس سے محبت ہے۔''

اس کے اتنی ہٹ دھرمی سے کہنے پر وانیہ نے بھی حیرت سے اسے دیکھا۔ اس کا خیال تھا دنیا میں صرف ایک بے وقوف پیدا کی گئی ہے۔ جو وہ خود ہے مگر ورشہ کی بات سن کر اسے اندازہ ہوا تھا کہ وہ تنہا نہیں تھی۔ اللہ نے اس کی جڑواں بہن بھی پیدا کی تھی۔

''اصل بات یہ بھی ہے ورشہ کہ ارمغان تم سے محبت کرتا ہے۔ آج سے نہیں پچھلے کئی سالوں سے۔''

وہ اور ورشہ بچپن کی سہیلیاں تھیں گھر بھی آنا جانا تھا۔ ورنیہ کو اس کے گھر کے متعلق بھی سب پتا تھا۔

''ارمغان کی بات مت کرو وہ ایک نان سیریس لڑکا ہے۔ ہوسکتا ہے ابھی میں اس کے حق میں فیصلہ دوں تو وہ انکار کرتے ہوئے کہہ دے کہ وہ صرف مذاق کررہا تھا۔

ورشہ نے ہاتھ سے ناک پہ بیٹھی مکھی اڑانے کی کوشش کی۔ یونیورسٹی بس کی تاخیر ان کی بحث کو طول دے رہی تھی۔

''تمہیں اپنے کزن سے زیادہ اس شخص کی بات کا یقین ہے جسے تم صرف ایک سال سے جانتی ہو۔ میں تو اسے جاننا بھی نہیں کہوں گی محض شناسائی بھلا اس ڈیجیٹیل دنیا کا بھی کوئی اعتبار ہے۔ آپ ایک شخص کے بارے میں وہی کچھ جانتے ہیں جو وہ آپ کو خود اپنے منہ سے بلکہ اپنی انگلیوں سے ٹائپ کر کے بتا دیتا ہے۔ تم بس اس کے ٹائپڈ لفظوں سے امپریس ہوگئیں۔ تم ایک یونیورسٹی گرل ہو کر صرف باتوں سے کیسے فیسی نیٹ ہوسکتی ہو۔''

ورنیہ کو تو جیسے اردگرد کی بھی پروا نہیں تھی۔ صد شکر کہ آج لوگ ہی بہت کم آئے تھے۔ بس کا انتظار کرتے کرتے وہ فٹ پاتھ پر بیٹھ چکی تھیں۔ یہ سڑک کیمپس کی اندرونی ٹریفک کے لیے مخصوص ہونے کے باعث اتنی مصروف نہیں ہوتی تھی اسی لیے لوگ وہاں بیٹھ کر انتظار کرنے کے علاوہ گپ شپ بھی لگا لیتے تھے کھا پی بھی لیتے تھے اور سارے افیئر زپر بآسانی نظر بھی رکھ لیتے تھے۔

''یہ فیسی نیشن نہیں ہے۔'' ورشہ قطعیت سے بولی۔

''نہیں نہیں۔ یہ فیسی نیشن ہو کیسے سکتی ہے۔ یہ تو خالص محبت ہے جس میں تم گرفتار ہوچکی ہو۔ خالص محبت اس ہشام حیدر کے لیے جس کے متعلق تم کچھ نہیں جانتیں۔ اس کا کردار کیا ہے اس کا تعلق کس خاندان سے ہے۔ تمہیں اس کے وئیرا باؤٹس کے متعلق اتنی سی معلومات بھی نہیں ہے۔ تم اس کی شناخت کے بارے میں اتنی ہی لاعلم ہو جتنی کہ بقیہ چودہ کروڑ عوام میں سے کسی بھی شخص کے بارے میں ہوسکتی ہے۔ تمہارے لیے ایک ہشام حیدر ار ایک ہزار ہشام حیدر سب برابر ہوں گے تم اس قابل بھی نہیں ہو ورشہ! کہ لائن میں

کھڑے صرف دس لڑکوں میں سے ایک ہشام حیدر کو پہچان سکو۔''

''ایسی بات نہیں ورنیہ! ایسی بات قطعاً نہیں ہے۔ میں لاکھوں کروڑوں کے مجمع میں سے بھی ہشام کو پہچان سکتی ہوں۔ میری اس کی ایسوسی ایشن ایک دن یا ایک مہینہ پر محیط نہیں ہے ہم پچھلے ایک سال تین ماہ سے اتنی ہی attention (توجہ) devotion (لگن) سے ایک دوسرے سے بات کررہے ہیں۔ میں دودھ پیتی بچی نہیں ہوں کہ اتنے عرصے میں ایک شخص کو پہچان یا سمجھ بھی نہ سکوں۔''

اس نے قدرے نرم پڑتے ہوئے بات مکمل کی تھی۔ اسے ورنیہ کی بہت مدد درکار تھی۔

''محبت کی اس وادی میں چرنے والے سب گدھوں کو شاید اتنی ہی ہری ہری سوجھتی ہوگی جتنی کہ تمہیں اس وقت سوجھ رہی ہے۔ جسے آپ attention اور devotion کہہ رہی ہیں میں اور بہت سے دوسرے لوگ اسے محض کار بیکاراں قرار دیتے ہیں۔ اس توجہ اور لگن میں کون سی سینس استعمال ہوتی ہے۔ یہ بتا سکتی ہیں آپ مجھے اگر تم مجھ سے یہ کہتیں کہ تم نے اس شخص کو اپنے سامنے اپنی آنکھوں سے دیکھا یا کبھی فون پر ہی بات کی اور تم اس کی محبت میں گرفتار ہوگئیں تو میں اس جذبے اور اس حقیقت کو تسلیم بھی کرتی۔ ارے جس ریلیشن شپ میں کوئی حس ہی استعمال نہیں ہوئی۔ اسے کیسے جسٹی فائی کروگی تم۔''

ورنیہ چبا چبا کر بول رہی تھی۔

''جسٹی فائی کرنے کی ضرورت بھی کیا ہے تم کبھی اس طرح سے بات نہیں کرتیں اگر تمہیں خود کبھی کسی سے محبت ہوتی۔ تم میری جگہ ہوتیں تو تمہیں اندازہ ہوتا کہ ایسی لطیف باتیں جسٹی فائی کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ محبت کوئی قانون ہے نہ نظریہ کہ جس کا وجود قائم رکھنے کے لیے تقریریں کی جائیں۔''

اپنی طرف سے ورشہ نے بات یہیں ختم کردی تھی مگر ورنیہ مزید تلملا گئی۔

''ماشاء اللہ یعنی چت بھی میری پٹ بھی میری...... بہت خوب مس ورشہ! اگر محبت میں تقریر کی اہمیت نہ ہوتی تو کم از کم تم ارمغان کی محبت کی قدر ضرور کرتیں۔ اس نے کبھی اپنے منہ سے نہیں کہا کہ وہ تمہیں پسند کرتا ہے تو کیا تمہیں آج تک پتا چلا؟۔ میں اگر تمہاری جگہ ہوتی تو سب سے پہلے اسی کی محبت کا اعتراف کرتی کیونکہ میں جذبے پہچاننے کی صلاحیت رکھتی ہوں۔ مجھے محبت اور معصیت (گناہ) کا فرق بخوبی پتا ہے۔''

''پلیز ورنیہ! اتنے سخت الفاظ تو استعمال نہیں کرو۔'' اس نے ورشہ کو کہا تھا مگر وانیہ تڑپ کو بولی تھی اس کی آنکھوں کی نمی اور سرخی میں اضافہ ہورہا تھا۔ ورنیہ نے خاموش سلگتی ہوئی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

''یہ مصیبت ہی تو ہے۔ آپ خود سے ہی سب فرض کرلیں کہ فلاں شخص جو آپ سے ذرا مہذب ہو کر بات کررہا ہے۔ وہ آپ سے محبت کرتا ہے۔ وہ آپ سے خود کچھ نہیں کہتا مگر آپ کا ذہن اتنا زرخیز ہے کہ سب کچھ خود بخود سوچ لیتا ہے۔'' ورنیہ نے لہجے کی سختی پر ذرا کی ذرا قابو پا کر کہا۔

''میں نے خود سے فرض نہیں کیا ورنیہ! اس نے ہزارہا مرتبہ مجھے آئی لو یو کہا ہے جب کوئی لڑکا کسی لڑکی سے I want to be with you کہتا ہے تو کیا مطلب ہوتا ہے۔ اس کا۔''

''اس کا مطلب ہے وہ لڑکا اس لڑکی سے فلرٹ کرنے کی کوشش کررہا ہے۔ آج اس نے تم سے

ایسے کہا ہے۔کل معذرت کے ساتھ کہہ دے گا کہ اس کی فیملی اجازت نہیں دیتی وہ شادی نہیں کرسکتا۔اس کی ایک درجن بہنیں ہیں یا پھر وہ اکنامکلی ویک ہے۔ایسی ہزار ہا باتیں لڑکوں کو رٹی ہوئی ہوتی ہیں کیونکہ اس طرح ٹکرانے والے لڑکے محبت اپنی مرضی سے کرتے ہیں مگر شادی ہمیشہ پیرنٹس کی مرضی سے کرتے ہیں۔''

ورشہ کی بات کاٹ کر ورنیہ بہت تلخی سے کہہ رہی تھی۔اس کے روٹ کی بس آگئی تھی۔اس نے بہت تیزی سے اپنی فائل اٹھا کر ہاتھ میں پکڑی۔

''مجھے مزید کچھ نہیں کہنا سوائے اس کے کہ ہشام حیدر سے شادی کرنے کے لیے تمہیں میری لاش پر سے گزرنا پڑے گا۔''

وہ بس میں سوار ہوکر منٹوں میں یہ جا وہ جا وانیہ نے خاموش بیٹھی ورشہ پر ایک نظر ڈالی تھی۔

''کتنی منافقت ہے دنیا میں' لوگ جس چیز کا پرچار ساری زندگی کرتے آئے ہوتے ہیں۔ایک لمحے میں خود ہی اس سے منکر ہو جاتے ہیں۔تم نے ٹھیک کہا تھا وانیہ......''

''نہیں ورشہ! میں نے کبھی کچھ ٹھیک نہیں کہا۔میری کسی بات پر یقین مت کرو۔'' اس کا منہ ورشہ سے بھی زیادہ لٹکا ہوا تھا۔

''تم بھی وہی کہو گی جو ورنیہ کہہ رہی ہے۔سب ہی یہی کہیں گے۔''

''ورشہ! ایک بات کہوں اگر تمہیں اس سے سچ مچ محبت ہے اور تمہیں لگتا ہے کہ وہ بھی تم سے محبت کرتا ہے تو اس سے واضح اور دوٹوک انداز میں بات کرو۔اس سے کہو تمہارے گھر پر پوزل بھیج دے یہی بہتر طریقہ ہے۔''

خود چوٹ کھائی ہو تو مرہم لگانے کا طریقہ بھی آ جاتا ہے۔وانیہ کی آواز بہت دھیمی اور لہجہ پرسوز تھا۔اس کی آنکھوں کی بڑھتی نمی کو ورشہ نے بغور دیکھا۔

''مجھے یہ بات اپنے منہ سے کرنا مناسب نہیں لگتا۔میں جانتی ہوں وہ مجھے پسند کرتا ہے۔اسے مجھ سے محبت ہے مگر اس کی کچھ مجبوریاں ہیں۔تم یہ مت سمجھنا کہ میں چونکہ خود اس میں انوالو ہوں اس لیے اس کی بے جا فیور کر رہی ہوں۔نہیں وانیہ......میں ایسا نہیں کر رہی بلیومی وہ بہت اچھا ہے۔''

''میں سمجھتی ہوں ورشہ! ہم لڑکیاں بہت بیوقوف ہوتی ہیں۔ہمیں اچھے برے کی تمیز نہیں ہوتی مگر ہم خود کو بہت افلاطون سمجھتے ہیں کہ ہمیں کوئی چیٹ نہیں کرسکتا۔ہم لوگوں کو بہت اچھی طرح پہچان سکتے ہیں مگر......''

وہ جان بوجھ کر لحہ بھر خاموش ہوئی کیونکہ اس کے حلق میں آنسوؤں کا ذائقہ گھل رہا تھا۔

''وانیہ! تم رو رہی ہو......تم میرے لیے رو رہی ہو وانیہ! پلیز ایسا مت کرو۔''

ورشہ کے خیال میں اس جیسی لڑکی کی آنکھ میں آنسو صرف اسی وجہ سے آ سکتے تھے۔وہ خاموشی سے چپ چاپ آنسو بہاتی رہی پھر اس نے آنکھوں کو بے دردی سے رگڑ کر مسکرانے کی کوشش کی۔

''میں تمہارے لیے دعا کروں گی۔تم اس سے ضرور صاف بات کرلو۔ایسے معاملے والدین طے
ں تو زیادہ بہتر رہتا ہے۔''

اپنا غم چھپا کر وہ اسے مشورہ دے رہی تھی۔

''وہ کچھ مصروف ہے۔آج کل آن لائن نہیں ہوتا۔لیکن جیسے ہی وہ آئے گا۔میں اس سے یہی بات سب سے پہلے کروں گی۔'' ورشہ نے کہا۔

''تم نے کبھی اس سے فون پر بات نہیں کی؟'' وانیہ نے مسکرا کر پوچھا تھا ورشہ بھی مسکرا دی۔

''نہیں۔''

''دل بھی نہیں چاہتا اس کی آواز سننے کو؟''

''چاہتا تو ہے......بہت چاہتا ہے مگر......تمہیں بتایا تھا نا وہ اسلام آباد میں رہتا ہے۔میں اسے کال کروں گی تو بل پر نمبر آ جائے گا پھر گھر والوں کو کیا جواب دوں گی۔'' وہ اس لمحہ وانیہ کو بہت بے بس لگی۔

''کیا نمبر ہے اس کا تم کہو تو میں تمہاری طرف سے اس سے بات کروں۔'' وہ دل سے ورشہ کی مدد کرنا چاہ رہی تھی۔ورشہ نے کچھ اچنبھے سے اسے دیکھا پھر دل ہی دل میں کچھ طے کر کے بولی۔

''اوہ ہاں ضرور......یہ تو بہت ہی بہتر رہے گا۔میں تو ویسے بھی جلدی کنفیوز ہو جاؤں گی۔'' اس لمحے وانیہ کو بہت حیرت ہوئی جب اس نے ورشہ کو بلش ہوتے دیکھا۔

''میرے پاس گھر کا فون نمبر نہیں ہے مگر سیل فون کا نمبر ہے۔'' اس نے بیگ سے ایک چھوٹی سے ڈائری نکالی کچھ جھجکتے اور مسکراتے ہوئے اسے نمبر دکھایا۔

''مائی گاڈ ورشہ! یو آر بلشنگ۔'' وہ بہت دیر بعد کھل کر ہنسی تھی مگر نمبر پر نظر پڑتے ہی جیسے کسی نے اس کی مسکراہٹ پر تالا لگا دیا تھا۔

''یہ یہ ہے نمبر؟'' اس نے بہت مشکل سے استفسار کیا تھا۔ورشہ کی نظر اس کے چہرے پر تھی ہی نہیں ورنہ وہ ضرور چونکتی۔وانیہ نے اسے ڈائری واپس کر دی تھی۔نمبر اس نے نوٹ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔کیونکہ یہ نمبر اسے بہت اچھی طرح سے ازبر تھا۔

''ہشام حیدر......اسلام آباد......ہے نا......'' اس نے ورشہ سے پوچھا تھا۔

''ہاں۔'' ورشہ نے مسکرا کر جواب دیا۔وانیہ کو مسکرانے کے لیے بہت دقت اٹھانا پڑی تھی۔وہ نمبر اسلام آباد کا تھا ہی نہیں وہ لاہور کا کنکشن تھا۔

☆ ☆ ☆

''جب مرد اور عورت تنہا ہوتے ہیں تو ان کے درمیان تیسرا نفس شیطان ہوتا ہے۔اور جہاں شیطان ہوتا ہے وہاں کچھ نہیں ہوتا۔

اس کے کانوں میں بہت پہلے کہی گئی ورنیہ کی بات گونجی تھی۔ورنیہ نے جب یہ بات اس سے کہی تھی تو اس نے فرسودہ خیالی کہہ کر اس بات کو ذہن سے جھٹک دیا تھا مگر اب صورت حال بدل چکی تھی۔

''تم نے بالکل ٹھیک کہا تھا ورنیہ! جہاں شیطان ہوتا ہے وہاں کچھ نہیں ہوتا۔''

اس نے بھائی کے کمرے کی طرف دیکھ کر خود کلامی کی۔بھائی کے کمرے کی لائٹ آج بھی آن تھی۔

وہ خود دس منٹ پہلے ہی اس کے کمرے سے اپنے کمرے میں آئی تھی۔ وہ ایک دن پہلے ہی ہاؤس شیٹ سے فارغ ہوا تھا اور اب ریلیکس کرنے کے لیے ایک انگلش مووی دیکھ رہا تھا۔ مسلسل بیٹھ کر پڑھنے کے باعث اس کا وزن کچھ بڑھ گیا تھا۔ اس لیے وہ رات کو کھانا کھانے کے بجائے پاپ کارن کھانا چاہتا تھا۔ اس نے وانیہ سے فرمائش کی تھی کہ وہ اسے پاپ کارن بنا دے مگر وہ کچن میں جانے کے بجائے اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

"ہشام حیدر...... اسلام آباد" وہ ایک بار پھر بڑبڑائی۔ اس نے وہی موبائل نمبر دہرایا تھا۔ وہ ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں اٹکی تھی کیونکہ یہ نمبر اسے بہت اچھی طرح یاد تھا یہ نمبر اس کے اپنے بھائی وہاج کے سیل فون کا نمبر تھا۔ ورشہ نے جب یہ نمبر اسے دیا تھا تو وہ فوراً پہچان گئی تھی۔

محبت کے جس میدان میں وہ اور ورشہ جڑواں بہنیں ثابت ہوئی تھی۔ محبت کے اسی میدان میں وہاج اور اسد بھی جڑواں بھائی ثابت ہوئے تھے۔ وہ وہاج سے پینتالیس منٹ کی ایک لاحاصل بحث کر کے نکلی تھی۔ اس بحث سے پہلے بھی وہ بخوبی جانتی تھی کہ اس کا بھائی ویسا ہی مرد ثابت ہوگا جیسا ورنیہ نے ورشہ کے سامنے اسے پورٹرے کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے ہشام حیدر کو جتنا برا کہا تھا وہاج اتنا ہی برا تھا۔

"یہ حشام حیدر کون ہے وہاج؟" اس نے اس کے کمرے میں داخل ہو کر پوچھا تھا۔ وہ چونکا نہ گڑبڑایا بلکہ ٹی وی سکرین سے لمحہ بھر کو نظریں ہٹا کر اسے دیکھا پھر بولا۔

"کون؟...... کس کی بات کر رہی ہو؟"

"ہشام...... ہشام حیدر؟"

"آئی ڈونٹ نو...... ارے ہاں یاد آیا...... یہ میری یاہو کی ID ہے۔ میں اس نک سے چیٹ کرتا ہوں۔"

وہ بہت سرسری انداز میں بولا تھا۔ اس کی ساری توجہ سلمیٰ ہائیک کی طرف مبذول تھی۔

"بہت بورنگ کام ہے یہ چیٹنگ وغیرہ...... ہے نا۔"

اس نے لہجے کو مزید سرسری کیا۔

"ہاں یار...... حد سے زیادہ بورنگ...... لڑکیاں تو Netizen (نیٹ کی دنیا کی باسی) بن ہی نہیں سکتیں۔ ایموشنل ہو جاتی ہیں یار۔"

"کیوں؟ ایموشنل کیوں ہو جاتی ہیں۔" اس نے جان بوجھ کر اس موضوع میں اپنی دلچسپی ظاہر کی۔

"ایک شخص ذرا عزت سے بات کر لے تو سمجھتی ہیں ان سے عشق کرنے لگا ہے۔ اب دنیا اتنی ڈیجیٹل ہو چکی ہے کہ ایسے جذبات بے کار لگنے لگتے ہیں۔ الجھن سی ہونے لگی ہے۔"

"تم تو لڑکیوں میں بہت پاپولر لگتے ہو۔ کسی نے آئی لو یو تو نہیں بول دیا۔"

وہ مسکرائی تھی۔ کس دقت سے مسکرائی تھی۔ اس کا دل جانتا تھا جبکہ وہاج تو باقاعدہ ہنس دیا۔

"کم آن وانیہ! آئی لو یو بول دینے سے کیا ہو جاتا ہے۔ میں خود بہت سی لڑکیوں سے ایسے کہہ دیتا ہوں۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ میں ان کی محبت میں سچ مچ گرفتار ہو چکا ہوں۔ اور پھر لڑکیاں بھی ایسی باتوں کو

سنجیدہ کب لیتی ہیں۔ وہ خود بھی یقیناً جھوٹ بولتی ہوں گی۔ نیٹ ورلڈ ایک اور طرح کی دنیا ہے تم نہیں سمجھو گی۔ یہاں وہی جذباتی ہوتے ہیں جو احمق ہوں۔"

"تم سمجھاؤ تو سہی۔" وہ بضد تھی۔ وہاج نے ایک نظر اسے دیکھا پھر ریموٹ سے ٹی وی کی آواز آہستہ کر دی۔

"اب دیکھو نا میری نیٹ پر تیرہ لڑکیوں سے اچھی سلام دعا ہے۔ سات سے اچھی دوستی ہے اور تین سے اتنی اچھی دوستی ہے کہ میرا سیل فون کا نمبر بھی ان کے پاس ہے۔ ان میں سے ایک سے تو تقریباً ایک سال سے چیٹ ہو رہی ہے۔ اس کی تصویر بھی میرے پاس کہیں کسی فائل میں پڑی ہوگی۔ میں نے بھی اپنی تصویر اسے دے رکھی ہے۔ جانتی ہو کون سی تصویر؟ یہ والی۔"

اس نے دیوار پر لگے ایک چھوٹے سے پوسٹر کی طرف اشارہ کیا جس میں ایک معروف ماڈل کسی شرٹ کی ماڈلنگ کر رہا تھا۔ یہ تصویر وہاج نے ایک بہت پرانے میگزین سے کاٹ کر اس کا فل اسکرین پرنٹ آؤٹ نکال کر فریم کروائی تھی۔ کیونکہ یہ اسے بہت پسند تھی۔ وانیہ نے ایک نظر ماڈل کی طرف دیکھا اور پھر بھائی پر نظر ڈالی۔ عام سی شکل وصورت والا بھائی جو آج سے پہلے اسے شہزادہ لگتا تھا اس ماڈل کے سامنے یکدم بہت ہی عام لگنے لگا حالانکہ آج سے پہلے تو ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔

"میں نے کبھی کسی لڑکی کو اپنی اصلیت نہیں بتائی۔ نام اور شہر کا نام بھی نہیں اس کے باوجود میں سب ہی کو آئی لو یو بول دیتا ہوں۔ وہ بھی مجھے ایسا کہہ دیتی ہیں لیکن آئی لو یو یا آئی وانٹ یو یا آئی مس یو کہہ دینے سے کیا ہو جاتا ہے۔ لڑکیاں بھی بیوقوف تو نہیں ہیں آج کل کی...... محبت وہ بھی اس ایج میں لفظوں سے نہیں ہوتی۔ کسی نے کہہ دیا کہ مجھے آپ سے محبت ہے تو محبت ہو گئی۔"

وہ مذاق اڑانے والے انداز میں ہنسا۔

"نہیں وہاج! ایسا نہیں ہوتا...... لڑکیاں تو بہت معصوم ہوتی ہے اور وہ......"

"ماشاءاللہ...... میں قربان اس معصومیت پر۔" اس نے وانیہ کی بات کاٹی۔

"تمہارے خیال میں اگر میں نیٹ پر کسی لڑکی سے آئی لو یو کہہ دیتا ہوں تو وہ محبت کرنے لگے گی...... کس سے محبت؟ اپنے کمپیوٹر سے؟ پاگل ہو تم۔"

اس کی استہزائیہ مسکراہٹ مزید بڑھ گئی۔

"یہ ایسا ہی ہے جیسے آپ ایک مشین سے محبت کر رہے ہوں۔ کوئی اپنے کمپیوٹر سے محبت کر سکتا ہے تو پھر وہ اپنی واشنگ مشین سے بھی محبت کر سکتا ہے۔ وہ اپنے جوسر بلینڈر سے بھی محبت کر سکتا ہے۔ یہ صرف ٹائم پاس (مشغلہ) ہے۔ وانیہ...... مائی ڈیئر سسٹر...... جب تک کوئی لڑکی مہربان ہے محبت سے بات کر رہی ہے۔ تب تک ٹھیک ہے مگر وہ اس طرح سنجیدہ ہو جائے جیسا کہ تم کہہ رہی ہو...... آئی مین یہ محبت وحبت کی طرح کی حماقت تو پھر اللہ حافظ...... وہ اپنے گھر ہم اپنے گھر۔"

"تم تو اسد سے بھی بڑے ایکسپلائٹر نکلے۔" اس نے دل ہی دل میں کہا۔

''اسی لیے میں اپنی صحیح شناخت ظاہر نہیں کرتا اور ویسے بھی ضرورت کیا ہے۔ اس طرح سے ملنے والی لڑکیاں کبھی کسی کے ساتھ مخلص ہو سکتی ہیں؟۔ سب کی چھوڑو اپنی بات کرو۔''

وہ لمحہ بھر کے لیے رکا' وانیہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا وہ کیا کہنے والا تھا کیا اسے اسد کے بارے میں پتا چل چکا تھا۔

''کیا تمہیں کبھی کسی سے ایسے محبت ہو سکتی ہے۔ آئی ایم شیور...... نہیں ہو سکتی کیونکہ میں جانتا ہوں۔ میری بہن پاگل نہیں ہے۔''

وانیہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اپنے بھائی کے اس قدر مان پر کیا کہے۔

''میری بہن مجھے پاپ کارن بنا کر دے سکتی ہے۔''

اس نے گویا بات ہی ختم کر دی تھی اور یوں بھی سب کچھ تو واضح تھا۔ اس کے بھائی کے مقدس خیالات اور ورشہ کا مستقبل۔ وہ خاموشی سے اٹھ گئی۔

''تم اس قدر خالص محبت ڈیزرو ہی نہیں کرتے وہاج۔''

اس نے کچن میں آتے ہوئے ایک بار پھر خود کلامی کی۔ وہ ورشہ سے کیا کہے گی۔ کس طرح سمجھائے گی۔ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی مگر وہ اس کے درد کو بہت اچھی طرح سمجھ سکتی تھی۔ وہاج کی باتیں اسد کی باتوں سے زیادہ مختلف تو نہیں تھیں۔ اس کے سامنے سب کچھ واضح ہوتا جا رہا تھا اور جو چیز سب سے زیادہ واضح ہو کر سامنے آئی تھی وہ ورنیہ کی فلاسفی آف لائف تھی۔

''**Prostitution** دو طرح کی ہوتی ہے...... جسمانی اور ذہنی...... معذرت کے ساتھ...... بہت اچھی اچھی لڑکیاں اس قسم کے کاموں میں ملوث ہوتی ہیں۔ جسے ہم **Sprirtual Prostitution** کے زمرے لا سکتے ہیں۔ اسے عرف عام میں محبت کہتے ہیں۔ مگر اس طرح کی محبت کا نہ حاصل نہ وصول۔

اس کے ذہن میں ورنیہ کی باتیں مسلسل گونج رہی تھیں۔ ان سب باتوں کو تب اس نے jiggery pokery (دوغلا پن) قرار دیا تھا۔ اس کا خیال تھا۔ ورنیہ خود اسد میں انٹرسٹڈ ہے۔ اس لیے صرف اسے بدظن کرنے کے لیے ایسی باتیں کر رہی ہے۔ ورنیہ نے تب بھی بالکل صحیح کہا تھا اور اب ورشہ کو ارمغان کے لیے رضا مند کرتے ہوئے بھی وہ صحیح سمت میں سوچ رہی تھی۔

''تم نے بالکل ٹھیک کہا تھا ورنیہ! مگر کچھ لوگ اتنے بدقسمت ہوتے ہیں کہ کچھ باتیں تب تک سمجھ نہیں پاتے جب تک خود ان کا تجزیہ نہ کر لیں۔''

اس نے سوچا تھا کہ وہ میکر کا سوئچ لگانے کے بعد اس میں کارن ڈالنے لگی۔

''ذہنی طور پر پرسکون ہونے کے لیے کچھ ہائی فائی قسم کی عیاشی ضرور ہونی چاہیے۔''

''اتنی ٹف پڑھائی کے بعد کچھ لمحے تو ہوں جو انسان سرشاری اور مدہوشی کی کیفیت میں گزار سکے۔ پاکستان میں گرل فرینڈ کا کونسیپٹ ضرور متعارف کروایا جانا چاہیے۔''

وہاج اکثر کہتا تھا اور تب وہاج اس کا آئیڈیل تھا اسے اپنے بھائی کی ہر غیر مناسب بات بھی

مناسب لگا کرتی تھی۔ میکر کا بٹن آف کر کے وہ پاپ کارن نکالنے لگی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ وہاج کے پاؤں بھی پڑے کہ وہ ورشہ سے شادی کر لے تو وہ کبھی بھی یہ شادی نہیں کرے گا۔ شادی ابھی یا کبھی بھی اس کی ترجیحات میں شامل نہیں رہی تھی۔

''شادی کا کیا ہے یار! کسی بھی لڑکی سے کی جا سکتی ہے۔ بس اسے سوسائٹی میں موو کرنا آتا ہو۔ بیوی ایسی ہونی چاہیے جو شوہر کے کانٹیکٹس میں اضافہ کر سکے اس کے بزنس کو اس کی پی آر کو بڑھا سکے۔''

وہ اکثر اپنے شاہی خیالات کا اظہار کیا کرتا تھا۔

''بدقسمت تم نہیں ورشہ! بلکہ میرا بھائی ہے۔''

اس نے آخری خود کلامی کی تھی۔ وہ میکر کا سوئچ سمیٹ کر دوبارہ بیڈروم میں آ گئی تھی۔ اسے ایک بہت ضروری کال کرنی تھی اور اس سے بھی پہلے وہ وہاج کے کمرے میں جا کر اس کے کمپیوٹر میں موجود تصویر دیکھنا چاہتی تھی کہ آیا وہ ورشہ کی ہی ہے یا نہیں۔

''وہاج! اپنا p.c کچھ دنوں کے لیے میرے بیڈروم میں رکھوا دو۔''

پاپ کارن دیتے ہوئے اس نے کہا۔ ٹی وی پر ابھی بھی سلمٰی ہائیک جلوہ افروز تھی۔

☆ ☆ ☆

''ارمغان کو چاہیے کہ میرے پاؤں دھو دھو کر پیئے۔''

''تمہارے پاؤں......؟ مگر ارمغان کی شادی تو ورشہ سے ہوئی ہے۔''

وانیہ کو ورنیہ کی اس بے تکی بات کا مطلب قطعاً سمجھ میں نہ آیا تھا۔ ورنیہ نے اسے یوں گھورا جیسے اس کی کم عقلی پر بہت غصہ آیا ہو۔

''شادی تو اس نے ورشہ سے ہی کی ہے مگر ورشہ کو تیار کس نے کیا؟ میں نے...... اگر میں ورشہ کو اپنی لاش پر سے گزرنے والی مخصوص دھمکی نہ دیتی تو وہ کبھی یہ شادی نہ کرتی۔ تم مانو یا نہ مانو مگر یہ میری دھمکی کا ہی نتیجہ ہے۔''

وہ بضد تھی۔ موو کلر کے ڈریس میں سجی سنوری ورنیہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ مگر اس کا بات کرنے کا وہی مخصوص انداز وانیہ کو غصہ دلا رہا تھا۔ ورنیہ اونٹ کی طرح پورے لان میں نظر دوڑا رہی تھی۔

''قسم خدا کی میں نے آج تک اتنا بورنگ فنکشن اٹینڈ نہیں کیا۔ کوئی ڈھنگ کا ہینڈسم لڑکا ہی نہیں ہے۔ سب کے سب زوار بھائی کی عمر کے آدمی ہیں اور اللہ جھوٹ نہ بلوائے تو سب ہی زوار بھائی کی طرح ملنگ آدمی ہیں۔ ڈھنگ کی ڈریسنگ نہ اسٹائل اور غضب خدا کا تو ند کے معاملے میں سب ہی بہت بدقسمت ثابت ہوئے ہیں بلکہ خوش قسمت کہنا زیادہ مناسب ہو گا۔ سب ہی پریگنینٹ لگ رہے ہیں۔''

وانیہ کوک پی رہی تھی۔ بہت مشکل سے اپنی کوک کو گرنے سے بچا سکی۔ اس کے منہ سے ہنسی رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ اس دوران ایک خوبرو سا شخص ورنیہ کے پاس آ کر کچھ کہنے لگا۔ وانیہ ٹشو پیپر سے منہ صاف کر کے اسٹیج کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

زنک کلر کے عروسی لباس میں بھاری زیورات اور میک اپ کے ساتھ ورشہ ولیمہ کی دلہن بنی بیٹھی تھی۔ بیزاری اور بے چینی جو شادی سے پہلے وہ اس کے چہرے پر دیکھتی تھی۔ ایک دن میں ہی غائب ہو چکی تھی۔ ارمغان کی صرف ایک دن کی سنگت نے ہی اس کے چہرے پر اتنے رنگ بکھیر دیے تھے کہ اب اس کے چہرے سے نظر نہیں ہٹ رہی تھی۔ ارمغان آج شاید اپنے آپ کو بہت خوش قسمت تصور کر رہا تھا۔ اس کی بتیسی ہی اندر نہیں جا رہی تھی۔

''سدا خوش رہو۔'' اس نے دل ہی دل میں نظر اتار کر ان دونوں کو دعا دی تھی۔

''تم کم عقل ہی نہیں کم فہم اور...... اور کم بخت بھی ہو۔'' ورنیہ کی تیز آواز نے اسے چونکا دیا تھا۔ وہ استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی جو خفگی سے منہ پھلائے بیٹھی تھی۔

''ایک اتنا ہینڈسم لڑکا تمہارے پاس آیا اور آ کر چلا بھی گیا تم نے نظر اٹھا کر نہ دیکھا۔''

اس کے لہجے میں ملامت ہی ملامت تھی۔

''کون...... کس کی بات کر رہی ہو؟'' اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی گویا یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا تو گناہ ہوگا۔ ورنیہ کا دل چاہا اس کی گردن مروڑ دے۔

''میرے بھائی کی۔'' وہ تپ کر بولی تھی۔

''اوہ...... اچھا وہ تو پریگنینٹ نہیں ہیں نا؟'' وہ جان بوجھ کر اسے چڑانے کے لیے بولی۔

''شٹ اپ ہاں۔'' وہ انگلی اٹھا کر بولی پھر اس کا ہاتھ تھام کر اس طرف لے آئی جہاں کرتا شلوار میں ملبوس مہذب و متین شخص کھڑا تھا۔

''یہ مجھے فوٹوگرافر کے پاس کیوں لے آئی ہے۔''

اس شخص کے ہاتھ میں کیمرہ دیکھ کر اس نے اچنبھے سے سوچا۔ وہ پہلے بھی اس شخص کو پورے لان میں گھومتا اور مختلف چہروں کو قید کرتا دیکھ چکی تھی۔

''یہ میرے بھائی ہیں...... بلال صدیق اور بھیا! یہ وانیہ۔''

اس نے تعارف کی رسم نبھائی۔ وانیہ کو کچھ عجیب سا لگا کیونکہ وہ دونوں بہن بھائی پراسرار سے انداز میں مسکرا رہے تھے۔

''گلیڈ ٹو میٹ یو۔'' بلال صدیق نے مہذب انداز میں کہا۔ وانیہ محض مسکرا کر رہ گئی۔

''بلال بھائی نے سی ایس ایس کیا ہے۔ ان کی دوسری پوزیشن تھی۔ فوٹوگرافی ان کا شوق ہے۔'' ورنیہ نے فخر سے بتایا۔ وانیہ کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔

''بلال بھائی! وانیہ اس سال سی ایس ایس کرنا چاہتی ہے۔ آپ تھوڑا سا گائیڈ کر دیں گے۔''

''اوہ شیور وائی ناٹ۔''

وہ دونوں باتیں کرنے لگے۔ ورنیہ اسٹیج پر دولہا دلہن کے پاس آ گئی تھی۔

''آپ بہت اچھے لگ رہے ہیں ارمغان بھائی!'' وہ دولہا سے مخاطب تھی۔

''میں تو ہمیشہ ہی اچھا لگتا ہوں۔'' اس نے کالر جھاڑا تھا۔

''یقیناً اپنی امی کو...... مگر وہ تمہاری امی نہیں ہے۔''

ورشہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ارمغان کے ساتھ ساتھ ورنیہ بھی ہنس دی۔ اس نے اشارے سے بلال اور وانیہ کو اپنے پاس بلایا۔

''بلال بھائی! ایک تصویر۔'' وانیہ کو اپنے پہلو میں کھڑا کر کے وہ دولہا دلہن کے صوفہ کے پیچھے سے بولی۔

''بلال بھائی نے سی ایس ایس کیا ہے تم نے بتایا ہی نہیں۔'' وانیہ حیرت سے بولی۔

''وہ میرے بھائی ہیں۔ انہیں میرا ہی بھائی رہنے دو۔''

اس نے وانیہ کی توجہ کیمرے کی طرف مبذول کروائی۔ ایک کلک سے کھلکھلاتے چہرے کو قید کیا گیا تھا۔

''بلال بھائی نے Written میں دوسری پوزیشن لی تھی۔ مگر انٹرویو میں فیل ہو گئے تھے۔''

وہ بعد میں اطمینان سے بولی تھی۔

''دیکھنے میں کتنے ذہین لگتے ہیں۔'' باقی کا سارا وقت وانیہ سوچتی رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

30 دسمبر 2003ء

آج ورشہ کی شادی کو پورے چار ماہ گزر چکے ہیں اور وہ ماشاء اللہ اپنے گھر میں خوش ہے۔ اس کی زندگی کی اتنی سی کہانی ہے کہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کسی جگہ ایک لڑکی رہتی تھی۔ پھر اس نے ہنسی خوشی زندگی گزارنے کے لیے شادی کر لی۔

وہ آج کل ماریشس میں ہوتی ہے۔ اس کا شادی سے پہلے کہنا تھا کہ اسے ارمغان سے کبھی محبت نہیں ہوگی اور اب یہ حال ہے کہ اس کی امی چاہتی ہیں وہ ماں بننے کے مرحلے سے گزر رہی ہے تو اسے پاکستان آ جانا چاہیے مگر وہ ارمغان کو تنہا چھوڑ کر آنے کے تیار نہیں ہے۔ اس کی شخصیت میں شادی کے بعد بہت تبدیلیاں آئی ہیں۔

وانیہ ویسے بھی اس امر کے بارے میں بہت پریقین تھی۔ اس رات جب وانیہ نے مجھے فون کر کے یہ بتایا تھا کہ ہشام حیدر کوئی اور نہیں بلکہ اس کا بھائی ہے تو نہ صرف میں بلکہ وانیہ خود بھی بہت پریشان ہو گئی تھی۔ ہم اس کے بارے میں بہت زیادہ نہیں جانتے تھے۔ وہ اپنے گھر کے بارے میں زیادہ بات کرنے کی قائل بھی نہیں تھی یوں ہم سے کوئی بھی اس کے بھائی کے متعلق اتنا باخبر نہیں تھا۔

''میں اپنے بھائی کو جانتی ہوں ورنیہ! وہ ورشہ کی قسم کا لڑکا نہیں ہے۔ وہ ورشہ سے کبھی شادی نہیں کرے گا۔ وہ ورشہ کو صرف استعمال کر سکتا ہے۔ مگر شادی۔ نو وے۔''

وہ پہلی بار میرے سامنے اپنے بھائی کی مادہ پرست طبیعت کے بارے میں بات کر رہی تھی۔

''ہم ورشہ کو اس کھائی میں چھلانگ لگانے نہیں دیں گے۔ یہ بہت برا ہوا ورنیہ...... ورشہ تو یہ تکلیف برداشت نہیں کر پائے گی کہ اس کے ساتھ دراصل فلرٹ کیا گیا ہے۔''

وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

اور بالکل صحیح کہہ رہی تھی ہم تینوں میں سب سے زیادہ اخلاقیات کا درس دینے والی اور چھوٹے چھوٹے اخلاقی اصولوں کا دھیان رکھنے والی ورشہ ہی تھی۔

''فلاں کے بارے میں یوں نہ کہو اسے دکھ ہوگا...... اس کے بارے میں یوں نہ سوچو اسے تکلیف ہو گی۔''

اس کا من پسند فقرہ ہوا کرتا تھا۔ میں اور وانیہ دونوں ہی اسے ناکام عاشقوں کی طرح اپنا آپ برباد کرتے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ہشام حیدر کی حقیقت کھلنے پر یقیناً وہ ایک خاص قسم کی خود اذیتی میں مبتلا ہو جاتی جو اس کے لیے بہت تکلیف دہ ثابت ہوتی اور میں اسے تکلیف میں دیکھ نہیں سکتی تھی۔

ورشہ میری بہت بچپن کی سہیلی تھی۔ ہم اسکول میں دوست بنے تھے اور پھر یہ دوستی ہمارے خاندانوں کو بھی قریب لانے کا باعث بن گئی۔ میں اس کے گھریلو ماحول سے بہت اچھی طرح واقف تھی۔ میرے اور وانیہ کی طرح وہ بھی گھر میں سب سے چھوٹی تھی مگر اس کے گھر میں بار بار مثال دینے کے لیے اس کی بڑی بہن موجود تھیں جن کی ذات کو ہر قسم کی خوبیوں کا مرقع اور غلطی سے مبرا قسم کی شخصیت تسلیم کر لیا گیا تھا۔ اسی لیے ورشہ کو بہت بچپن سے زیادہ ڈانٹ زیادہ تنقید کا سامنا کرنا پڑتا۔ اس کے بڑے اس کی رائے کو نظر انداز کرتے اور ہر معاملے میں ''تم چپ رہو۔'' جیسے فقرے بولنے کے ماہر تھے اور اس کے باعث اس کی شخصیت میں ایک کمی واقع ہو گئی تھی۔ اسے کراؤڈ فوبیا تھا۔ وہ مجمع میں خوفزدہ ہو جاتی تھی اسے ہمیشہ یہ غلط فہمی رہتی کہ اسے گفتگو کا فن نہیں آتا اور حقیقت تو یہ ہے کہ اسے ایسا سوچنے پر مجبور کرنے والا ارمغان بھی تھا جو اس کا ریکارڈ لگانے میں ماہر تھا۔ ورشہ کو زچ کر کے اسے کیا سکون ملتا تھا۔

پھر میں تھی جو ورشہ کی بہترین دوست تھی مگر میں نے بھی کبھی اسے اس کی اندھی بے جان دنیا سے باہر لانے کی کوشش نہیں کی۔ میری غلطیوں کو تو وہ بخوشی معاف کر دیتی تھی مگر ارمغان کی طرف سے ہمیشہ ہی کچھ مثبت سننے کی خواہش مند ورشہ ناکام ہی رہتی کیونکہ ارمغان نے کبھی اپنا آپ اس پر ظاہر ہی نہیں کیا تھا۔ ورشہ کو ایک الگ طریقے سے ڈیل کرنے کی ضرورت تھی۔ اور ارمغان اسے ایک الگ طریقے سے ڈیل کر رہا تھا۔ میں آج بھی یہ بات بہت وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ ورشہ کو ہشام حیدر کی طرف دھکیلنے والا صرف اور صرف ارمغان تھا۔

ہشام حیدر یا وہاج کے پاس ایسی کون سی خاص گیدڑ سنگھی تھی جس سے اس نے ورشہ کو اپنی طرف مائل کیا تھا۔ بس وہ ورشہ کی باتوں کو سن کر اسے سراہتا تھا اس کی باتوں کو غور سے سنتا تھا۔ وہ اہمیت جو وہ اپنے گھر والوں اپنے پیاروں سے چاہتی تھی۔ وہ اسے اس شخص کی لایعنی باتوں سے ملنے لگی۔

جب ورشہ کی باتوں میں حد سے زیادہ اس شخص کا ذکر آنے لگا تو میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی

تھی۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوا سوائے اس کے ورشہ نے میرے سامنے یہ باتیں کرنا ہی چھوڑ دیں اور میں سمجھی کہ وہ اس الوژن سے باہر آ گئی ہے۔ میرے ذہن میں ایک بار بھی یہ خیال نہیں آیا کہ وہ سائبر لو جیسے کسی چکر میں پھنس رہی ہے۔''

''لڑکوں کی باتیں کرنا جائز ہے مگر لڑکوں سے باتیں کرنا جائز نہیں۔''

ایک دفعہ میرے مذاق میں کچھ کہنے پر اس نے بہت طنزیہ انداز میں کہا تھا اور مجھے تب احساس ہوا تھا کہ ورشہ کی شخصیت میں ایک خاص قسم کی تبدیلی آ رہی ہے وہ پر اعتماد ہو رہی تھی۔ اس کا اپنی ذات پر بھروسا بڑھنے لگا تھا اور یہ سب مثبت پہلو تھے۔ میرے ذہن میں ایک دفعہ بھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ لڑکی کی شخصیت میں اچانک ایسی تبدیلی آنے کا مطلب...... اس کا محبت میں مبتلا ہونا ہوتا ہے۔ میں نے کبھی یہ سوچا ہی نہیں کہ ورشہ کے ذہن میں ارمغان کے علاوہ کسی کا خیال آ سکتا ہے۔

ان دنوں اس کا دھیان پڑھائی میں ہوتا ہی نہیں تھا۔ وہ اکثر کیمپس لیٹ آتی کیونکہ وہ یونیورسٹی بس تاخیر سے بیدار ہونے کے باعث مس کر دیا کرتی تھی۔ میں سوچتی شاید وہ کوئی نئی کتاب پڑھ رہی ہوگی جس کے لیے وہ بہت لیٹ سوتی ہے مگر وہ تو ایک نئی دنیا کو جان رہی تھی۔ وہ ایک ایسی دنیا کی عادی ہوتی جا رہی تھی جو ایک حقیقت ہونے کے باوجود حقیقی نہیں ہے۔

ایک ایجاد جس سے بہت مثبت طریقے سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ وہ بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح اس کا غلط استعمال کر رہی تھی اور بخوشی کر رہی تھی۔

میرا ذہنی ارتکاز ان دنوں ویسے بھی ورشہ سے زیادہ وانیہ پر تھا۔ وہ بھی محبت کے معاملے میں ورشہ جیسی بدقسمت ثابت ہوئی تھی۔ شاید اسی لیے وہ ورشہ کی تکلیف کو مجھ سے زیادہ بہتر سمجھ سکتی تھی۔

اس نے آج تک مجھے یا ورشہ کو یہ نہیں بتایا کہ اسد ابتہاج خان نے اس کے ساتھ کس طرح کا سلوک کیا تھا کیونکہ ہمیں سب بتانے سے اس کی انا مجروح ہوتی۔ وہ ابتدا میں بہت خود پسند قسم کی لڑکی تھی۔ ہم تینوں میں سب سے زیادہ ٹھوس سب سے زیادہ خوب صورت اور سب سے زیادہ پروقار شخصیت کی مالک وانیہ ہی تھی۔ ورشہ کے معاملے میں میرا دل مجھے اشارہ نہیں دے پایا تھا۔ مگر وانیہ کو میں نے بہت شروع میں پکڑ لیا تھا۔ اس کی محبت بھی ورشہ کی طرح بچگانہ ہی تھی۔ اس نے خود ہی رائی کا پہاڑ بنا لیا تھا۔ وہ جتنی میچور دکھائی دیتی تھی اس کی یہ حرکت میرے لیے اتنی ہی امیچور ثابت ہوئی۔

مجھے اس کے بارے میں بتانے والی دراصل ماہ رخ تھی جو میرے بھائی بلال میں انٹرسٹڈ تھی۔ وہ مجھ سے بے وجہ بات کرنے کی اور دوستی کرنے کی کوشش کیا کرتی تھی۔ اس نے بلال بھائی کو ایم بی اے ڈیپارٹمنٹ کی کسی پارٹی میں دیکھا تھا جہاں وہ اولڈ اسٹوڈنٹ کی حیثیت سے شریک ہوئے تھے اسد کے ذریعے اسے بھائی کے بارے میں پتا چلا تھا چونکہ میں تو ہر ڈپارٹمنٹ میں بہت اطمینان سے گشت کیا کرتی تھی اس لیے میرے بارے میں اسد جانتا ہی تھا۔

اصل کھڑاک اس روز پیدا ہوا جس روز ماہ رخ ہمارے پاس آ کر بیٹھ گئی اور بے وجہ ہی اسد کی باتیں

شروع کر دیں چونکہ میں نے مذاق میں اس کے لیے پسندیدگی دکھائی تھی۔ اس لیے وہ مجھے سمجھی کہ میں شاید اسد کو پسند کرتی ہوں۔ اس نے اسد کی فطرت کے متعلق بے وجہ ہی کچھ باتیں کی تھیں جنہیں ورشہ اور وانیہ نے اپنی مرضی کا رنگ دے دیا۔ ہمیں بتائے بغیر وہ اسے فون کرنے لگی تھی۔

ماہ رخ نے اپنے منہ سے مجھے وانیہ کے متعلق بتایا تھا۔ اور اسے یہ سب اسد نے بتایا تھا جو پہلے دن سے ہی وانیہ کو ایک اکھڑ لڑکی سمجھا تھا۔ اصل باتیں تو مجھے نہیں پتا مگر جو ماہ رخ نے مجھے بتایا ان کا خلاصہ یہی تھا کہ وانیہ اسد کو بہت زیادہ پسند کرنے لگی ہے۔ میں اور ورشہ اس بارے میں قطعاً لاعلم تھے کیونکہ ہمارے درمیان یہ موضوع ایک آدھ بار بہت تلخی سے زیر بحث آیا تھا۔

سر عباس کی اسائنمنٹ اور اس کی تمام تر بحث کے دوران میں نے ورشہ اور وانیہ کو ان ڈائریکٹلی سمجھانے کی کوشش کی۔ وہ تمام دلائل جو میں دے سکتی تھی وہ تمام باتیں جو اس قسم کے fake (جعلی) ریلیشن شپس کے متلق میں سمجھتی تھی۔ وہ میں نے ان کو بتانے کی کوشش کی مگر ان دونوں پر میری بات کا اثر نہیں ہوا۔ اسی روز میں جان بوجھ کر وانیہ کے سامنے اسد کے پاس گئی تا کہ اس کے چہرے سے اس کی دلی کیفیت کا اندازہ لگا سکوں۔ ماہ رخ نے مجھے جو بتایا تھا وہ اس کے چہرے پر صاف لکھا تھا اور وہ سمجھ رہی تھی۔ سب اس بات سے بے خبر ہیں حالانکہ اس روز جب میں نے اسد کو متنبہ کرنے کی کوشش کی تو وہ بھڑک اٹھا۔

''تمہاری سہیلی میرے لیے پاگل ہے میں آج کہوں تو وہ میرے ساتھ کورٹ میرج پر تیار ہو جائے۔''

اس نے بہت نخوت سے کہا تھا۔ میں نے یہ سب باتیں وانیہ کو سمجھانی چاہی تھیں مگر جانے کیوں اس کا رویہ میرے ساتھ بہت خراب ہو گیا پھر مجھے بھی غصہ آ گیا اور میں نے ان دونوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ ہم لوگوں نے کبھی بھی اسد اور وانیہ کے متعلق بات نہیں کی تھی اور حقیقت تو یہ ہے کہ وانیہ آج تک یہی سمجھتی ہے کہ مجھے کچھ نہیں پتا مگر میں سب کچھ جانتی ہوں کہ بہر حال میری پی آر اس کی نسبت زیادہ ہے۔

ماہ رخ نے اس بات کو خوب مرچ مسالا لگا کر اپنی فرینڈز کو بتایا تھا۔ وانیہ محبت میں غم سہہ کر اتنی حساس ہو گئی تھی، وہ ورشہ کے مسئلے کو مجھ سے زیادہ بہتر سمجھ سکتی تھی۔ اور پھر اس کے اپنے بھائی کا اس سارے مسئلے میں تیسرے فریق کی حیثیت سے شامل ہونا اصل ٹرننگ پوائنٹ تھا۔

''میرا بھائی ورشہ کو بالکل ایسے استعمال کر رہا ہے جیسے...... تم نے کہا تھا کہ لوگ...... فون یا نیٹ پر فرینڈز بن کر فلرٹ کرتے ہیں۔

وہ اپنے منہ سے Spirtitual Prostitution کا ذکر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ جو میں نے اس روز ایک ناول کے حوالے سے بہت دھڑلے سے کیا تھا۔ وانیہ کی اصل شخصیت اس روز کھل کر میرے سامنے آئی۔ وہ ہر حال میں ورشہ کو اس تکلیف سے بچانا چاہتی تھی پھر ہمیں زیادہ کام نہیں کرنا پڑا تھا۔

وانیہ نے وہاج کی ہشام حیدر والی نک سے ورشہ سے چیٹ شروع کر دی تھی۔ جس میں اس نے ٹپیکل لڑکوں کی طرح محبت کا اظہار کرنے کے باوجود اپنی مجبوریوں کا راگ الاپنا شروع کر دیا تھا۔ دوسری طرف

ارمغان اپنا رویہ تبدیل کر کے ایک نئے ارمغان کے روپ میں سامنے آیا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے ورشہ جیسی قدرے بے وقوف لڑکی کو ارمغان کی محبت اور خاص کر محبت کے بھرپور اظہار نے اپنا ٹریک بدلنے میں بہت مدد کی۔ وہ جلد ہی ہشام حیدر کے الوژن سے رہائی پا گئی۔ اپنے بھائی سے وانیہ نے اس متعلق بات کی یا نہیں مجھے نہیں معلوم مگر ورشہ کی منگنی والے روز میں نے وانیہ کو بہت خوش دیکھا تھا۔

مجھے اسی روز وانیہ کے لیے ایک زبردست خیال ذہن میں آیا تھا۔ اس خیال کو عملی جامہ میں نے ورشہ کے ولیمہ پر پہنایا۔ میں نے بلال بھائی اور وانیہ کو متعارف کروا دیا تھا۔ اور باقی کا کام بلال بھائی پر چھوڑ دیا تھا۔ صد شکر کہ انہیں وانیہ بہت پسند آئی تھی۔

اب وانیہ میری بھابھی ہے وہ بہت اچھی بہو بہت اچھی بیوی ثابت ہوئی ہے۔ اس کے سارے عزائم تبدیل ہو کر اس قدر گھریلو ہو گئے ہیں کہ مجھے اسے یاد کروانا پڑتا ہے۔ تم کو تو سی ایس پی آفیسر بننا تھا اور وہ مسکرا کر بس سر جھکا لیتی ہے تو اور بھی اچھی لگتی ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ہم میں سے اپنا ماسٹرز صرف میں مکمل کر پائی۔ ورشہ کی شادی تو امتحان سے بھی پہلے ہو گئی تھی جبکہ وانیہ نے پوئٹری کے پیپر میں فیل ہونے کے بعد دوبارہ امتحان ہی نہیں دیا۔ ان دونوں کو اس بات سے فرق نہیں پڑتا وہ اپنی زندگی سے مطمئن ہیں خوش ہیں۔

اور...... جہاں تک میری بات ہے تو مجھے ابھی تک اپنا رائٹ مین نہیں ملا۔ میں نے قائداعظم یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا ہے۔

''گھر بیٹھنے سے بہتر ہے میں پولیٹیکل افیئرز میں ایم اے کر لوں۔''

وانیہ کے پر تجسس استفسار پر میں نے کہا تھا مگر حقیقت دراصل یہ نہیں ہے جو حقیقت ہے وہ میں صرف آپ لوگوں کو بتا رہی ہوں۔ دراصل میں نے سنا ہے کہ قائداعظم یونیورسٹی میں بہت ہینڈسم لڑکے ہوتے ہیں...... بس اسی لیے...... آپ سمجھ رہے ہیں نا؟''



ایک میں اور ایک تم

"تم نہیں سمجھو گے مہران علی! تم سمجھ ہی نہیں سکتے۔" انہوں نے مہران کی ڈیڑھ گھنٹہ کی تقریر کے جواب میں فقط ایک ہی جملہ کہا تھا لیکن یہی ایک جملہ مہران کو آگ لگا گیا تھا۔

"ہاں، ٹھیک ہے۔ میں احمق، چغد، گھامڑ، پاجی، اُلو کا پٹھا ہوں مگر تم اپنا پوائنٹ آف ویو کلیئر کرنے کی کوشش تو کرو۔ کیا پتا میری سمجھ میں آ ہی جائے۔"

اس نے انتہائی تپ کر کہا تھا مگر اس کے مقابل بیٹھی محترمہ کے کانوں پر حقیقی معنوں میں جوں تک نہیں رینگی تھی۔ اس نے مہران کے سخت لب و لہجے اور چہرے کے تاثرات کو خاطر میں لائے بغیر سامنے پڑے شاپنگ بیگ سے دو کینو برآمد کیے۔ ایک میز پر مہران کے سامنے رکھا اور دوسرا اپنے لیے چھیلنے لگی۔

"قسم سے بہت میٹھا ہے..... لو نا تم بھی۔" وہ قاش منہ میں رکھتے ہوئے بولی تھی۔



"میرا خیال ہے کہ اگر بچے کے اندر یہ احساس پیدا کر دیا جائے کہ عزت نفس سے بڑھ کر کوئی چیز اہم نہیں ہوتی تو وہ خود بخود کلاس روم میں اپنی کارکردگی بہتر بنانے کے لیے کوشش کرنے لگے گا۔ ظاہر اگر اس کی نظر میں عزت نفس کو اہم ترین کر دیا جائے تو وہ اس بات سے بھی خوف زدہ رہنے لگے گا کہ بھری کلاس میں سب کلاس فیلوز کے سامنے ٹیچر اسے گھور کر کسی بات کے لیے جواب طلبی کرے۔"

اس لڑکی نے اپنا نقطۂ نظر بیان کرنے کے بعد بالوں کو جھٹکا دیا اور پھر اپنی نشست پر بیٹھنے سے قبل لڑکیوں کی طرف بالعموم اور لڑکوں کی طرف بالخصوص طائرانہ نگاہ ڈالی۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے سیاست دان بھرے جلسے میں کوئی وعدہ کرنے کے بعد بجنے والی متوقع تالیوں کو ستائش بھری نظروں سے دیکھتے ہیں۔ حالانکہ مہران کو یقین تھا کہ اس کے سوا۔ کلاس میں کسی نے بھی یہ سننے کوشش نہیں کی کہ وہ شعلہ و جوالہ ٹائپ لڑکی آخر کیا

کہہ رہی تھی۔ کم از کم لڑکوں کے بارے میں اسے پکا یقین تھا کیونکہ اس سمیت کسی کی نظریں اس کے مہین سے لباس سے ہی نہیں ہٹ پائی تھیں۔ مہران نے تو خیر دو تین بار یا شاید تین چار بار بہت تفصیل سے اس کے لباس و انداز کو دیکھنے کے بعد لاحول پڑھ کر نگاہیں نیچی کر لی تھیں مگر اسے اپنے باقی کلاس فیلوز پر حیرت ہو رہی تھی جو اس لڑکی کو ایسے گھور رہے تھے جیسے زبانی یاد کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔

اس نے اپنی ہی رو میں بیٹھے تین چار لڑکوں کی محویت کو محسوس کر کے دل ہی دل میں کہا تھا، یہ اور بات ہے کہ ہر بار ایسا کہنے کے لیے اسے کم از کم ایک دفعہ اس لڑکی کی جانب ضرور دیکھنا پڑتا تھا۔ دراصل وہ خود کو کسی حد تک قابل معافی گردانتا تھا۔ اس کے باقی کلاس فیلوز کی بہ نسبت اس نے ایم ایڈ کلاسز کو سیکنڈ سمیسٹر میں جوائن کیا تھا۔ یعنی وہ سب مہران کے مقابلے میں ایک سمیسٹر بڑے تھے۔ وہ ان لڑکیوں کو گزشتہ تین ساڑھے تین ماہ سے دیکھ رہے تھے۔ اس نے تو آج پہلے دن دیکھا تھا، اس لیے اگر اس کی نگاہیں ایویں ادھر چکرا رہی تھیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ کم از کم اس نے اپنی نگاہوں کی اس بے ضرر سی آوارہ گردی کو دل ہی دل میں قطعاً ''معصومانہ'' قرار دے دیا تھا۔

''یہ طوبیٰ قاسمی ہے۔''

وہ ابھی اس حسین نظارے سے نظریں ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا کہ دائیں طرف سے اسے کاغذ کی چھوٹی سی چٹ موصول ہوئی۔ اس نے سٹپٹا کر دائیں طرف دیکھا۔ مہران جب کلاس میں داخل ہوا تھا تو کلاس شروع ہوئے دو تین منٹ گزر چکے تھے۔ اطہر زمان لیکچر شروع کر چکے تھے۔ اس لیے مہران کا فی الحال کسی سے تعارف نہیں تھا۔ اس کی طرف یہ چٹ دائیں طرف سے بڑھائی گئی تھی، جہاں ایک ہیرو ٹائپ لڑکا بیٹھا تھا۔ شکل وغیرہ میں تو وہ بھی مہران کی طرح عام سا تھا مگر حلیہ مہران کی نسبت کافی بہتر تھا۔ مہران نے اس کی جانب دیکھنے کے بعد دوبارہ اس کاغذ کی چٹ کی طرف دیکھا۔ اس کی بات کچھ سمجھ میں آئی تھی اور کچھ نہیں آئی تھی مگر وہ اس لڑکے سے پوچھ نہیں سکتا تھا کیونکہ کلاس روم میں انتہائی خاموشی تھی۔

اطہر زمان صاحب کا لہجہ ضعیف العمری کے باعث واضح نہیں تھا، اس لیے ان کی بات سمجھنے کے لیے سب بہت غور سے ان کی بات سن رہے تھے۔ ساتھ بیٹھا لڑکا تو ان کی ہی جانب متوجہ تھا، نہ صرف متوجہ تھا بلکہ بے حد انہماک سے لیکچر نوٹ کرنے میں مصروف تھا۔

''اگر تمہارا ڈیپارٹمنٹ میں افیئر چلانے کا ارادہ ہے تو اس کی طرف دیکھنا ہی مت...... اسی پہ میری نظر ہے۔''

دیکھتے ہی دیکھتے ایک اور چٹ اس کی فائل پہ پہنچ چکی تھی۔

''لاحول ولاقوۃ۔'' اس نے ایک بار پھر سٹپٹا کر خود سے کہا تھا۔

''کیا مطلب ہے جناب آپ کا؟'' اس نے انتہائی دھیمی آواز میں اس لڑکے سے کہا۔

اس کے چہرے پر استہزائیہ سی مسکراہٹ پھیل گئی مگر مجال ہے جو اس نے ذرا بھی گردن ترچھی کر کے

مہران کی جانب دیکھا ہو۔ وہ ابھی بھی لیکچر سننے اور گردن ہلانے میں مصروف تھا۔ چند لمحوں بعد وہ پھر لیکچر نوٹ کرنے لگا۔

''قبلہء محترم! میرا یہ مطلب تھا کہ آپ چند لمحے قبل علاقہ غیر میں کیا چاشت کی نماز ادا کرنے گئے تھے؟''

اس لڑکے نے نوٹس لینے کے بعد ایک اور چٹ اس کی فائل پہ رکھی۔ مہران کی اب سمجھ میں آیا کہ وہ اتنی دیر سے اتنے انہماک سے لیکچر کے نام پہ کیا نوٹ کر رہا تھا۔ مہران کو کاغذ پر لکھی ہوئی بات پلے ہی نہیں پڑی۔ اس نے کاغذ کی وہ چٹ زمین پر پھینک دی اور خاموشی سے سر اطہر کی بات سننے کی کوشش کرنے لگا۔

''ارے یار! تم تو ناراض ہو گئے، میں مذاق کر رہا تھا۔ ویسے میرا نام عظیم بٹ ہے۔ میرے فرینڈز مجھے جمی کہتے ہیں۔''

اب چٹ کے بجائے پورا صفحہ اس کے سامنے آیا تھا۔ مہران نے پھر گردن ترچھی کر کے اس کی جانب دیکھا۔ وہ لڑکا لیکچر کے معاملے میں بھی انتہائی سنجیدہ لگ رہا تھا کیونکہ روسٹرم کی طرف دیکھنے اور لیکچر نوٹ کرنے میں بھی اس کا ارتکاز قابل دید تھا، اس کے علاوہ وہ مہران کی طرف پرچیوں پہ پرچیاں پاس کرنے میں بھی مصروف تھا۔ مہران کو اسکے ارتکاز پر رشک آیا۔ اگر موت کا فرشتہ بھی اس سے ملاقات کے لیے نیچے آ جاتا تو اس لڑکے کا انہماک دیکھ کر وہ بھی چند لمحے کے لیے اس کی روح قبض کرنے کے فرض منصبی سے ذرا ٹھہر جاتا کہ بچہ اطمینان سے لیکچر نوٹ کر لے۔

مہران اس کی جانب دیکھ کر مسکرایا اور دوستانہ انداز میں بولا۔

''مجھے مہران......''

اس لڑکے نے مہران کو بات مکمل نہیں کرنے دی بلکہ اس کے سر پر ایک چپت رسید کی اور اس کی فائل پر پڑا وہی صفحہ اٹھا لیا جس پر اس نے دوستی کی ابتداء کرنے کے لیے وہ دوستانہ جملہ تحریر کیا تھا۔

''اے گدھے...... مروائے گا کیا...... لکھ کر بات نہیں کر سکتا؟''

وہی صفحہ دوبارہ مہران کی فائل پر پہنچا تو یہ جملہ لکھا ہوا تھا۔ مہران نے پھر اس کی شکل دیکھی اور اشارہ سمجھ کر اسی کاغذ پر اپنا نام لکھ کر عظیم بٹ عرف جمی کے سامنے رکھ دیا۔

''تم سے مل کر اچھا لگا۔ یہ طوبیٰ کی بائیں طرف جو بیٹھی ہے ناں بڑی زبردست چیز ہے۔ اتنے اخلاق سے ملتی ہے کہ دل خوش ہو جاتا ہے، تحریم ربانی ہے اس کا نام۔ کبھی موقع ملا تو میں تمہیں اس سے ملواؤں گا۔''

عظیم نے اسی صفحے پر کلاس روم میں موجود ایک اور حسینہ کا کاغذی تعارف کروایا۔ مہران کو عورت کے لیے لفظ ''چیز'' کا استعمال نہایت نامناسب لگا مگر اس نے کاغذ پر جواب میں لکھا۔

''ہاں ضرور، کیوں نہیں۔''

جب اوکھلی میں سر دیا تو موصلوں سے کیا ڈرنا کے مصداق کو ایجوکیشن میں پڑھتے ہوئے اس کو لڑکیوں سے ملنے اور راہ و رسم بڑھانے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔

''ارے تم فکر ہی نہ کرو، میں تمہیں باری باری سب لڑکیوں سے متعارف کروادوں گا۔ میری تو سب کے ساتھ ہی ہیلو ہائے ہے۔'' اس نے اگلا پیغام لکھا تھا۔ مہران دل ہی دل میں کافی متاثر ہوا۔

''ہاں یار! جب ایک جگہ پڑھتے ہیں تو پھر ہیلو ہائے بھی ہو ہی جاتی ہے۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔''

مہران نے کاغذ پر لکھا وہ ایسا جواب ہر اس شخص کو بھی دیا کرتا تھا جو اس سے یونیورسٹی میں داخلے اور پھر خصوصاً یونیورسٹی میں لڑکیوں کی موجودگی کے متعلق استفسار کرتا تھا۔ مہران اپنے خاندان اور حلقہء احباب میں سے پہلا شخص تھا جو اس مقام تک پہنچا تھا۔

''یہ جو تیسری رو میں کبی (جھک کر) ہو کر بیٹھی ہے نا یہ نادیہ ہے، یہ بھی ایک آئٹم ہے۔ بڑی لائن مارتی ہے یار! ویسے اگر طوبیٰ سے بات نہ بنی اور معاملہ آگے نہ بڑھ سکا تو میں اسی کے ساتھ ٹھیک ٹھاک افیئر چلاؤں گا۔''

مہران نے یہ والا پیغام پڑھا اور دوبار پڑھا۔ عظیم میں ایسی کیا بات تھی کہ ہر لڑکی اسے ہی لفٹ کرواتی تھی۔ وہ سمجھ نہ پایا مگر بہر حال وہ ''ہوں، ہاں'' میں جواب دیتا رہا اور عظیم لکھ لکھ کر کلاس کی لڑکیوں کا تعارف کرواتا رہا جس کا نتیجہ کافی مثبت نکلا۔ کچھ دیر بعد مہران اپنی کلاس فیلوز کے متعلق اتنا اپ ٹو ڈیٹ ضرور ہو چکا تھا کہ ان کے لیے ان کے سائز کے لباس کے ساتھ ساتھ مناسب رشتہ بھی لاسکتا تھا۔ یہاں تک تو بات ٹھیک تھی مگر ہر دوسری لڑکی کے متعلق بتاتے ہوئے جب وہ یہ کہتا۔

''اگر تمہارا ڈیپارٹمنٹ میں افیئر چلانے کا ارادہ ہے تو اس سے ذرا دور رہنا، اس پر میری نظر ہے۔''

جس حساب سے وہ لڑکیوں پر نظر رکھے ہوئے تھا، اس حساب سے اس کے چہرے سے لے کر پاؤں کی انگلیوں تک فقط آنکھیں ہی آنکھیں ہونی چاہیے تھیں۔

مذہب نے تو صرف چار شادیوں کی اجازت دی ہے، یہ حضرت نجانے کتنے افیئر ز چلانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔''

اس نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔ حویلی لکھا کے اس سادہ لوح کے لیے ''افیئر'' کا مطلب بہت ٹھنڈا میٹھا سا تھا۔ کسی بھی اسلامی بہن کو دیکھ کر پسند کرنا، راہ و رسم بڑھانا پھر آئی لو یو بولنا اور سب سے آخر میں اس سے شادی کر لینا۔ افیئر کا یہی مطلب اس کی آج تک سمجھ میں آسکا تھا اور یہ مطلب بھی اس نے ٹی وی ڈرامے دیکھ کر سمجھا تھا ورنہ ان کے خاندان برادری میں آج تک کوئی ایسا مائی کا لال نہیں گزرا تھا جس نے افیئر چلایا ہو۔ ان کے خاندان میں شادی کے بعد بیوی سے افیئر چلانے کا رواج تھا، اسی لیے اسے عظیم کی باتیں کسی قدر عجیب اور انوکھی محسوس ہو رہی تھیں۔ اسے پتا چل گیا تھا کہ عظیم بھی اس کی طرح لیکچر نوٹ نہیں کر رہا بلکہ بیک وقت

دائیں بائیں پیپر چیٹنگ میں مصروف ہے، ورنہ تو اس کا انہماک دیکھ کر وہ نہ صرف رشک بلکہ احساس کمتری میں مبتلا ہو چکا تھا۔

پیپر چیٹنگ میں ساٹھ منٹ کی کلاس ختم ہونے کا پتا ہی نہیں چلا۔ سر نے رول نمبر کال بھی لینی شروع کر دی تھی۔ لیکچر کے اختتام پر سب کے چہروں پر اطمینان اتر آیا تھا اور ساتھ ہی ایک مخصوص قسم کی بھنبھناہٹ بھی شروع ہو گئی تھی۔ سر زمان اپنے دھیمے لہجے میں رول نمبرز بولتے چلے جا رہا تھے۔

''رول نمبر 25۔'' سر نے شاید دوسری مرتبہ پکارا اور پھر بال پوائنٹ کو روسٹرم پہ بجا کر کلاس کو متوجہ کیا۔

''رول نمبر 25۔'' انہوں نے پھر سے پکارا۔ اب کی باران کی آواز میں خفگی نمایاں تھی۔ کلاس میں خاموشی چھا گئی۔

''غیر حاضر......اوکے۔'' انہوں نے عینک کی اوٹ سے کلاس میں نظر دوڑاتے ہوئے کہا پھر اگلے رول نمبر کی طرف بڑھے۔

''رول نمبر 26......27......28۔'' وہ لگاتار نمبرز بولتے رہے جن پر فوراً ''یس سر'' کی صدا ابھری تھی۔ اس سے پہلے کہ اگلے نمبر پکارے جاتے۔ ایک ہونق سی آواز نے سب کو اس طرف متوجہ کیا، جہاں سے آواز آرہی تھی۔

''ایکسکیوزمی سر......سوری سر......ویری سوری سر......ویری سوری سر......پلیز سر......پلیز...... 25 پریذنٹ ہے۔''

سب ہی کے چہروں پر مسکراہٹ آگئی۔ سب کا مہران کو نہیں پتا مگر اس نے گردن ترچھی کر کے بائیں طرف قطاروں میں بیٹھی لڑکیوں کو دوبارہ دیکھا۔ اگرچہ کن اکھیوں سے وہ بھی دیکھ رہا تھا مگر اب موقع بھی تھا اور دستور بھی، سو نہایت اطمینان سے جی بھر کر دیکھا۔

وہ جو کوئی بھی تھی، نہایت عام سی تھی۔ سیاہ موٹے فریم کی عینک اور چادر کی بکل میں کمزور سی لڑکی بقراط کی جڑواں بہن لگ رہی تھی۔

''بھلا ایسی لڑکیوں کو دوبارہ دیکھنے کی زحمت کون کرتا ہے۔'' مہران نے سوچا اور پھر سے سامنے کی طرف دیکھنے لگا۔

''بی بی! آپ کبھی کبھی گھر سے بھی نیند پوری کر آیا کیجیے۔'' سر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ کلاس میں دبی دبی ہنسی گونجی۔

''جی سر...... میں کل سے کوشش کروں گی......انشاء اللہ۔''

اس بکل مار کہ لڑکی نے دوبارہ کہا تو وہ لوگ بھی ہنس دیے جو پہلی بار سر کا لحاظ کر کے خاموش رہے تھے۔ سر زمان نے ''آہم'' کر کے کلاس کو آنکھوں آنکھوں میں دھمکایا۔

"یہ خدیجۃ الکبریٰ ہے...... انتہائی احمق اور پھٹیچر لڑکی۔" اب کی بار عظیم نے کاغذ پر لکھنے کے بجائے زبان کے ذریعہ تعارف کروایا مگر اس کی سرگوشی کچھ زیادہ اونچی آواز میں تھی کیونکہ سر زمان نے ان دونوں کو گھور کر دیکھا۔ وہ دونوں ان کی جانب متوجہ ہو گئے۔

"تمہاری جیب میں کتنے روپے ہیں۔ آؤ ذرا کینٹین کی طرف چلتے ہیں۔"

سر زمان کے کلاس روم سے چلے جانے کے بعد عظیم نے اس کا مکمل جائزہ لیتے ہوئے دوستانہ لہجے میں کہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"مہران! تم تھیسز روم کی طرف جا رہے ہو؟"

اسے عقب سے کسی نے پکار کر استفسار کیا۔ وہ لڑکی کی آواز سن کر حیران ہوا تھا مگر اسے دیکھ کر تو وہ بے حد حیران ہوا۔ وہ کشمالہ تھی، جس کے بارے میں عظیم نے اسے بتایا تھا۔

"کشمالہ کپڑوں کے معاملے میں جتنی تنگ ہے، دل کے معاملے میں اتنی ہی کھلی ہے۔ اسے کسی کا ڈر نہیں، کھلم کھلا لڑکوں سے بات کرتی ہے۔ حالانکہ دو تین بار بھری کلاس میں اسے ٹوکا بھی گیا ہے۔"

وہی کشمالہ، مہران علی کو پکار کر کچھ کہہ رہی تھی۔ وہ تھوڑا دبو اور شرمیلا سا انسان تھا اور پھر دیہی بیک گراؤنڈ کے باعث اسے لڑکیوں سے بات کرنے کا تجربہ نہیں تھا۔ کشمالہ اس کے قریب آ گئی پھر مسکراتے ہوئے بولی۔

"تم مہران ہو نا...... عظیم نے تمہارے بارے میں بتایا تھا۔"

مہران نے بھی مسکرانا اپنا فرض سمجھا مگر جواب میں اسے کیا کہنا چاہیے، یہ نہیں سوجھ رہا تھا اسے۔

"آپ کشمالہ ہیں؟" اس نے جھکی نگاہوں سے استفسار کیا۔ وہ ایکدم سے ہنس دی اور پھر ہنستی چلی گئی۔

"جیسا سنا تھا، ویسا ہی پایا۔ عظیم نے صحیح کہا تھا تمہارے بارے میں۔"

وہ اس کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ مہران جھینپ سا گیا مگر دل میں عجب سی سرشاری اتر آئی۔ عظیم سے تھوڑے ہی دنوں میں اس کی بہت دوستی ہو گئی تھی۔

"کیا کہہ رہا تھا عظیم میرے بارے میں؟" اس نے خوامخواہ بتیسی کی نمائش کرتے ہوئے پوچھا۔ کشمالہ پھر ہنس دی۔

"یہی کہ...... یہی کہ...... تم بہت معصوم ہو۔" وہ سابقہ انداز میں ہنس دی۔ مہران کا چہرہ اتر سا گیا۔ اسے "لالی پاپ" قسم کی یہ تعریف کچھ خاص پسند نہیں آئی تھی۔

"وہ دراصل مجھے ایک ضروری کام ہے...... تم اگر تھیسز روم کی طرف جا رہے ہو تو پلیز یہ میرا اسائنمنٹ کا ٹاپک ہے...... اس سے متعلقہ کچھ مواد ملے تو میرے لیے لے آنا پلیز......" وہ ایک چٹ اس کی

طرف بڑھا رہی تھی۔

اس نے مسکراتے مسکراتے مدعا بیان کر دیا۔ مہران اتنا تہذیب یافتہ ضرور تھا کہ ایک لڑکی کا یہ بے ضرر سا کام کر دیتا، اس لیے اس نے بھی مسکراتے ہوئے وہ چٹ پکڑ لی۔

"1947ء سے لے کر اب تک بننے والی ایجوکیشن پالیسیز کی ناکامی کے اسباب۔"

اس نے باآواز بلند کاغذ پر لکھا ٹاپک پڑھا۔ یہی ٹاپک اس نے کچھ عرصہ قبل کسی میگزین میں بھی پڑھا تھا اور گمان غالب تھا کہ وہ میگزین اب بھی اس کے پاس محفوظ تھا۔ اس نے یہی بات کشمالہ کو بھی بتا دی۔

"اچھا...... رئیلی...... تم مجھے وہ میگزین دے سکتے ہو پلیز...... یا پھر ایک اور بھی آئیڈیا ہے...... تمہارے پاس ٹائم ہو تو یہ اسائنمنٹ تم ہی بنا دو۔ تم ویسے بھی بہت جینئس ہو۔ میں نے عظیم والا اسائنمنٹ دیکھا ہے...... وہ تم نے ہی مکمل کیا ہے نا...... مجھے بہت پسند آیا بلکہ زیادہ اچھی بات یہ ہے کہ تم نے اپنے دوست کے لیے رات بھر جاگ کر یہ اسائنمنٹ مکمل کیا۔ کام کی اہمیت نہیں ہوتی مگر جذبہ بہت میٹر کرتا ہے۔ آج کل کون کرتا ہے دوستوں کے لیے اتنا۔"

وہ کافی سے زیادہ خوشی کا اظہار کر رہی تھی۔ مہران کو یک گونہ خوشی کا احساس ہوا۔ اس نے فوراً ہامی بھر لی اور کشاں کشاں جاوید راہی صاحب کے روم کی طرف بڑھ گیا۔ کشمالہ کا انداز گفتگو اسے بہت پسند آیا تھا۔

"کس قدر اعتماد سے گفتگو کرتی ہے۔"

اس نے کوریڈور میں چلتے ہوئے سوچا۔ اگلی کلاس سیمینار کی تھی مگر اس سے پہلے اسے جاوید صاحب سے ملنا تھا۔ وہ محنتی تھا، اس لیے کچھ دنوں میں ہی اساتذہ کا منظور نظر ہو گیا تھا۔

سر جاوید اسے دیکھ کر بے حد خوش ہوئے اور کافی تپاک سے ملے۔ ایک بار پھر اس کی محنت کو سراہا کہ وہ پڑھ لکھ کر ایک اچھے مقام پر پہنچنے ہی والا ہے۔ اسی دوران ان کے روم کا دروازہ کھلا اور کسی نے اندر داخل ہونے کے بعد اجازت طلب کی۔

"خدیجہ بی بی! آپ آل ریڈی کمرے کے اندر ہیں پھر اجازت مانگنے کی ضرورت؟"

سر نے دروازے کی سمت دیکھ کر کہا۔ مہران نے پلٹ کر دیکھنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ خدیجہ کی آواز پہچان چکا تھا۔ خدیجہ کمرے کے اندر آ تو چکی تھی مگر اب وہیں دروازے پر کھڑی تھی۔ اجازت ملنے کے بعد بھی وہ جب چند لمحے تک اندر داخل نہ ہوئی تو مہران نے ذرا سی گردن موڑ کر دیکھا۔

اس کے ہاتھ میں کاغذات کا پلندہ، کتابیں اور بیگ تھا جنہیں وہ باری باری دروازے کے قریب پڑے ریک پر رکھ رہی تھی۔ اس کے بعد وہ اندر چلی آئی۔

"سر جی! میں آپ کو سلام کرنے آئی تھی اور آپ کی خیریت دریافت کرنے آئی تھی۔"

اس نے مخصوص لہجے میں کہا۔ اس لڑکی کی آواز بری نہیں تھی مگر اس کے بولنے کا انداز کسی قدر عجیب ضرور تھا۔

"وعلیکم السلام! جیتی رہیے۔ شکر ہے اللہ کا، ہم تو خیریت سے ہیں، آپ کیسی ہیں؟"

سر نے پرشفقت لہجے میں پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں سر جی!" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ مہران کو اپنی موجودگی غیر ضروری لگی۔ وہ اجازت لے کر اٹھنے ہی والا تھا کہ سر نے اسے مخاطب کر لیا۔

"مہران! تم خدیجہ سے ملے۔ یہ بھی تمہاری کلاس فیلو ہے۔ بہت اچھی بچی ہے۔"

انہوں نے تعارف کروایا۔ مہران اس کی جانب دیکھ کر مسکرایا اور سلام کیا۔ اس نے جواب ضرور دیا مگر مسکرائی نہیں۔

"بیٹھ جاؤ خدیجہ" انہوں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔

"یہ مہران ہے...... ایم اے پولیٹیکل سائنس کر چکا ہے...... کمپیوٹر سائنسز میں ڈپلومہ بھی کیا ہے...... بہت ذہین لڑکا ہے...... کسی میگزین میں اس کے آرٹیکل بھی چھپتے ہیں۔"

سر اتنا کہہ کر خاموش ہوئے تو مہران فوراً بولا۔

"اور میں سی ایس ایس کی تیاری بھی کر رہا ہوں۔"

"ہائے ماں صدقے...... بہت محنت کرنا پڑتی ہوگی آپ کو" اس نے جس انداز میں بتایا تھا، خدیجہ نے بھی فوراً اپنے جذبات کا اظہار کیا مگر وہ ٹپٹا گیا۔ اسے تو اس کی اپنی ماں نے بھی کبھی ایسے نہیں کہا تھا۔

"سر جی!" آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ یہ بہت ذہین ہیں، تب ہی تو مقابلے کے امتحان کی تیاری کر رہے ہیں۔ اللہ آپ کو کامیاب کرے جی، آمین" خدیجہ نے مزید کہا تھا۔ اس کے چہرے پر انتہائی سنجیدگی تھی۔ مہران کو اس لڑکی کا انداز بے حد عجیب لگا۔ نہ کوئی شوخی، نہ مسکراہٹ اور پھر "ماں صدقے" جیسا ممتا بھرا لفظ اس لڑکی کو مہران کی نظر میں مزید ہونق بنا گیا۔

اس کے ذہن میں کشمالہ سے ہونے والی گفتگو تازہ ہو گئی۔ اس نے اجازت طلب کی اور اٹھ کھڑا ہوا کیونکہ کلاس لینے کے بعد اسے کشمالہ کے لیے اسائنمنٹ بھی تیار کرنا تھی۔ وہ کلاس روم میں آیا تو نجانے اسے کیوں محسوس ہوا کہ اس کی جانب بہت سی نظریں اٹھی ہیں، وہ خوامخواہ شرمندہ سا ہو گیا۔

اس کے اندر نجانے کیوں ایک عجب سا احساس کمتری تھا۔ وہ جب حویلی لکھا میں تھا تو اسے اپنی شخصیت میں کوئی خامی نظر نہیں آتی تھی بلکہ وہ اپنی عمر کے لوگوں میں معتبر شمار ہوتا تھا مگر یہاں آ کر اسے پڑھائی کی حد تک تو سب ٹھیک لگ رہا تھا مگر باقی سب ٹھیک نہیں تھا۔ اس کے پاس کپڑوں کے نام پر شلوار قمیض ہی تھے۔ وہ بھی کاٹن یا کھدر کے کلف لگے شلوار قمیص نہیں تھے بلکہ عام سے کپڑوں کی عام سی سلی ہوئی شلوار قمیض۔ پھر اس نے شرعی داڑھی رکھی ہوئی تھی جس کی بنا پر اکثر کلاس فیلوز اسے "مولانا صاحب" یا "ملا جی" کہہ کر مخاطب کرنے لگے تھے۔ وہ ان کے سامنے اس بات پر غصہ نہیں کرتا تھا مگر دل ہی دل میں اسے عجیب سا محسوس ہوتا تھا۔ اب بھی وہ کلاس روم میں داخل ہوتے وقت ان ہی محسوسات کا شکار ہوا مگر آج ان فیلنگز کی مدت مختصر تھی

کیونکہ آج اسے اپنا آپ کلاس روم میں بھی کسی قدر معتبر دکھائی دے رہا تھا۔ کشمالہ جیسی ذہین لڑکی نے اسے کسی قابل جانا تھا تو اپنی اسائنمنٹ بنانے کیلئے کہا تھا۔

کلاس روم میں اسے کشمالہ کہیں نظر نہیں آئی۔ حالانکہ وہ اس سے ایک بار اسائنمنٹ کے ٹاپک کو ڈسکس کرنا چاہ رہا تھا۔ "سیمینار" کا لیکچر اٹینڈ کر کے وہ تھیسز روم کی طرف آ گیا اور کشمالہ کے اسائنمنٹ کے متعلق مواد ڈھونڈنے کی کوشش کرنے لگا مگر ناکامی ہوئی۔

اس کے بعد وہ کچھ دیر تک سلیم شاہ کے ساتھ کینٹین میں بیٹھا رہا۔ اس کے بعد واپسی کے لیے ڈیپارٹمنٹ سے باہر اسٹاپ پر آ کھڑا ہوا۔ اس نے برکت مارکیٹ میں ایک نیٹ کیفے کے اوپر ڈربہ نما کمرہ کرایہ پر حاصل کیا تھا۔ کمرہ چھوٹا ضرور تھا مگر دوسرے بہت سے فائدے بھی تھے۔ یونیورسٹی سے ایک اسٹاپ تک کا فاصلہ تھا۔ یہاں سے یونیورسٹی بس بھی گزرتی تھی۔ وہ بہت آسانی سے قائداعظم لائبریری تک آ جا سکتا تھا۔ کھانا بھی آسانی سے مل جاتا تھا اور سب سے بڑھ کر اس کے بجٹ کے اندر تھا۔ اس کی مطلوبہ وین ابھی نہیں آئی تھی، وہ فٹ پاتھ پہ کھڑا ادھر ادھر نظر دوڑا رہا تھا۔

دھوپ کی شدت میں تیزی نہیں تھی، اس لیے کچھ اور لوگ بھی فٹ پاتھ پہ کھڑے وین اور بس کا انتظار کر رہے تھے۔ ایک طرف بوڑھا افغانی بھٹوں کی ریڑھی لیے کھڑا تھا اور ریڑھی کے پاس خدیجۃ الکبریٰ کھڑی تھی۔

مہران نے اس کی طرف دیکھا پھر دوبارہ سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ وہ اس لڑکی کو مخاطب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کی دو وجوہات تھیں۔ سینئر کلاس فیلوز نے اسے بطور خاص سمجھایا تھا کہ اسے ڈیپارٹمنٹ کے باہر لڑکیوں وغیرہ سے گفتگو کرنے میں ذرا احتیاط رہنے کی ضرورت ہے کیونکہ اسلامی جمعیت کے طلباء اس بات کو سخت ناپسند کرتے ہیں اور ایسے غیر محتاط طلباء اس بات کو سخت ناپسند کرتے ہیں اور ایسے غیر محتاط طلباء کی باز پرس بھی کی جاتی ہے اور دوسرا وہ لڑکی کشمالہ یا طوبیٰ جیسی ہوتی تو وہ رسک لیتا بھی، اب خدیجۃ الکبریٰ کے لیے وہ کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔

خدیجہ نے اس کی طرف دیکھا پھر بھٹے پر سے دانہ دانہ کر کے ٹونگنے لگی۔ مہران نے چند لمحوں بعد اسے اپنی جانب آتے دیکھا۔ اس نے نگاہیں بالکل نیچی کر لیں۔ اگر کوئی دور سے دیکھ رہا ہوتا تو یہی سمجھتا کہ سفید شلوار قمیص میں ملبوس یہ نوجوان نماز کی نیت باندھے کھڑا ہے۔

"سی ایس ایس میں بہت محنت کرنا پڑتی ہے نا" وہ اس کے قریب آ کر بولی۔ مہران نے چونکنے کی ایکٹنگ کی پھر اس کے چہرے کی جانب دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔

"ہاں جی...... محنت تو بہت ہے۔"

ابھی اس نے صرف سی ایس ایس کا ارادہ کیا تھا اور کورس پیٹرن وغیرہ کو سمجھنے کے لیے دو ایک کتابیں خریدی تھیں مگر اس کے سامنے وہ ان کتابوں کی تفصیل بتانے لگا جو اس نے پڑھ بھی لی تھیں۔ حالانکہ حقیقت تو یہ تھی

کہ اس نے ان کتابوں کے نام سلیبس والی کتاب میں پڑھے تھے۔ خدیجہ اس کی کتابوں سے اور باتوں سے کافی متاثر نظر آرہی تھی یا شاید مہران کو ہی محسوس ہوا تھا۔

''سی ایس ایس کو لوگوں نے بس ہوا بنایا ہوا ہے۔ محنت تو جی ہر چیز میں کرنا پڑتی ہے۔ اصل ہے لگن اور مستقل مزاجی۔ یہ دونوں چیزیں موجود ہیں تو ہر کام آسان ہے۔''

مہران نے آنکھیں گھماتے ہوئے وہ الفاظ دہرائے جو اس نے ''کامیاب انسان بننے کے 101 طریقے'' والی کتاب کے پہلے صفحے پر پڑھے تھے۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اس لڑکی کے سامنے اسے کوئی شرم و جھجک یا اعتماد کی کمی جیسے امراض لاحق نہیں ہوئے تھے بلکہ وہ نہایت اعتماد کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا۔ اس لڑکی میں ایسی کوئی بات بھی تو نہیں تھی کہ وہ متاثر نظر آتا۔ بڑے بڑے پھولوں والا، بورے رنگ کا کاٹن کا سوٹ اس کے اوپر کالی چادر اور آنکھوں پر لگے چشمے نے اسے عام سے بھی عام بنا دیا تھا۔ وہ مسلسل بھٹے پر سے ناخنوں کی مدد سے دانے الگ کر کے پھانک رہی تھی۔

''آپ کے پاس پانچ روپے ہوں گے؟'' مہران کی بات ختم ہوتے ہی اس نے کہا۔ مہران نے حیرانی کو چھپا کر اس کی جانب بغور دیکھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس نے مہران کی کسی بات کو سنا ہی نہیں ہے۔

''ہاں...... ہیں تو۔''

''آپ مجھے پانچ روپے ادھار دے سکتے ہیں؟'' اس نے لاتعلق سے انداز میں کہا تھا جیسے اگر مہران اسے پانچ روپے نہیں بھی دے گا، تب بھی کوئی مصیبت نہیں ٹوٹ پڑے گی اور وہ پانچ کا نوٹ صرف اس لیے مانگ رہی ہے تاکہ مہران کی دریا دلی کو جانچ سکے۔

''ہاں جی...... ضرور کیوں نہیں۔'' اس نے فوراً قمیض کی دائیں جیب سے والٹ نکالا اور ڈھونڈ ڈھانڈ کر پانچ روپے کا ایک نوٹ برآمد کر لیا۔

''شکریہ جی...... میں کل واپس کر دوں گی۔'' خدیجہ نے اس کے ہاتھ سے وہ نوٹ لیا اور دائیں طرف سے آتی 33 نمبر وین میں سوار ہو گئی۔ اس کا عجلت بھرا انداز، اس کی ادھار پیسے مانگنے والی بے تکلفی، اس کا عام سا انداز گفتگو، اس کا عام سا لباس ہر چیز کے لیے مہران کے دل میں کوفت بڑھ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

''یہ کشمالہ کو دے دیجیے گا۔'' اس نے اوراق کا وہ پلندہ راحیلہ کے ہاتھ میں دیا جو اس نے رات بھر میں سیاہ کیے تھے۔ کشمالہ کی اسائنمنٹ میں اسے اس قدر محنت نہیں کرنا پڑی تھی کیونکہ مواد تو اس کے پاس موضوع سے متعلق موجود تھا مگر اسے کاغذ پر منتقل کرنے میں پانچ چھ گھنٹے صرف کرنا پڑے تھے لیکن وہ خوش تھا کہ اس نے بہترین اسائنمنٹ تیار کی ہے۔

''کشمالہ کو......؟ کیوں؟ یہ ہے کیا چیز؟'' راحیلہ نے لاپروائی سے اوراق پلٹتے ہوئے پوچھا چونکہ کشمالہ نظر نہیں آئی تھی، اس لیے مہران نے اس کے ساتھ اکثر اوقات نظر آنے والی لڑکی کو اسائنمنٹ تھما دی مگر

شاید یہی اس کی غلطی تھی۔ وہ دونوں کوریڈور کی سیڑھیوں میں کھڑے تھے۔

''اوہ...... میڈم ارم کی اسائنمنٹ...... یہ کشمالہ کا ٹاپک تھا۔ ویسے میں پوچھ سکتی ہوں، یہ اسائنمنٹ تمہارے پاس کیا کر رہی ہے۔'' وہ بظاہر اسائنمنٹ کو ہی دیکھ رہی تھی مگر اس کی ساری توجہ مہران ہی کی جانب تھی۔ مہران نے اس کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ کا مطلب نہیں سمجھا تھا۔ فقط اتنا سمجھا تھا کہ وہ اسائنمنٹ کی جانب پسندیدہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

یہ میں نے مکمل کی ہے...... کشمالہ نے کل مجھ سے کہا تھا کہ میں اس کی اسائنمنٹ بنا دوں...... آج سب مٹ (Submit) کروانا ضروری ہے نا۔''

اس نے راحیلہ کو اطلاع دینے والے انداز میں بتایا۔ گویا راحیلہ اس بات سے بے خبر ہے کہ آج Submition کی آخری تاریخ ہے۔ اس نے مہران کی جانب دیکھا۔

''یہ تم نے بنائی ہے یا مکمل کی ہے؟ جہاں تک میری یادداشت ساتھ دیتی ہے، پرسوں تک کشمالہ نے یہ اسائنمنٹ شروع بھی نہیں کی تھی، کل میں غیر حاضر تھی۔ اس نے کل اگر شروع کی ہوتی تو وہ فون پر مجھے ضرور بتاتی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ اسائنمنٹ تم نے مکمل نہیں بلکہ ساری تم نے ہی تیار کی ہے۔''

وہ آگے بڑھتے ہوئے مسکرا کر کہہ رہی تھی۔ مہران بھی مسکرایا اور اس کے ساتھ سیڑھیاں اترتے ہوئے بولا۔

''دراصل میرے پاس اس اسائنمنٹ سے متعلق کافی مواد تھا تو کشمالہ نے مجھ سے ہیلپ مانگی تھی۔ میں نے سوچا، میں ہی بنا دیتا ہوں۔''

اس کی بات سن کر راحیلہ کے چہرے پر مسکراہٹ گہری ہوئی۔

''کافی اچھا سوچ لیتے ہو تم۔'' وہ عجیب سے لہجے میں بولی پھر مہران کے چہرے کا جائزہ لیے بغیر فوراً بولی۔

''یہ میں کشمالہ کو دے دوں گی۔ ویسے تمہارے پاس "Texanomy of Education" کے متعلق کچھ ہوگا؟ مجھے یہ ٹاپک ملا ہوا ہے۔ میں نے تو تقریباً اپنی اسائنمنٹ مکمل کر لی ہے مگر Kreath Vowel کے کچھ تصورات کی وضاحت رہتی ہے۔ میں ابھی لائبریری جا کر اسے مکمل کروں گی اور دو بجے سے پہلے سب مٹ Submit کروا کر جاؤں گی۔ پوائنٹ تو مس ہو جائے گا مگر میں لوکل وین سے گھر چلی جاؤں گی۔ مشکل تو ہوگا مگر ظاہر ہے کرنا ہی پڑے گا۔ اب گلشن راوی میں تو گھر ہے میرا، سردیوں کے دن ہیں، تاریکی بھی جلدی پھیلتی ہے آج کل...... چلو چھوڑو...... تو پھر "Texanomy of Education" کے متعلق کچھ ہوگا تمہارے پاس؟''

وہ دونوں کوریڈور میں پہنچ کر رک چکے تھے۔ مہران کو اس کی مجبوری کا احساس تھا۔ اس کے دل میں ہمدردی کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ لوکل وین پہ سفر کر کے گھر جانا حقیقتاً بہت اذیت ناک تھا۔

"یہ ٹاپک تو ہم نے بی ایڈ میں بھی پڑھا تھا Kreath Vowel کے آئیڈیاز تو میرے فنگر ٹپس پر رہتے ہیں......اپنی اسائنمنٹ مجھے دو۔ میں مکمل کر دیتا ہوں۔"

اس نے فوراً سے پیش تر اپنی خدمات پیش کر دیں۔ راحیلہ کو اس سے زیادہ کچھ چاہیے بھی نہیں تھا۔ اس نے فائل کھول کر کچھ صفحات نکالے اور اسے تھما دیے۔

"مارکر سے میرا نام اور رول نمبر وغیرہ بھی لکھ دینا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ مہران نے اس کی مسکراہٹ کو اس کا خلوص سمجھا تھا۔ وہ گرلز کامن روم کی طرف بڑھ گئی اور مہران پانی کے کولر کے پاس آ گیا جامعہ پنجاب کا IER (انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن اینڈ ریسرچ) اسے وسعت کے اعتبار سے بہت پسند آیا تھا۔ نیو کیمپس کا مین ڈیپارٹمنٹ ہونے کی وجہ سے یہاں دوسرے ڈیپارٹمنٹس کے طلباء و طالبات کا کافی ہجوم رہتا تھا۔

"مولانا صاحب! خیریت سے ہیں آپ؟ کدھر ہیں، لفٹ ہی نہیں کرواتے آپ تو۔"

شاہد نے قریب آ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ وہ بھی اس کا کلاس فیلو تھا۔ مہران کو دل ہی دل میں کچھ بے چینی محسوس ہوئی۔ اسے احساس کمتری کے غلبے نے پھر گھیراؤ میں لے لیا۔ وہ بے وقوف یا احمق نہیں تھا مگر سادہ لوح ضرور تھا۔ اسے لوگوں کی آنکھوں میں چھپے تمسخر سے ڈر لگتا تھا، تب ہی وہ ہر ایک کے ساتھ مہربانی سے پیش آنے کی کوشش کرتا تھا۔ وہ شاہد کے طنزیہ انداز میں "مولانا صاحب" کہنے پر چڑ گیا تھا مگر پھر بھی مسکرا کر بات کرنا اس کی مجبوری تھی۔

"ارے نہیں شاہد بھائی! ایسی کوئی بات نہیں۔"

اس نے بجھی بجھی سی ہنسی کے ساتھ کہا تھا۔

"یہ تربیلا ڈیم تمہارے پاس کیا کر رہی تھی؟"

اس نے دور جاتی راحیلہ کی پشت کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ مہران نے استفہامیہ انداز میں اس کی جانب دیکھا۔ حالانکہ وہ سمجھ چکا تھا کہ وہ راحیلہ کا مذاق اڑا رہا ہے۔ راحیلہ کا قد کافی لمبا تھا جس کی وجہ سے شاہد اور سلیم وغیرہ اسے "تربیلا ڈیم" کہتے تھے۔

"ارے اس راحیلہ کی بات کر رہا ہوں۔ یہ سب فرینڈز بہت چالاک لڑکیاں ہیں، ان سے ذرا بچ کر رہنا۔"

اس نے مہران کے ہاتھ میں پکڑا پانی سے لبالب بھرا گلاس پکڑا اور غٹا غٹ پانی پینے لگا پھر گلاس خالی کر کے دوبارہ سے مہران کے ہاتھ میں دے کر کھوجنے والے انداز میں اسے دیکھ کر بولا۔

"مجھے یقین ہے، اس نے اپنی اسائنمنٹ تمہیں دے دی ہو گی اور کوئی پرفیکٹ سا بہانا گھڑا ہو گا کہ وہ کن وجوہات کی بنا پر اسائنمنٹ مکمل نہیں کر پائی اب تمہیں یہ ذمہ داری سونپ گئی ہو گی کہ اس کی اسائنمنٹ مکمل کر کے Submit کروا دینا۔"

مہران بے تحاشا چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگا۔ اس نے اگر اندازہ لگایا تھا، تب بھی وہ داد کا مستحق تھا کہ اس کا اندازہ بالکل درست تھا مگر وہی سادگی جس کی بنا پر مہران نے راحیلہ سے اسائنمنٹ پکڑ لی تھی۔ اب اسے شاہد کے سامنے یہ اعتراف کرنے سے روک رہی تھی کہ راحیلہ سچ مچ اسے اپنا سائنمنٹ دے گئی ہے۔

"نہیں یار! ایسی کوئی بات نہیں۔ وہ تو مجھ سے میرے اسائنمنٹ کے متعلق ڈسکس کر رہی تھی۔ اچھی لڑکی ہے راحیلہ۔"

"تم بہت فیور کر رہے ہو اس کی، خیریت تو ہے نا؟"

وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ مہران جھینپ گیا۔

"ویسے راحیلہ انگیجڈ ہے......"

"اور بھائی! تم تو سنجیدہ ہو گئے، ایسی کوئی بات نہیں۔"

مہران نے اس کی بات کاٹ کر نیم سنجیدگی سے کہا۔ اسے شاہد کی بے تکلفی پر حیرت ہو رہی تھی۔ وہ کس قدر سکون سے ایک لڑکی کی ذات کو گفتگو کا موضوع بنائے ہوئے تھا۔ مہران نے جلدی سے اس کی طرف سے رخ موڑا اور دوبارہ سے پانی کا گلاس بھرنے لگا اور پھر پانی پینے تک اس نے مڑ کر پیچھے نہیں دیکھا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا شاہد کو فی الحال اس سے مخاطب ہونے کا زیادہ موقع ملے۔

کلاس میں شاہد اور اس کے دوستوں کا بہت ہولڈ تھا کیونکہ شاہد سی آر بھی تھا اور پھر چرب زبان ہونے کی وجہ سے وہ اساتذہ کا بھی پسندیدہ تھا، اسی لیے مہران شاہد سے زیادہ پنگا لینے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اگلی کلاس میڈم ممتاز کی تھی جو آج کل غیر حاضر تھیں۔ مہران کا اپنا اسائنمنٹ مکمل تھا مگر صبح آتے ہوئے وہ اسائنمنٹ رنگ بائنڈنگ کے لیے دے آیا تھا۔ اب کلاس نہیں تھی تو اس نے سوچا اسائنمنٹ بھی لے آئے اور لائبریری میں بیٹھ کر راحیلہ کی اسائنمنٹ بھی مکمل کر لے۔ وہ لائبریری کی سمت چل پڑا۔

"اچھا تو راحیلہ انگیجڈ ہے۔" اس نے سوچا اور پھر خود ہی حیران ہوا کہ وہ سب کیوں سوچ رہا ہے۔

اس کا راحیلہ سے تعلق ہی کیا تھا۔ وہ اس کی کلاس فیلو تھی۔ انسانی ہمدردی کی بنا پر وہ اس کا اسائنمنٹ مکمل کر کے دینا چاہتا تھا پھر اسے کشمالہ کا خیال آیا۔ اس نے کشمالہ کا اسائنمنٹ بناتے ہوئے بھی "انسانی ہمدردی" کے اسی فارمولے کو ذہن میں رکھا تھا۔

اس نے کوریڈور سے نکل کر لان میں داخل ہوتے ہوئے کشمالہ، فوزیہ اور راحیلہ وغیرہ کو کھڑے دیکھا۔ شاہد اور سلیم بھی ان کے پاس کھڑے تھے۔ کسی نے بھی اسے مخاطب کرنے یا اس کی طرف متوجہ ہونے کی کوشش نہیں کی۔ حالانکہ اسے امید تھی کہ کشمالہ اسے شکریہ کہنے کے لیے اس کی طرف ضرور آئے گی مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔ لان ختم ہوا، دوبارہ سے کوریڈور شروع ہوا اور پھر دوسرے ڈپارٹمنٹس شروع ہو گئے۔ وہ واک کرتا ہوا لائبریری کی سمت آ گیا۔

صبح کا وقت تھا اور لائبریری کی وسیع و عریض عمارت کے اردگرد انتہائی سناٹا تھا۔ پنجاب یونیورسٹی کی

لائبریری دنیا کی سب سے بڑی لائبریری ہونے کے باوجود انتہائی بدقسمت ہے۔ یہاں کتابوں کا قیمتی ذخیرہ موجود ہونے کے باوجود استفادہ کرنے کے لیے کوئی نہیں آتا۔ مہران اس صورت حال پر کڑھتے ہوئے پہلی منزل کی طرف آ گیا۔ ابھی وہ موزوں میز کا انتخاب کر رہا تھا، جہاں بیٹھ کر لکھنے کا کام ختم کر سکے کہ کڑچ کڑچ کی آوازوں نے اسے متوجہ کیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا، کتابوں کے ریک کے بالکل ساتھ والی میز پر خدیجۃ الکبریٰ براجمان تھی۔ اس کے سامنے ایک شاپنگ بیگ کھلا پڑا تھا جس میں ہاتھ ڈال کر وہ کچھ نکالتی اور منہ میں رکھ لیتی۔ کڑچ کڑچ کی آوازیں اس کے منہ سے آ رہی تھیں جبکہ سیدھے ہاتھ سے وہ کچھ لکھنے میں مصروف تھی۔

مہران اسے مخاطب کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا مگر اس نے شاید مہران کی نظروں سے چونک کر سر اٹھایا تھا۔

''کڑچ کڑچ السلام علیکم۔'' خدیجہ نے مسکراتے ہوئے اسے سلام کیا تھا اور ساتھ ہی منہ میں رکھی ہوئی چیز چبائی تھی۔

''وعلیکم السلام جی! خیریت سے ہیں آپ؟''

مہران کو جواب دینا پڑا اور خیریت بھی معلوم کرنا پڑی۔

''مونگ پھلی کھاؤ گے؟'' اس نے آفر دی۔ مہران مسکرا کر ٹالنا چاہتا تھا مگر خدیجہ نے فوراً میز پر رکھا وہ لفافہ اس کے آگے کر دیا۔ چاروناچار مہران نے آگے ہو کر اس لفافہ سے کچھ مونگ پھلیاں اٹھالیں۔

''کیا کر رہی ہیں، اسائنمنٹ مکمل نہیں ہوئی ابھی۔'' اس نے خدیجہ کے روانی سے چلتے ہاتھوں کی جانب دیکھا۔ اس کی ہینڈ رائٹنگ بے حد خوبصورت تھی۔ مہران کو کوفت بھی ہوئی کہ ہر لڑکی ہی ادھوری اسائنمنٹ لیے پھر رہی ہے جبکہ وہ اپنا کام دو دن پہلے ہی ختم کر چکا تھا۔

''یہ میرا اسائنمنٹ نہیں ہے۔ میں نے اپنا کام بہت دن پہلے ختم کر لیا تھا۔ یہ شاہد کا اسائنمنٹ ہے۔ وہ بیچارا اپنے ابو کی بیماری کی وجہ سے یہ اسائنمنٹ مکمل نہیں کر سکا تھا، اس لیے اس نے مجھ سے درخواست کی تھی۔ Texanomy کوئی مشکل ٹاپک تو نہیں اور پھر میں فارغ ہی تھی، اس لیے میں نے سوچا کہ میں یہ اسائنمنٹ بنا دیتی ہوں۔'' وہ لکھتے ہوئے تفصیل بھی بتا رہی تھی۔

''شاہد کی......؟ شاہد باجوہ کی بات کر رہی ہو؟ مہران نے نخوت سے پوچھا۔

''ہاں جی۔'' اس نے دو لفظوں میں جواب دے کر بات ختم کر دی۔ مہران کو حد درجہ غصہ آیا۔ شاہد ابھی ڈیپارٹمنٹ میں لڑکیوں کے گروپ میں ہیرو بن کر کھڑا تھا اور اس سے چند لمحے پہلے وہ راحیلہ کی ذات کے بخیے ادھیڑ رہا تھا اور اب یہ خدیجہ بتا رہی تھی کہ اس کے ابو بیمار ہیں جبکہ راحیلہ بیچاری نے اس کو اسائنمنٹ مکمل کرنے کے لیے دے دی تو شاہد باجوہ کو یہ بات بری لگ رہی تھی۔

''مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنا تھی۔''

خدیجہ نے فائل اور کاغذ سے نظریں اٹھائے بغیر کہا تھا۔ مہران اب کسی بھلائی کے موڈ میں نہیں تھا، اس لیے فوراً بولا۔

''میں بہت مصروف ہوں، مجھے ابھی رنگ بائنڈنگ والے کے پاس بھی جانا ہے۔''

خدیجہ نے سر اٹھا کر عجلت بھرے انداز میں اس کی جانب دیکھا پھر دوبارہ سے قلم چلاتے ہوئے بولی۔

''صرف دو مزید لائنیں لکھنی ہیں...... دراصل یہ بکیں (کتابیں) میں بک بینک سے لائی ہوں اور واپس بھی کرنی ہیں تو دیر ہو رہی ہے۔ اسائنمنٹ مکمل کرنا بھی ضروری ہے نا......شاہد بیچارے کے ابو بہت بیمار ہیں......''

اس نے سارا زور لفظ ''بیچارے'' پر لگا کر کہا تھا مہران چڑ گیا۔ دل چاہا ''شاہد بیچارے'' کا پول کھول دے مگر پھر کچھ سوچ کر خاموش ہو رہا۔

خدیجہ نے اسائنمنٹ مکمل کی، پین کا ڈھکن لگا کر اسے میز پر رکھا اور پھر سارے لکھے ہوئے صفحات کی ترتیب درست کرنے لگی۔ مہران کو نجانے کیوں محسوس ہوا کہ وہ جان بوجھ کر اس کا وقت برباد کر رہی ہے۔

''میں نے آپ کی امانت لوٹانی ہے۔'' صفحات کو فائل میں رکھتے ہو وہ اس کی جانب متوجہ ہوئی۔ اس کی عینک پھسل کر ناک کی نوک پر آ چکی تھی جبکہ چادر سر سے پھسل کر گردن پہ تھی۔ خدیجہ نے بائیں ہاتھ سے چادر درست کی اور دائیں ہاتھ سے عینک پھر اپنا تھیلا نما بیگ کھول کر اس میں ہاتھ مارنے لگی۔ بالآخر ایک بوسیدہ سا بھورے رنگ کا والٹ اس زنبیل سے برآمد ہو گیا۔ اس نے والٹ کھول کر اس میں سے روپے نکالے پھر انہیں گننے لگی۔ مہران حیرانی سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ پچاس، دس اور پانچ سو روپے کا ایک نوٹ اور کچھ سکے بھی تھے۔ اس نے سارے نوٹ دوبارہ سے والٹ میں رکھے پھر سکے گننے لگی اور آخر کار اس نے پانچ سکے الگ کر کے مہران کی جانب بڑھائے۔

''یہ آپ کے روپے۔''

مہران کو دھچکا لگا۔ پانچ روپے کی آج کے زمانے میں اہمیت ہی کیا ہے اور اس نے یہ پیسے اس غرض سے نہیں دیے تھے کہ ایک دن بعد واپس بھی لے گا۔

''میرے پیسے......؟'' اس نے بھنویں اچکاتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں جی...... یہ میں نے کل آپ سے لیے تھے نا...... دراصل کل میرے پاس پیسے نہیں تھے...... مجھے وین کا کرایہ دینا تھا، اس لیے مجھے آپ سے ادھار لینا پڑے۔'' وہ عام سے انداز میں وضاحت کر رہی تھی۔ مہران کو اس کی وضاحت سے کوئی غرض نہیں تھی۔ فقط اسے یہ برا لگ رہا تھا کہ محترمہ خدیجۃ الکبریٰ اسے اتنا گیا گزرا سمجھتی ہیں کہ ایک پانچ روپے لوٹانے آ گئیں۔

''یہ میں نہیں لوں گا خدیجہ! ہم کلاس فیلوز ہیں۔ کیا یہ اچھا لگتا ہے کہ میں آپ سے پیسے واپس لوں۔ میں یہ نہیں لوں گا اور براہ مہربانی یہ پیسے آپ اپنے پاس ہی رکھیے۔''

اس نے سخت لہجے میں کہا۔ خدیجہ نے حیرانی اور ناسمجھی سے اس کی جانب دیکھا۔ بات اتنی بڑی نہیں

تھی، جتنی بڑی وہ بنا رہا تھا۔ اس کے ساتھ بھی عجیب ہی مسئلہ تھا۔ اس کے اندر نجانے کیوں یہ احساس پختہ ہوتا جا رہا تھا کہ چونکہ اس کا تعلق ایک قصبہ نما شہر سے ہے، اس لیے اس کے کلاس فیلوز اس کے ساتھ سوتیلوں والا سلوک کرتے ہیں۔

اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتی، مہران آگے بڑھ گیا۔ خدیجہ نے اسے دوبارہ پکارنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کو لائبریری میں مزید گھنٹہ لگ گیا۔ راحیلہ کے اسائنمنٹ میں بہت سے نکات کی وضاحت ہونا باقی تھی۔ اس کی نوک پلک سنوار کر وہ دوبارہ ڈیپارٹمنٹ پہنچا تو بھی شاہد اور راحیلہ وغیرہ اکٹھے کھڑے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

اسے ایک دفعہ پھر غصہ آیا۔ ”اگر میں فری کلاس میں لائبریری جا کر اسائنمنٹ بنا سکتا تھا تو راحیلہ بھی بنا سکتی تھی مگر اسے لفنگوں کے ساتھ کھڑے ہو کر لطیفے سنانے تھے اور یہ کام شاید زیادہ ضروری تھا۔“

اس نے کڑھ کر سوچا اور پھر ان کے گروپ کی طرف بڑھ گیا کہ بہر حال تیار کیا ہوا اسائنمنٹ اسے دینا تو تھا۔

”راحیلہ! یہ تمہاری اسائنمنٹ۔“

اس نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ راحیلہ نے جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے صفحات کا وہ پلندہ لیا اور بولی۔

”ارے ہاں، یہ تمہارے پاس رہ گیا تھا۔ مجھے یاد ہی نہیں آ رہا تھا کہ مجھ سے کون مانگ کر لے گیا تھا.....تم نے کچھ پوائنٹس نقل کرنے تھے نا...... ہے نا۔“

وہ اس کی جانب تصدیق چاہنے والی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ مہران نے ایک نظر اس کی جانب دیکھا پھر اس کے ساتھ کھڑے اس کے دوستوں کو اور تھک کر سر جھکا کر بولا۔

”ہاں جی!“

☆　☆　☆

حویلی لکھا سے لاہور تک کا سفر ہے ہی کتنا......؟ ڈھائی سے تین گھنٹے میں کوئی بھی شخص با آسانی یہ سفر طے کر سکتا ہے مگر مہران کے لیے یہ سفر اس قدر آسان نہیں تھا۔ اس کے لیے یہ ایک پودے کو اس کی جڑ سے اکھاڑ کر دوسری زمین میں لگانے کے برابر تھا۔ والدین کے انتقال کے بعد اس کی خالہ نے اسے پالا اور بس پالا ہی پالا تھا، یعنی اس پالنے میں دو وقت سوکھی روٹی دینا اور ہر چار پانچ سال بعد دو جوڑے کپڑے بنا دینا شامل تھا۔ رہی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری تو خالہ کو بھلا اپنے آٹھ بچوں سے فرصت ہی کب تھی کہ وہ نویں مہران علی کو دیکھ پاتیں۔ خالو اسکول ماسٹر تھے مگر انہیں بھی پڑھانے لکھانے سے زیادہ کھانے پینے میں دلچسپی تھی۔ ایسے میں مہران کی دیکھ بھال کون کرتا۔ زندگی کے دس سال اس نے بس ”بابا آ“ اور ”بابا جا“ کر کے گزار دیے۔ خالہ کا کوئی بچہ پہاڑے یاد کرتا، اس کے کانوں میں آواز پڑ جاتی تو وہ بھی ”اک دونی دونی“ اور ”دو دونی چار“ کا راگ الاپ لیتا۔ کوئی گھر مین چھوٹا موٹا انگلش کا لفظ بول لیتا یا کسی ٹی وی ڈرامے سے کان میں کوئی آواز پڑ جاتی تو وہ

اس کا مفہوم سمجھے بغیر اسے ذہن نشین کرنے کی کوشش ضرور کرتا کہ اللہ نے ذہن اچھا دے رکھا تھا مگر فقط ذہن اچھا ہونے سے قسمتیں اچھی نہیں ہوا کرتیں۔ رب کی مہربانی نہ ہو تو زرخیز زمینوں پر بھی پھل اگنے سے رہ جاتا ہے، سو مہران کے ساتھ دس سال تک یہی ہوتا رہا۔

ان دس سالوں میں اس نے خالہ کے جوتے کھائے بھی اور سیدھے بھی کیے پھر خالو کے ایک جاننے والے کو ملازم لڑکے کی ضرورت پڑی۔ یوں مہران، حشمت صاحب کے یہاں ملازم ہو گیا۔ نظر کرم کی بات ہے، کبھی بھی کسی پر بھی ہو سکتی ہے۔ حشمت صاحب خدا ترس انسان تھے، انہیں اپنے بیٹے کے چھوٹے موٹے کاموں کو سرانجام دینے کے لیے ایک صاف ستھرے لڑکے کی ضرورت تھی، انہیں مہران کے طور طریقے پسند آئے۔ حد سے زیادہ حساس بچہ تھا اور اسی حساب سے محبت اور خیال کرنے والا بھی۔

ٹیوٹر رضا حشمت کو پڑھانے آتا تھا جو ابھی فرسٹ اسٹینڈرڈ میں تھا۔ مہران اس کے پاس بیٹھا رہتا اور رضا کو پڑھائے جانے والا کام خود ذہن نشین کرتا رہتا۔ اس کا شوق و لگن دیکھ کر ٹیوٹر کو اس کو پڑھانے کی ذمہ داری بھی سونپ دی گئی۔

اللہ مہربان تھا اس پر، یوں وسیلہ بنتا چلا گیا۔ اس نے انیس سال کی عمر میں میٹرک پاس کیا تھا۔ حشمت صاحب اسے کوئی تنخواہ نہیں دیتے تھے مگر اس کے کپڑے اور کھانے کی ذمہ داری ان ہی کی تھی۔ ٹیوٹر اور امتحان کی فیس بھی وہی ادا کر دیتے۔ اگلے تین سالوں میں اس نے نہ صرف ایف اے کر لیا بلکہ بی اے کی بھی کافی حد تک تیاری کر لی مگر حشمت صاحب کو کینیڈا کا ویزا ملا تو پہنچی وہاں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا کہ مصداق اسے دوبارہ خالہ، خالو کے یہاں آنا پڑا مگر اب وہ سمجھ دار تھا، اسے اپنے بھلا برا سب سمجھ میں آتا تھا۔ اسے خالہ، خالو کی زیادتیاں بھی یاد تھیں مگر اس نے کئی سال ”خادم“ ٹائپ ملازمت میں گزارے تھے۔ اسے ”ہاں جی“ کی افادیت پتا تھی۔ وہ جانتا تھا کہ خالہ، خالو کے گھر کچھ مزید عرصہ رہنا ہے تو سر جھکا کر عاجزی و انکساری کو اپنا کر رہنا ہوگا۔ سو اس نے خالہ کے گھر بھی خود کو گھر کا فرد سمجھنے کے بجائے ملازم ہی سمجھا۔ ہر ایک کی بات پر سر جھکانا، ہر ایک کے حکم پر لبیک کہنا اس کی عادت بن گئی۔ ”تمہارا نام مہران علی کے بجائے محمد خادم ہونا چاہیے تھا۔“

خالہ کا بڑا بیٹا سبحان اکثر اس کا مذاق اڑاتا مگر وہ ہنس کر ٹال دیتا۔ وہ اس صورت حال سے خوش نہیں تھا، فقط برداشت کر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا اس کی پرواز اونچی ہوگی مگر اڑان بھرنے کے لیے اسے جس قدر توانائی کی ضرورت تھی، وہ ابھی اس کے پاس موجود نہیں تھی۔

اس نے خالہ کے گھر رہ کر بی اے کا امتحان دیا اور بہت اچھی ڈویژن کے ساتھ پاس بھی کیا۔ حالات انسان کو کامیاب نہیں کرتے، ہمت انسان کو کامیاب کرتی ہے۔ اس کے پاس ہمت تھی اور سیکھنے کی لگن بھی۔

اس نے ایم اے پولیٹیکل سائنس کیا، علامہ اقبال یونیورسٹی سے بی ایڈ کیا، اس چھوٹے سے شہر میں جو دو ایک شارٹ کورس ہوتے تھے، وہ بھی کیے۔ ٹیوشنز پڑھائیں، بڑی دکانوں پر ”چھوٹا“ بن کر کام کیا۔ جائز

روپے کے حصول کے لیے جو ملازمت ملی، وہ کی۔

جس روز اسے ایم اے کی ڈگری ملی، اس روز اسے لگا کہ وہ کامیاب ہو گیا۔ اس نے بہت محنت اور مشقت سے یہ ڈگری حاصل کی تھی۔ اس کا حق تھا کہ اسے اس کی محنت کا صلہ دیا جاتا۔ اس کے عزم و استقلال کو پہلا دھچکا تب لگا جب ڈگری کالج والوں نے شکریہ کے ساتھ اس کا سی وی واپس کیا۔

"ملازمت کوئی مٹھائی کی ڈلی نہیں جو ہم آپ کو پلیٹ میں رکھ کر دے دیں اور پھر آپ کے سی وی میں ایسی کوئی چونکا دینے والی بات بھی نہیں۔ ایڈہاک کی بنیاد پر بھی ملازمت لوٹ سیل پر تو نہیں مل رہی۔ آپ تو میرے سامنے اتنا گھبرا کر بول رہے ہیں، ستر اسی کی کلاس کو کیسے کنٹرول کریں گے۔"

کالج کے پرنسپل نے لہجے کو انتہائی مہذب رکھتے ہوئے الفاظ کے پتھر اسے مارے تھے۔ اس کے بعد ہیومن ریسورسز والوں کی طرف سے کسی نے ایک جاب کے بارے میں اسے بتایا مگر وہاں اس کا حلیہ دیکھ کر ہی صاف انکار کر دیا گیا۔ تین سے پانچ ہزار کی جاب بھی اس کے لیے ایک انتہائی مشکل ٹارگٹ ثابت ہوا تھا۔ اتنی محنت کر کے دو ہزار کی ٹیوشن پہ اکتفا کر لینا اسے منظور نہیں تھا اور اس کی پسند کی ملازمت مل جانا شاید فی الحال قسمت کو منظور نہیں تھا۔ اس نے بھی ملازمت کے حصول کے لیے خوب دھکے کھائے پھر ڈی سی او صاحب کی مہربانی سے اسے ایک ہائی اسکول میں ملازمت مل گئی۔

یہ ملازمت اگرچہ اس معیار کی نہیں تھی جس کی اسے خواہش تھی مگر پھر بھی اس کے حالات کسی قدر بہتر ہونے لگے۔ شام کو وہ ڈی سی او صاحب کے دو بچوں کو ٹیوشن پڑھاتا تھا۔ حویلی لکھا سے لاہور شفٹ ہونے کا مشورہ بھی اسے انہوں نے ہی دیا تھا۔ ان کے کہنے پر وہ یہاں آیا تھا۔ ایم ایڈ اس لیے کر رہا تھا کہ سی ایس ایس میں ناکامی بھی ہو سکتی تھی اور سی ایس ایس اس لیے کرنا تھا کہ اسے خود کو منوانا تھا، اپنا وجود ثابت کرنا تھا۔ لاہور شہر میں اسے ایڈجسٹ ہونے میں دشواری ہوئی تھی اور ایڈجسٹ ہو جانے کے بعد یہ دشواری بڑھ گئی۔ وہ ذہن میں ایک معیار بنا کر آیا تھا۔ اس نے ساری زندگی پرائیویٹ طالب علم کی حیثیت سے پڑھا تھا۔ اس میں اعتماد کی کمی تھی۔ وہ اچھی گفتگو کرنے کے فن سے نا آشنا تھا۔ اس کے ساتھی طلباء اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ کہنے کو وہ اعلا تعلیم یافتہ تھا مگر اعتماد کی کمی اور کمزور شخصیت کی خامیاں اس پر اس قدر حاوی تھیں کہ وہ ناکام دکھائی دیتا تھا۔

لاہور میں آ کر اسے تیسرے درجے کے انگلش میڈیم اسکول میں چار ہزار روپے ماہوار کی ملازمت ملی تھی۔ اسکول چونکہ ایوننگ شفٹ میں تھا، اس لیے اس کے لیے مسئلہ پیدا نہیں ہوا تھا مگر ایک مسئلہ جو شاید اس کا سب سے بڑا مسئلہ تھا، وہ ہنوز باقی تھا۔ وہ اپنی منزل سے تا حال دور تھا۔

☆ ☆ ☆

"مہران! تم کس قدر فضول انسان ہو۔ مجھے تم سے اس قدر گھٹیا حرکت کی امید نہیں تھی۔"

کشمالہ نے انتہائی تلخ لہجے میں کہا تھا۔ پہلی کلاس تھی اور ابھی چند ایک لوگوں کے سوا کلاس روم میں کوئی موجود نہیں تھا۔ مہران جب داخل ہوا تو کشمالہ بھی موجود نہیں تھی۔ وہ اس کے داخل ہونے کے چند لمحوں بعد

آئی تھی اور آتے ہی برس پڑی تھی۔ مہران نے حیرت سے اپنی داڑھی میں انگلیاں چلائیں۔ اسے کشمالہ کے "شکریہ" کا انتظار تھا مگر وہ غصہ کر رہی تھی۔

"ایک ناکارہ اسائنمنٹ ہی تھی نا...... اگر تم نے بنا ہی دی تھی تو احسان جتانے کی کیا ضرورت تھی اور پھر میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ بنا کر دو۔ میں نے تو صرف تم سے ضروری مواد مانگا تھا مگر تم نے خود ہی بتیسی نکال کر کہا کہ میں بنا دوں گا۔ اب اس میں میری تو کوئی غلطی نہیں تھی۔"

وہ آگ بگولا ہوتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اس کی اونچی آواز سن کر شاہد اور عظیم بھی ان کی طرف آ گئے۔

"کیا ہوا مس کشمالہ! کوئی غلطی ہو گئی۔"

شاہد نے مہران کو گھورتے ہوئے کشمالہ سے پوچھا جبکہ مہران ابھی بھی ہکا بکا کھڑا تھا۔ اس کے منہ سے الفاظ ہی نہیں نکل رہے تھے۔

"آپ درمیان میں مت بولیں...... یہ ہم دونوں کا معاملہ ہے۔" کشمالہ نے اسے بھی گھر کا، جبکہ عظیم نے ہنکارا بھرا تھا۔

"ہم دونوں کا معاملہ......؟ ارے ہم مر گئے تھے کیا جو آپ جیسی حسینہ نے مولوی سے معاملہ طے کر لیا۔"

عظیم نے بہت دھیمی آواز میں پھبتی کسی تھی۔ کشمالہ تک آواز نہیں پہنچی تھی مگر مہران نے بخوبی سن اور سمجھ لیا تھا۔ اسے دکھ ہوا۔ عظیم عرف جمی کو تو وہ اپنا دوست سمجھ رہا تھا۔ شاہد معاملہ کی نزاکت بھانپ کر عظیم کا بازو پکڑے کلاس روم سے باہر نکل گیا تھا۔

"آپ کس بات پر اتنا غصہ ہو رہی ہیں۔ اسائنمنٹ ٹھیک نہیں تھی کیا؟" اس نے دھیمے لہجے میں ہکلاتے ہوئے پوچھا۔

"اسائنمنٹ ٹھیک تھی جناب! مگر آپ کو ضرورت کیا تھی راحیلہ کے ہاتھ میں دینے کی...... اس نے باقی سب لڑکیوں کو دکھا کر خاص طور سے یہ بتایا کہ کشمالہ کی اسائنمنٹ مہران نے بنا کر دی ہے...... میری کتنی بے عزتی ہوئی اس بات سے...... میں ایسی لڑکی نہیں ہوں...... میں بہت شریف لڑکی ہوں...... میں اس قسم کے اسکینڈل افورڈ نہیں کر سکتی۔ آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

وہ اب کی بار دھیمے لہجے میں بولی۔ شکل پر معصومیت بھی طاری کر لی۔

"اسکینڈل......؟ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا جی۔ آپ موجود نہیں تھیں تو میں نے اسائنمنٹ آپ کی سہیلی کو دے دی تا کہ وہ آپ تک پہنچا دے اور......"

وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ بھلا اب یہ بتانے کی کیا ضرورت تھی کہ راحیلہ کے اسائنمنٹ پر بھی اس نے کافی کام کیا تھا۔

"بہرحال...... مجھے بہت افسوس ہوا...... میں نے تو آپ کو بھائی سمجھ کر ایک کام کہہ دیا تھا، ورنہ میں ایسی لڑکی نہیں ہوں...... آپ جس سے مرضی پوچھ لیں، کلاس میں اتنے لڑکے ہیں مگر میں کسی سے بات نہیں کرتی۔"

اس کے مصنوعی بھول پن سے کہنے پر مہران کا سر مزید جھک گیا مگر شرمندگی سے نہیں، تاسف سے۔

"یہ ایسی ویسی لڑکی کیا ہوتی ہے کشمالہ بی بی!" اس نے دل میں سوچا۔ اس کا انتہائی چست لباس، گردن کے قریب لٹکتا دوپٹہ، چہرے پر میک اپ کا بے دریغ استعمال چیخ چیخ کر اعلان کر رہا تھا کہ مجھے دیکھو، بار بار دیکھو۔ وہ سر اس لیے جھکائے ہوئے تھا کہ کشمالہ کی شرٹ کا گریبان بہت کھلا تھا۔

"کلاس میں اتنے لڑکے ہیں مگر کسی سے بات نہیں کرتی۔" اس کا جملہ مہران کے ذہن میں گونجا۔

"یہ لڑکی لڑکوں سے بات نہیں کرتی مگر ان کی آنکھوں کو گناہ بالذت پہنچانے کے لیے اس قدر بھرپور اہتمام سے تیار ہو کر آتی ہے۔"

اس نے سوچا تھا اور پھر خود کو ملامت کی تھی۔ اس کی ذہنیت اس قدر پستی اور گھٹیا نہیں تھی کہ وہ عورت ذات کے لیے اس طرح باتیں سوچتا مگر کشمالہ کی باتوں سے اسے دکھ پہنچا تھا۔ اس کے دوغلے پن نے مہران کو حیران کیا تھا۔ وہ اس کی نظروں کے سامنے کل شاہد اور کچھ دوسرے لڑکوں سے کتنا فرینک ہو کر بات رہی تھی۔ وہ ایک جھٹک کر باہر کی سمت چلی گئی تھی۔ مہران دوبارہ سے اپنی نشست پر آ کر بیٹھ گیا۔

کلاس میں دو ایک لڑکیاں بھی بیٹھی تھیں مگر انہوں نے مہران اور کشمالہ کی طرف دیکھنے کی کوشش کی تھی نہ ان کی گفتگو میں دخل دینے کی۔ ان میں سے ایک تو خدیجۃ الکبریٰ تھی، دوسری کا نام اسے نہیں معلوم تھا۔ اسے فی الحال کسی چیز سے کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اسائنمنٹ بنا کر دینا غلط نہیں تھا، سب کے سامنے دینا غلط تھا۔

"اگر یہ سب لوگ صحیح ہیں تو میں غلط ہوں اور اگر یہ سب لوگ غلط ہیں تو پھر میں صحیح ہوں۔" اس نے پشیمانی میں گھر کر سوچا۔ کشمالہ کی باتیں سارا وقت اس کے ذہن میں گونجتی رہی تھیں۔

اس کے بعد سارا وقت اس کا مزاج خوشگوار نہ ہو سکا۔ کمرے کی دیواریں، دیوار پر لگا وال کلاک، روسٹرم، وائٹ بورڈ، مارکر ہر چیز اسے خود پر ہنستی ہوئی محسوس ہوتی رہی اور اپنا وجود ناکارہ لگتا رہا۔ کلاسز ختم ہو جانے کے بعد اس کا ارادہ نہیں تھا کہ وہ مزید یہاں ٹھہرے مگر اسٹاپ کی طرف جاتے ہوئے اسے کسی نے پکارا۔

"ایکسکیوزمی! آپ کے پاس لائبریری کارڈ ہوگا مہران!"

نسوانی آواز سن کر اس کا جی چاہا، یہاں سے بھاگ جائے مگر انسان اتنے آرام سے وہ سب کب کر پاتا ہے جو اس کا جی چاہ رہا ہوتا ہے۔ اس نے والٹ نکال کر لائبریری کارڈ نکالا اور اس لڑکی کے ہاتھ میں دے دیا جو اس سے کارڈ مانگ رہی تھی۔ وہ اس لڑکی کا نام تک نہیں جانتا تھا۔

"معاف کیجئے گا، ویسے آپ کافی احمق ہیں۔" اس لڑکی نے سادہ سے لہجے میں کہا پھر ہاتھ میں

پکڑی فائل کو دوسرے ہاتھ میں منتقل کرتے ہوئے بولی۔

"آپ میرا نام بھی نہیں جانتے مگر آپ نے نہایت خندہ پیشانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے لائبریری کارڈ مجھے تھما دیا۔ میں اگر چاہوں تو آپ کا کارڈ استعمال کرتے ہوئے کوئی بھی بک ایشو کروا لوں اور اسے واپس نہ کروں تو آپ کیا کر لیں گے، سوائے سر پیٹنے کے آپ کچھ اور نہیں کر پائیں گے۔"

اس لڑکی کا لہجہ انتہائی ملائم اور انداز بے حد سادہ تھا۔ مہران کو اس کی بات میں بہت وزن محسوس ہوا اور اپنی لاپروائی پر پچھتاوا بھی۔

"مہران صاحب! ایک گر کی بات بتاؤں آپ کو......" اس نے اتنا کہہ کر لمحہ بھر توقف کیا پھر بولی۔

"نیکی کر کے دریا میں ڈالنا اچھی بات ہے مگر نیکی کرنے کے لیے خود کو دریا میں ڈال دینا کہاں کی عقل مندی ہے۔ یعنی بھلائی ضرور کیجئے مگر وہاں جہاں بھلائی کی ضرورت ہو...... مجھے امید ہے آپ کو میری بات سمجھ میں آ گئی ہوگی...... آئیے اب ذرا میرے ساتھ لائبریری تک چلیے۔ میں مطلوبہ کتاب ایشو کروا کر کارڈ آپ کو واپس کر دوں گی اور دو دن بعد جب کتاب واپس کرنی ہوگی تو آپ سے کارڈ لوں گی اور کتاب واپس کر آؤں گی۔ عقل کے اندھوں کی طرح ہر ایک کے ساتھ اچھائی کرنے والے لوگ اندھی کھائی میں گر جایا کرتے ہیں۔"

اس کا انداز بیاں کس قدر خوبصورت تھا۔ مہران کے دل پر کشمالہ کے انداز نے جو زخم لگایا تھا، وہ اس لڑکی کے انداز سے فوراً مندمل ہو گیا۔ وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چلنے لگا۔

"آپ کو شاید میری بات اچھی نہیں لگی۔" اس لڑکی نے مہران کے چہرے سے کچھ کھوجنا چاہا۔

"نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں۔" وہ بس اتنا ہی کہہ سکا۔

"میرا نام رفعت آرا ہے۔ میں آپ کی کلاس فیلو ہوں، یہ بات تو آپ اچھی طرح سے جانتے ہوں گے۔ مجھے نصیحتیں کرنے کا شوق نہیں ہے مگر آپ کا بونگا پن دیکھ کر دل چاہتا ہے کہ آپ کو کوئی نصیحت کروں۔" وہ دونوں ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ مہران اس کی بات سن کر مسکرایا۔ وہ لڑکی تھی مگر بات بزرگوں کی طرح کر رہی تھی۔

"ہمارے اردگرد صرف بری چیزیں نہیں ہوتیں...... اچھی بھی ہوتی ہیں مگر بدقسمتی سے بری چیزیں اپنی چمک دمک کی وجہ سے توجہ جلدی حاصل کر لیتی ہیں۔ کوئی انسان آنکھیں بند کر کے چل رہا ہو اور کسی پتھر سے ٹھوکر کھا کر گر پڑے تو اس کی سزا پتھر کو تو نہیں دی جا سکتی، یہ غلطی تو اس احمق انسان کی تھی جو آنکھیں بند کر کے چل رہا تھا۔"

اس لڑکی نے پھر توقف کیا۔ مہران کو اس کی گفتگو میں بے حد دلچسپی محسوس ہو رہی تھی۔

"یہ جامعہ پنجاب ہے، یہاں ہر طرح کے لوگ ہیں۔ کشمالہ، راحیلہ، شاہد اور جمی جیسی کالی بھیڑیں بھی ہیں مگر ان سے ہٹ کر دیکھیں تو حفیظ الرحمٰن، غفار، عرفان، طاہرہ، فرح اور سمیرا جیسے لوگ بھی ہیں جو اپنی ڈیلنگ میں انتہائی اسٹریٹ فارورڈ ہیں جو اپنے کام سے کام رکھتے ہیں جو کسی کو شکایت کا موقع نہیں دیتے مگر

افسوس آپ کا واسطہ ابھی تک جن لوگوں سے زیادہ پڑا ہے، انہیں کالی بھیڑیں ہی کہا جا سکتا ہے۔ ایسے لوگ زندگی کے کسی معاملے میں سنجیدہ نہیں ہوتے اور......" اس نے رک کر پلٹ کر دیکھا۔

"رفعت......رفعت......رکو تو سہی۔" خدیجہ اسے پکارتی چلی آ رہی تھی۔ وہ دونوں رک گئے تاکہ خدیجہ ان تک پہنچ سکے۔

"کہاں جا رہی ہو......میں کب سے تمہیں آوازیں دے رہی تھی۔" وہ قریب پہنچ کر بولی۔ اس کا سانس پھول رہا تھا اور چادر سر سے پھسل کر گردن تک پہنچ گئی تھی۔

"ہاں، میں ذرا لائبریری تک جا رہی ہوں۔ ایک کتاب ایشو کروانی ہے پھر واپس چلتے ہیں۔"

اس نے اپنے مخصوص نرم لہجے میں کہا۔

"تم کیسے ہو مہران؟" اس نے چادر درست کی اور ساتھ ہی مہران کی خیریت دریافت کی۔ کلاس روم میں زیادہ بات کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔

"اللہ کا شکر ہے جی۔" مہران نے کہا تھا۔ وہ تینوں اب ایک ساتھ چلنے لگے تھے۔

"سر عارف نے اسائنمنٹس کے ٹاپک دے دیے ہیں۔ میں نے اپنا اور تمہارا ٹاپک نوٹ کر لیا ہے۔"

خدیجہ نے خاموشی کو توڑا۔ رفعت اس سے اپنے ٹاپک کے متعلق پوچھنے لگی۔ مہران کو اپنی موجودگی غیر ضروری لگ رہی تھی مگر کارڈ واپس لینا ضروری تھا اور مہران دل سے چاہتا تھا کہ رفعت اپنی نامکمل بات مکمل ضرور کرے مگر ان دونوں کی باتوں میں یہ نوبت آتی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ مہران کو ٹوکنا پڑا۔

"وہ......آپ کچھ کہہ رہی تھیں۔" اس نے رفعت سے کہا۔

"میں......؟ ہاں میں یہ کہہ رہی تھی کہ لوگوں کو پہچاننا سیکھیں اور آنکھیں کھول کر زندگی گزاریں۔"

وہ براہ راست مہران کی جانب دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولی۔

"یہ آنکھیں بند کر کے زندگی گزارتا ہے؟" خدیجہ نے حیرانی سے اس کی جانب دیکھ کر رفعت سے پوچھا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"تم نہیں سمجھو گی خدیجہ! تم خاموش رہو۔"

رفعت نے اس سے کہا۔ وہ دونوں مسکرا رہی تھیں۔ مہران کو سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ مذاق کر رہی تھی یا اسے حقیقتاً آنکھیں کھول کر زندگی گزارنے کا مفہوم سمجھ میں نہیں آیا۔ لائبریری تک کا باقی راستہ وہ سر عارف کی اسائنمنٹ کے ٹاپکس ڈسکس کرتے رہے۔ لائبریری پہنچ کر گراؤنڈ فلور کے بجائے وہ فرسٹ فلور پر آ گئے۔

"کتاب ڈھونڈنے سے پہلے میرے آلو کے پراٹھے کھا لو، میں نے بہت دل سے بنائے تھے۔"

خدیجہ نے آج پھر ریک کے عقب میں چار کرسیوں والی میز منتخب کی تھی۔ لائبریری میں آج بھی کوئی نہیں تھا۔

"مجھے آج تک اس لائبریری کا مقصد سمجھ میں نہیں آ سکا اور میرا نہیں خیال کہ کوئی یہاں ان کتابوں کو پڑھنے آتا ہوگا، یہاں لوگ صرف ستانے آتے ہیں۔" وہ مزید گویا ہوئی تھی۔ مہران کو اس کی بات سے سو فیصد اتفاق تھا۔ اس نے تھوڑے سے عرصے میں ہی لائبریری کی ابتر حالت کو محسوس کر لیا تھا۔

"اف......رفعت آرا بیگم! اب مہربانی فرما کر تقریر نہ شروع کر دینا۔ یہ پہلے ٹھنڈے ہو چکے ہیں۔"

خدیجہ نے زچ ہو کر کہا۔ وہ میز پر ایک لنچ بکس کھولے بیٹھی تھی۔

"آیئے مہران صاحب! آپ بھی خدیجہ کے ہاتھ کے بنے آلو کے پراٹھے ٹیسٹ کیجیے۔" رفعت نے اسے بھی دعوت دی۔

"آ جاؤ، آ جاؤ مہران! اب نخرے مت کرنا۔ یاد نہیں، تم نے مجھ سے اپنے پانچ روپے بھی واپس نہیں لیے تھے۔"

وہ اتنے معصوم انداز میں بولی کہ مہران کو ہنسی آ گئی وہ ان دونوں کے ساتھ لنچ شیئر کرنے لگا۔ پراٹھے بہت مزے کے تھے مگر ٹھنڈے ہو چکے تھے، اس لیے اتنا مزہ نہیں آیا مگر پھر بھی مہران کے لیے گھر کے ان کے پراٹھوں میں بہت لطف تھا۔

"شکر ہے احسان اتر گیا......مجھ پر پانچ روپے کا بہت بوجھ تھا۔"

خدیجہ نے خالی لنچ بکس اپنے تھیلا نما بیگ میں رکھتے ہوئے شاید بلند آواز میں خود کلامی کی تھی۔ اس کے چہرے پہ صرف سادگی تھی۔ مہران کو پہلے تو اس کی بات کا مقصد سمجھ میں نہیں آیا، سمجھا تو مسکراہٹ خود بخود اس کے چہرے پر پھیل گئی۔

"سودائن!" اس نے دل ہی دل میں خدیجہ کو لقب دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"زندگی گزارنے کے لیے ایک کینو کا سہارا کافی ہے۔" اس نے کینو پر لگا آخری چھلکا بھی نرمی سے اتار کر علیحدہ کرتے ہوئے نجانے کس سے کہا تھا۔

"یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟" مہران نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"ایسے......زندگی گزارنے کے لیے ایک کینو کا سہارا ہی کافی ہے۔" اس نے دوبارہ سے وہی الفاظ دہرا دیے۔ مہران کو ایک بار پھر ہنسی آ گئی۔

"مجھے کینو بہت پسند ہیں۔" اس نے ایک موٹی سی پھانک منہ میں رکھتے ہوئے گویا کوئی راز کی بات بتائی تھی۔

"تمہیں کیا چیز ناپسند ہے بی بی! ہر کھانے والی چیز دیکھ کر تمہاری رال ٹپکنے لگتی ہے۔"

اس نے اسے چڑانے والے انداز میں کہا تھا۔ خدیجہ کی ایک عادت کی ساری کلاس معترف تھی، وہ جلدی برا ماننے والے لوگوں میں سے نہیں تھی۔ وہ سب لڑکوں کی بہن بنی ہوئی تھی جبکہ مہران کو وہ برملا اپنا دوست

کہتی تھی اور مہران کو بھی اس دوستی پر اعتراض نہیں تھا۔ اس دوستی کو نبھانے میں اس کے پیسے تو لگ نہیں رہے تھے، الٹا کچھ فوائد ہی حاصل ہو رہے تھے۔ خدیجہ اکثر اوقات اس کے لیے لنچ لے آتی تھی۔ جس خاموشی سے وہ اسے لنچ بکس پکڑاتی، اسی خاموشی سے وہ لنچ بکس خالی کر کے اسے واپس دے دیتا اور یہ مہربانی وہ صرف مہران پر نہیں کرتی تھی، اکثر اوقات اس کے ہاتھ کی بنی کسی ذائقہ دار چیز کی تعریف وہ کسی نہ کسی کے منہ سے سنتا رہتا تھا۔ ویسے بھی اب اس کا طرز فکر بہت مثبت ہو گیا تھا جس کی وجہ سے بہت سے مسائل سلجھ گئے تھے۔

وہ دھیرے دھیرے اپنے اندر موجود احساس کمتری پر قابو پر رہا تھا۔ اب اگر کوئی کلاس فیلو اسے ''مولوی'' کہہ کر چڑاتا تو وہ بھی اسے ''پنڈت جی'' کہہ کر حساب برابر کر لیتا تھا۔ وہ ہر دو دن بعد لائبریری ضرور جاتا تھا، جہاں اسے اپنے دو ایک ہم خیال لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا تھا۔ اس کا حلقہ احباب وسیع ہوا تھا تو بول چال میں بھی بہتری آتی جا رہی تھی۔ وہ پہلے کی نسبت پر اعتماد ہو گیا تھا۔

''پتر! تجھے لاہور کا پانی راس آ گیا ہے۔''

وہ حویلی لکھا گیا تو خالہ نے اسے دیکھ کر کہا تھا۔ اس کی شخصیت میں آنے والی مثبت تبدیلیاں اسے خالہ، خالو کی نظر میں بھی اہم بنا رہی تھیں۔ اسے خود اپنا آپ اچھا لگنے لگا تھا اور ان ساری تبدیلیوں کا کریڈٹ وہ رفعت کو دیتا تھا۔ ہمہ وقت سر پر اسکارف اور سینے پر دوپٹہ پھیلا کر لینے والی رفعت آرا کلاس کی سب سے بہترین لڑکی تھی یا پھر شاید مہران کو ایسا محسوس ہوتا تھا۔

''لڑکیوں کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔''

وہ اکثر اسے دیکھ کر سوچتا۔ رفعت نے اس دن کے بعد دوبارہ اس سے کبھی تفصیلی بات نہیں کی تھی۔ کلاس روم میں آتے جاتے ہوئے ٹاکرا ہو جاتا تو وہ اسے سلام کر دیتا۔ رفعت بھی مسکرا کر جواب دے دیتی۔ ویسے بھی IER کا ماحول کسی قدر مختلف تھا۔ دوسرے ڈپارٹمنٹس کے برعکس یہاں کے لوگ ذرا قدامت پسند تھے جو لوگ جمعیت کے رکن تھے اور اچھے ڈیل ڈول والے تھے، وہ ذرا ''ماٹھے'' اور دبو قسم کے لڑکوں پر رعب ڈالتے تھے اور ان کی لڑکیوں کی ساتھ علیک سلیک کو ناپسند کرتے تھے جس کی وجہ سے سب بے حد محتاط رہتے تھے۔ ویسے بھی ایم ایڈ کی کلاس میں کوئی بھی پچیس سال سے کم کا اسٹوڈنٹ نہیں تھا۔ اکثر لوگ تو شادی شدہ بھی تھے۔ رفعت کا تجزیہ مہران کو بالکل درست لگتا تھا، شاید کشمالہ گروپ کو نکال کر باقی سب ہی اچھے تھے۔

''میرا بھائی مجھ سے بہت پیار کرتا ہے...... اس نے آج تک کبھی مجھ سے اونچی آواز میں بات نہیں کی...... جب بھی کہیں باہر جائے گا، میرے لیے تحفہ ضرور لائے گا...... میں کہتی ہوں، قسمت والوں کو ملتے ہیں ایسے بھائی۔'' وہ نجانے کن خیالوں میں کھویا تھا کہ خدیجہ کی اونچی آواز سماعتوں سے ٹکرائی۔ وہ بہت اونچی آواز میں بات کرنے کی عادی تھی۔

''تم یہ ثابت کرنا چاہتی ہو کہ تم بہت ''قسمت والی'' ہو۔''

اس کے ساتھ بیٹھی طیبہ نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ کلاس کی سب سے سڑیل لڑکی تھی۔ گرمیاں

شروع ہو چکی تھیں۔ دو کلاسوں کے درمیانی وقفے میں اب عام طور سے کوئی اٹھ کر باہر نہیں جاتا تھا۔ اب بھی یہی صورت حال تھی، چند ایک لوگوں کے علاوہ باقی سب ہی کلاس روم میں موجود تھے۔ افتخار سرگودھا کا رہنے والا تھا اور وہ خاص طور سے خدیجہ کے لیے ایک درجن کینو لایا تھا۔

گرمیوں کی ابتدا میں کینوؤں کا مل جانا خدیجہ کو کسی نعمت سے کم نہیں لگ رہا تھا۔

''میرا خیال ہے، خدیجہ کے بھائی خوش قسمت ہیں جنہیں اتنی اچھی بہن ملی ہے۔''

افتخار نے کہا۔ خدیجہ کے چہرے کا رنگ دیکھنے والا تھا۔ مہران کو حیرت سی ہوئی۔ اتنی ذرا سی تعریف نے اسے کس قدر خوش کر دیا تھا۔ افتخار ان کی کلاس کا سب سے کم عمر لڑکا تھا اور سب ہی کے لیے چھوٹا بھائی تھا، اس لیے خدیجہ بھی اس کے ساتھ نہایت شفقت سے پیش آتی تھی بلکہ افتخار پر کیا موقوف، وہ سب ہی کے لیے شفیق دادی اماں ٹائپ تھی،۔ اکثر لڑکے اسے آپا کہتے تھے جبکہ مہران کو یہ بات بھی عجیب لگتی تھی کہ اس سے زیادہ بڑی عمر کی لڑکیاں اور لڑکے اسے ''آپا'' کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔

''تمہیں پتا ہے، میری عمر کتنی ہے......؟ دو سال بعد میں پورے تیس سال کی ہو جاؤں گی۔''

خدیجہ نے اس سے ایک بار کہا تھا۔

''تم یہ بھی تو کہہ سکتی ہو کہ تم ابھی اٹھائیس سال کی ہو بلکہ کیا یہ لازمی ہے کہ تم سب کو اپنی عمر بتاؤ...... لڑکیاں اپنی صحیح عمر بھی نہیں بتاتیں۔

مہران نے اسے ٹوکا تھا وہ ہنسنے لگی۔

''میں لڑکی نہیں ہوں مہران...... میں عورت ہوں۔''

اس نے جواب میں کہا تھا۔ مہران خاموش ہو گیا تھا مگر اسے خدیجہ کی اس عادت سے بہت چڑ ہوتی تھی۔ لیکن خدیجہ کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا، وہ اپنی مرضی کی مالک تھی۔

''خدیجہ! آپ بہت اچھی ہیں...... میں تو اپنی امی کو بھی بتا رہا تھا کہ مجھے لاہور میں ایک بہت اچھی بہن مل گئی ہے۔''

افتخار نے محبت بھرے لہجے میں کہا تھا۔

''ہائے میں صدقے جاؤں...... میرا بھائی...... تم میرے بہت اچھے بھائی ہو۔''

وہ سچ مچ صدقے واری ہونے کو تیار تھی۔ مہران گہری سانس بھر کر رہ گیا۔ کوئی اور لڑکی ہوتی تو بہن بنائے جانے پر ناک بھوں چڑھاتی مگر خدیجۃ الکبریٰ کو ایسی باتوں سے فرق نہیں پڑتا تھا۔ اس نے تو کبھی اس بات کی بھی پروا نہیں کی تھی کہ لوگ اس کی باتوں کو سن کر اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

''سر! میں نے اسائنمنٹ تیار نہیں کی۔''

اس نے بہت فخریہ انداز میں بتایا تھا۔ مہران نے دیکھا، کلاس میں سب ہی کے چہروں پر ہلکی ہلکی سی

مسکراہٹ ہے۔خدیجہ جب بھی کسی ٹیچر کے سامنے پیشی بھگتتی، کلاس کو انجوائے کرنے کا موقع مل جاتا تھا۔

''کیوں اسائنمنٹ تیار نہیں کی آپ نے؟'' سر عارف نے اس کی جانب دیکھ کر جواب طلبی کی۔وہ کافی خوشگوار موڈ میں تھے۔

''وہ ناسر جی! میں ناکل بیمار ہو گئی تھی۔میری بھابھی نے سموسے بنائے تھے۔گرم گرم کھا لیے میں نے...... پھر میری ساری لینگویج جل گئی۔اتنا بڑا چھالا بن گیا تھا۔''

وہ دنیا بھر کی لاچاری لہجے میں سمو کر بولی۔

''کیا جل گئی تھی؟''

سر عارف نے آنکھیں سکیڑ کر پوچھا۔کلاس میں جن لوگوں کی سمجھ میں بات آ گئی تھی، وہ تو ہنس رہے تھے لیکن جن لوگوں کی نہیں سمجھ میں آئی تھی، وہ بھی ہنس ہی رہے تھے۔

''لینگویج...... لینگویج...... زبان۔'' اس نے اپنی زبان نکال کر ان کو دکھانے کی کوشش کی۔سر نے بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا۔مہران کو اس کی حرکت اچھی نہیں لگی مگر پھر بھی مسکراہٹ اس کے چہرے پر بھی آ گئی۔

''ماشاءاللہ۔'' عارف نے خوشگوار انداز میں طنز کیا۔خدیجہ ''شکریہ'' کہہ کر بیٹھ گئی۔اسے فرق ہی نہیں پڑتا تھا کہ کلاس اس پر ہنس رہی ہے یا پھر شاید وہ اس کو ہمیشہ مثبت انداز میں لیتی تھی۔

''جب تمہیں انگریزی کی ذرا سی بھی شدھ بدھ نہیں ہے تو تم کیوں کلاس میں اس کا غلط استعمال کرتی ہو۔کیا یہ ضروری ہے کہ تم ہمیشہ ہی خود کو بھری کلاس میں تماشا بنواؤ۔''

کلاس کے بعد مہران نے خدیجہ کی ٹھیک ٹھاک کلاس لینے کا پروگرام بنا کر بات آغاز کیا تھا۔وہ کینٹین سے کلب سینڈوچ لے کر آئی تھی اور اب ساری کی ساری توجہ اس سینڈوچ پر تھی۔وہ دونوں آج پھر لائبریری میں تھے۔

''تماشا......؟اس نے سینڈوچ کا بڑا سا لقمہ لے کر منہ...... چلاتے ہوئے پوچھا تھا۔منہ بھرا ہونے کی وجہ سے آواز بھی بھاری لگ رہی تھی۔

''مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی کیا؟'' اب وہ واضح انداز میں پوچھ رہی تھی۔

''احمق...... تم نے کلاس میں آج جو کہا...... تمہاری لینگویج جل گئی تھی...... جانتی ہو ساری کلاس ہنس رہی تھی۔''

''مہران چبا چبا کر بولا۔آواز آہستہ تھی۔نزدیک والی میز پر ایک لڑکا بیٹھا تھا۔

''میں نے غلط تو نہیں کہا۔قسم سے تم خود دیکھ لو۔'' اس نے پھر منہ کھولا۔

'' اف...... جاہل لڑکی...... انگلش میں اس زبان کو "Tongue" کہتے ہیں Language نہیں۔'' وہ اپنی زبان کی طرف اشارہ کر کے اسے سمجھا رہا تھا۔انداز انتہائی تپا ہوا تھا۔

''ہاں، وہ تو مجھے پتا ہے۔تم مجھے اس قدر نکما سمجھتے ہو۔'' وہ بے حد اطمینان سے کہہ رہی تھی۔لہجے میں

بھی سنجیدگی جھلک رہی تھی۔

''میرا دل چاہ رہا ہے، اپنا سر پیٹ لوں۔بھلا کیا ضرورت تھی کلاس میں لفظ لینگویج استعمال کرنے کی جبکہ تم پراپر لفظ جانتی تھیں۔'' وہ حقیقتاً زچ ہو کر بولا۔

''تم پاگل ہو مہران!'' اس نے کلب سینڈوچ کھا کر اس کا ریپر چڑ مڑ کیا اور اٹھ کر اسے ڈسٹ بن میں پھینکنے چل دی پھر واپس آئی اور اطمینان سے اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔

''سر عارف کی کلاس میں سب کس قدر بوریت محسوس کر رہے تھے، اس لیے میں نے جان بوجھ کر ایسے کہہ دیا تا کہ سب Refresh ہو سکیں۔سب کو ہنسی آ گئی تھی، ہے نا۔''

وہ خوش ہوتے ہوئے بولی تھی۔مہران نے ناسمجھی کے انداز میں اس کی جانب دیکھا۔''دوسرے کو ہنسانے کے لیے اپنے آپ کو تماشا بنا لینا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہوتی اور ہونا بھی نہیں چاہیے۔''

''کیسا......؟ وہ داد چاہنے والے انداز میں اس کی جانب دیکھ رہی تھی اور ساتھ ہی اپنی ہتھیلی اس کے سامنے پھیلا دی۔مہران خاموش رہا جبکہ اس نے ہتھیلی مزید آگے کی۔

''اب کیا مانگ رہی ہو؟'' وہ تپ کر بولا۔

''داو...... اف! تم کس قدر احمق ہو...... جب کوئی مزاحیہ بات کر کے اپنی ہتھیلی تمہارے آگے کرے تو تم تالی بجانے والے انداز میں اس پر اپنی ہتھیلی مارو۔توبہ تمہیں تو کچھ بھی نہیں پتا مہران۔''

وہ سچ مچ اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولی جیسے مہران کی کم عقلی کا ماتم کر رہی ہو۔

''خدیجہ...... خدیجہ...... !تمہیں کب عقل آئے گی۔'' وہ لاچاری سے بولا تھا۔

''میرا بھائی کہتا ہے جس روز خدیجہ کو عقل آ گئی، وہ روز محشر ہوگا۔''

وہ فخریہ انداز میں اپنے بھائی کے ریمارکس کے بارے میں بتا رہی تھی۔مہران اس کے پاس سے اٹھ کر ہی چل دیا وہ کافی دیر تک اس کے ساتھ مغز ماری کر چکا تھا تو اسے یاد آیا تھا کہ خدیجہ کا اور اس کا ایسا بھی کوئی قلبی تعلق نہیں کہ وہ اس کی اخلاقیات اور مینرز کے بارے میں پریشان ہو۔

''میری بلا سے...... بھاڑ میں جاؤ تم۔''

وہ چلتے ہوئے خود کلامی بھی کر رہا تھا۔اس نے اگر آج کلاس کی پچھلی رو میں بیٹھے لڑکوں کے منہ سے خدیجہ کے بارے میں برے ریمارکس نہ سنے ہوتے تو شاید وہ اسے سمجھانے کی غلطی بھی نہ کرتا۔

''یہ بھی ایک ''لطیفہ'' ہی ہے بلکہ ''آئٹم'' بڑی شے ہے یار!''

غفار اپنے ساتھ بیٹھے طٰہٰ سے کہہ رہا تھا۔اس سے پہلے والی رو میں مہران بیٹھا تھا۔نجانے کیوں اسے خدیجہ کے لیے یہ ریمارکس پسند نہیں آئے تھے۔یہی لڑکے خدیجہ کے سامنے اسے ''آپا'' اور ''باجی'' کہتے نہ تھکتے تھے۔

''میں نے کہا اپنا مہران صاحب! ذرا میری بات سننا۔'' وہ لائبریری سے نکل کر اب کیمیکل

انجینئرنگ ڈیپارٹمنٹ کے قریب تھا، جب آصف اس کے قریب آ کر بولا۔ وہ شاید لائبریری سے ہی اس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ مہران نے اس کی طرف دیکھا اور بدقت مسکرایا۔ آصف اس کے ناپسندیدہ ترین لڑکوں میں سرفہرست تھا۔ اونچا لمبا، صحت مند تن و توش کا مالک آصف گھٹیا مذاق کرنے اور رعب ڈالنے میں بہت ماہر تھا۔

"یہ تم "بواجی" کے ساتھ کچھ زیادہ ہی وقت نہیں گزارتے؟" وہ بظاہر دوستانہ انداز میں کہہ رہا تھا

مہران نے تیکھے چتون سے اس کی جانب دیکھا۔

"بواجی؟" استفہامیہ انداز میں اس کے الفاظ دہرائے۔

"ارے یہی خدیجہ بواجی۔" اس نے کہنے کے ساتھ بے ہنگم قہقہہ لگایا۔ گویا اپنے مذاق کو بہت انجوائے کیا ہو۔

"ویسے اچھی ہے...... تمہیں سوٹ کرے گی...... یوں بھی وہ تمہیں بہت پسند کرتی ہے۔"

اس کی خاموشی کو محسوس کر کے آصف کا انداز مزید معنی خیز ہو گیا تھا۔

"اسکینڈل......" مہران کے ذہن میں زور سے الارم بجا۔

"اسکینڈل وہ بھی بواجی یا آپا ٹائپ لڑکی کے ساتھ۔" دوسرا الارم پہلے سے زیادہ زوردار تھا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو تم، الٹی سیدھی باتیں کرنے کے علاوہ بھی کبھی کچھ اور سوچ لیا کرو۔"

وہ آصف کے بھاری وجود کے سامنے آواز کبھی اونچی نہیں کر پاتا تھا مگر انداز میں کسی قدر سختی ضرور آ گئی تھی۔

"ارے غصہ کر رہے ہو......؟ مگر کیوں......؟ کلاس میں تو سب ایسے ہی کہتے ہیں...... بھلا ایک لڑکی سب کو بھائی کہتی ہو مگر تمہیں دوست...... تو اس کا کیا مطلب ہوا...... کچھ نہ کچھ تو ضرور ہو گا تو تم دونوں کے بیچ جو ایک دوسرے سے اتنے بے تکلف ہو...... کم آن مہران ہم سے چھپانے کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا...... ہم تمہارے دوست ہیں یار!"

وہ بے تکلفی سے کہہ رہا تھا۔ مہران مسکرا بھی نہ سکا۔ چند دن پہلے آصف اور اس کے دوست مہران کو کشمالہ کا نام لے کر چھیڑ رہے تھے، تب اسے غصہ نہیں آیا تھا بلکہ اس نے مسکراتے ہوئے ان کے اندازوں کی تردید کر دی تھی مگر دل ہی دل میں گدگدی بہت ہوئی اور نجانے کیوں اسے ان کا مذاق برا نہیں لگا تھا۔

لڑکوں میں تو ایسے مذاق چلتے ہی رہتے ہیں۔"

اس نے کشمالہ کے نام پر ان لڑکوں کے چہروں پر پھیلی ذومعنویت دیکھ کر سوچا تھا اور اب خدیجہ کے نام پر وہ تپ اٹھا تھا، اس لیے نہیں کہ اسے "اس" قسم کے مذاق پسند نہیں تھے بلکہ اس لیے کہ کلاس کی "آپا" کے ساتھ اس کا اسکینڈل بنا دیا جائے، یہ اسے پسند نہیں آیا تھا۔ کلاس میں اور بھی تو اتنی اچھی لڑکیاں ہیں، اسے نجانے کیوں لگتا تھا کہ وہ صاف ستھری ذہنیت کا مالک ہے۔

"خدیجۃ الکبریٰ...... کلاس کی پھپھی...... میرے لیے یہ "بکل مارکہ" ہی رہ گئی ہے۔"

اس نے "اونہہ" کرتے ہوئے سوچا۔ لمحہ بھر میں ہی وہ ایک بھولی بھالی معصوم لڑکی کو اپنی سوچوں میں اس لیول تک لے آیا تھا، جہاں زبان و ذہن میں بھی صرف "اونہہ" کی پکار رہ جاتی ہے۔

☆ ☆ ☆

"مجھے میری خالہ نے پالا ہے۔"

اس نے خدیجہ کے چہرے کی طرف دیکھے بغیر بات کا آغاز کیا تھا۔ موسم صبح سے ہی خراب تھا۔ رم جھم تو کب سے چل رہی تھی جس کی وجہ سے آج کلاس میں حاضری بہت کم تھی۔ کسی بھی پروفیسر نے طریقے سے کلاس نہیں لی تھی جن لوگوں کو بارش پسند تھی، وہ تو کلاس میں آئے ہی نہیں تھے بلکہ باہر گراؤنڈز میں برستی بارش کو دیکھتے رہے تھے۔ لڑکے تو پھر بھی تقریباً سب آئے تھے مگر لڑکیاں وہی تھیں جو برستی بارش میں بھیگ کر گھر پہنچنا افورڈ کر سکتی تھیں یا جن کے پاس پرسنل کنوینس کی سہولت موجود تھی۔ رفعت اور اس کی باقی سہیلیاں تو غیر حاضر تھیں مگر خدیجہ موجود تھی۔

"میں نے اس لڑکی کو کبھی نظر بھر کر نہیں دیکھا۔ میں بھلا اس سے شادی کے بارے میں سوچ بھی کیسے سکتا ہوں۔ یہ تو "آپا" کے روپ میں ہی اچھی لگتی ہے۔"

خدیجہ کو اپنے تھیلا نما بیگ میں کھویا دیکھ کر اس نے سوچا تھا۔ وہ رات بھر سوچتا ہی رہا تھا۔ جو چیز اسے سب سے زیادہ تنگ کر رہی تھی، وہ یہی تھی کہ بھلا ساری کلاس کے لڑکوں کو بھائی بنا کر وہ اسے "دوست دوست" کیوں کرتی ہے اور پھر جس قدر معصوم وہ اسے سمجھتا رہا تھا، وہ اب اسے اس قدر معصوم بھی نہیں لگ رہی تھی۔ جو لڑکی ساری کلاس کو ہنسانے کے لیے خود کو "لطیفہ" ثابت کر سکتی ہے، وہ خود اپنے ذاتی فائدے کے لیے کس حد تک نہیں جا سکتی ہو گی۔ "اس نے سوچا ہو گا اکیلا لڑکا ہے...... شکل صورت بھی اچھی ہے...... پڑھا لکھا بھی ہے...... اچھا شوہر ثابت ہو گا...... ایسے لڑکے کو بھائی بنا کر نقصان ہو گا...... اور پھر بھلا مجھ جیسا شریف اللہ میاں کی گائے جیسا انسان پہلے محترمہ کو ملا ہی کب ہو گا...... توبہ کیا زمانہ آ گیا ہے...... محترمہ عمر میں مجھ سے دو چار سال بڑی ہی رہی ہوں گی۔"

وہ سوچتا رہا تھا اور کڑھتا رہا تھا۔ خدیجہ کو "گھنی میسنی" کے القابات سے نوازتا رہا تھا اور رات کو تہیہ کر کے سویا تھا، صبح سب سے پہلے خدیجہ کی طبیعت صاف کرنا ہے مگر ڈیپارٹمنٹ آ کر اسے یاد آیا تھا کہ خدیجہ نے ابھی اپنے منہ سے تو کچھ نہیں کہا تھا بلکہ اس نے تو کبھی ایسی بات کی ہی نہیں تھی۔ اب وہ اسے دوٹوک انداز میں تو نہیں کہہ سکتا تھا۔

"بی بی! میرے بارے میں سوچنا چھوڑ دو۔" اسی لیے اس نے سوچا تھا کہ وہ خدیجہ کے سامنے اپنی برائیاں کرے گا، اپنے ویک پوائنٹس سے اسے خود آگاہ کرے گا تا کہ وہ خود بخود پیچھے ہٹ جائے۔

"اب میں اتنا برا بھی نہیں کہ ایک لڑکی کا دل توڑ دوں۔ مجھے بہت سوچ سمجھ کر اسے اس راہ سے ہٹانا ہو گا۔"

اس نے یہی پلان کیا تھا اور اب اسی لیے وہ اس کے ساتھ بیٹھا اسے اپنے ماضی کے متعلق بتا رہا تھا۔ لائبریری کے اندر جانے کے بجائے وہ باہر برآمدے میں بنے چبوترے پر ٹانگیں لٹکائے بیٹھے تھے۔ بلاشبہ مہران نے ایک کربناک ماضی گزارا تھا لیکن خدیجہ کو سب بتاتے ہوئے وہ اپنی طرف سے مزید دس ملا کر سناتا رہا۔

”ہائے ماں صدقے...... اتنا ظلم کرتی تھی خالہ...... خالو نے جو تمہیں اپنے دوست کے یہاں ملازم رکھوا دیا؟“

وہ سب سن کر آبدیدہ لہجے میں بولی۔ مہران کے لیے یہ سب باتیں دہرانا کوئی خوشگوار تجربہ نہیں تھا مگر خدیجہ کو متنفر کرنے کے لیے اسے یہ سب کرنا پڑا۔

”ان دنوں بی اے کے ایڈمیشن فارمز جمع ہو رہے تھے، آخری تاریخ تھی اور میرے پاس روپے نہیں تھے اور خالو سے مانگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میرے پاس آٹھ سو روپے تھے مگر فیس چودہ سو ستر روپے تھی۔“

وہ سانس لینے کے لیے رکا۔ خدیجہ بہت غور سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

”میں جانتا ہوں یہ [illegible] کہ وہ روپے میں نے کیسے حاصل کیے۔ اس روز خالہ کی کمیٹی نکلی تھی، وہ جانتی تھیں مجھے روپوں کی ضرورت ہے مگر انہوں نے مجھ سے پوچھنا بھی گوارا نہیں کیا کہ بیٹا! تمہیں روپے چاہیے تھے۔ انتظام ہوگیا یا نہیں۔ اس روز میرے دل میں خالہ کے لیے انتہائی باغیانہ خیالات پیدا ہوئے۔ میں بہت مجبور و بے بس تھا۔ میں نے خالہ کے صندوق میں سے اپنی مطلوبہ رقم چرا لی۔ پچاس ہزار روپے میں سے فقط چھ سو ستر روپے میں نے نکال لیے۔ فقط چھ سو ستر روپے۔“

وہ ایک بار پھر خاموش ہوگیا۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ زخموں پر سے کھرنڈ اکھیڑنے میں زخم لگنے جتنی تکلیف ہی ہوتی ہے۔

”خالو نے مجھے رقم چراتے دیکھ لیا، اس کے بعد...... اس کے بعد کیا بتاؤں خدیجہ......“

”کچھ مت بتاؤ، آگے میں بتاتی ہوں پھر تمہیں تھپڑوں دو ہنٹروں کے علاوہ لفظوں کی وہ مار پڑی ہوگی کہ تمہارا دل چاہنے لگا ہوگا، زمین پھٹے اور تم اس میں سما جاؤ۔ اس کے بعد تمہارا دل چاہتا ہوگا کہ تم ان کا گھر چھوڑ کر کہیں اور چلے جاؤ مگر تم نہیں جا سکے ہوگے کیونکہ تمہارے پاس سر چھپانے کی کوئی اور جگہ ہی نہیں ہوگی۔ تم اس واقعے کے بعد اپنے آپ سے بھی منہ چھپاتے پھرتے ہوگے۔ تمہاری زبان پر اللہ سے شکوے شکایات کا انبار رہنے لگا ہوگا، ہے نا مہران!“

خدیجہ نے اس کی بات کاٹ کر کہنا شروع کیا تھا۔ اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی تھی۔ وہ اٹک اٹک کر بات کر رہی تھی پھر اس نے رونا شروع کر دیا۔ کچھ لمحے تک مہران اس کی جانب دیکھتا رہا۔

”کیا یہ میرے غم کی وجہ سے پسیج کر رونے لگی ہے۔“

اس کے ذہن میں پہلا سوال یہی ابھرا تھا۔ کل تک اس کے لیے دل میں جتنا غبار جمع ہوا تھا، وہ اب پھر سے چھٹنے لگا تھا۔ وہ اس کی اچھائی اور نرم دلی کا قائل تھا مگر وہ اس سے شادی نہیں کر سکتا تھا۔

”میں خدیجہ جیسی پھوہڑ لڑکی سے کیسے شادی کر سکتا ہوں۔“ یہ بات تو وہ پہلے ہی سوچ چکا تھا۔

”تمہارے حالات سن کر بہت دکھ ہوا مہران! اللہ میاں کو والدین نہیں واپس لینے چاہئیں۔ کم از کم تب تک نہیں، جب تک اولاد اپنے پاؤں پر نہیں کھڑی ہو جاتی۔ ماں باپ نہ رہیں تو بچے ’رل‘ جاتے ہیں نا۔“

وہ اپنے ہاتھوں کو ملتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ آنکھوں اور چہرے پر نمی تازہ تھی اور عینک پھسل کر ناک پر آ چکی تھی۔

”مگر ایک بات کہوں، کبھی کبھی ماں باپ کے ہوتے ہوئے بھی اولاد ’رل‘ جاتی ہے۔“

وہ گہرا سانس بھر کر دوبارہ بولی تھی۔ مہران نے اس کی جانب بغور دیکھا۔ وہ یقیناً اپنے بارے میں بات نہیں کر رہی تھی کیونکہ اس کے ماں باپ، بہن، بھائی اور بھابیاں سب بہت اچھے تھے، وہ اکثر اوقات ان کی تعریف میں رطب اللسان رہتی تھی۔

”ہم دونوں ایک جیسے ہیں نا مہران! شاید اسی لیے تم مجھے بہت اچھے لگتے ہو۔“

اس نے کہا اور مہران کے اندر پھر کوئی چلایا۔

”خطرہ...... خطرہ......۔“

”میں اتنا پھوہڑ نہیں ہوں۔“ اس نے خود کو تسلی دی تھی۔ وہ رات بھر جو پلاننگ کرتا رہا تھا، وہ ناکام ہوگئی تھی۔ اس کے خیال کے مطابق خدیجہ کو اس کے ماضی سے آگاہ ہونے کے بعد دس قدم پیچھے ہٹ جانا چاہیے تھا مگر وہ دس قدم آگے ہوگئی تھی۔

”اگر خدیجہ نے واضح پسندیدگی کا اظہار کر دیا اور شادی کی خواہش کا اظہار بھی کر دیا تو کیا ہوگا؟“

اس نے سوچا تھا۔ اس نے اگرچہ شادی کے متعلق ابھی کچھ طے نہیں کیا تھا، ابھی اسے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا تھا، بہت آگے جانا تھا مگر جب بھی شادی کرنا تھی تو خدیجہ جیسی لڑکی سے نہیں کرنا تھی۔ وہ اس لڑکی جیسی نہیں تھی۔ اس نے خدیجہ کو متنفر کرنے کے لیے ٹرمپ کارڈ کھیلنے کا فیصلہ کیا تھا۔

”خالہ نے مجھے ساری زندگی کچھ نہیں دیا مگر جب میں کامیاب انسانوں کی فہرست میں شامل ہوگیا تو انہوں نے مجھ سے سب کچھ مانگ لیا۔“

وہ اب چہرے پر معصومیت طاری کر کے بولا۔ خدیجہ کے چہرے پر اذیت کے آثار نمایاں ہوئے تھے۔ وہ اپنے دوست کے غم پر غم زدہ تھی۔

”میری منگنی خالہ کی بیٹی سے ہو چکی ہے۔“

اس نے نہایت دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

”اف...... مہران کے بچے! تم نے میری جان ہی نکال دی تھی، میں نے سوچا، نجانے خالہ نے کیا مانگ لیا، یہ تو خوشی کی بات ہے بدھو۔“

خدیجہ اس خبر پر اچھل پڑی اور بے پناہ خوشی کا اظہار کیا۔

"بیچاری بوا خدیجہ...... جھوٹ موٹ خوشی کا اظہار کر رہی ہے۔" اس نے خدیجہ کے مصنوعی انداز کو دل کی گہرائی سے محسوس کیا تھا مگر وہ خوش تھا کہ بلا ٹل گئی۔

"یہ بات پلیز 'کسی' 'اور' سے مت کہنا۔" مہران نے کہا تھا۔ وہ چاہتے ہوئے بھی "کسی اور" کی جگہ سے رفعت کا نام نہیں لے سکا تھا۔

☆ ☆ ☆

"خدیجہ آج کل بہت اداس رہنے لگی ہے۔"

کسی لڑکی نے کسی دوسری لڑکی سے کہا تھا مگر مہران کو محسوس ہوا اسے سنایا گیا ہے۔ اس نے کچھ دنوں سے خدیجہ کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا تھا۔ ویسے بھی اب وہ سی ایس ایس کی تیاری کے لیے بہت سنجیدہ ہو چلا تھا اور دوسرا وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ جو بات لڑکوں میں گردش کر رہی تھی، وہ پھیل کر لڑکیوں تک بھی پہنچے، اس لیے وہ محتاط ہو چکا تھا۔ مہران نے تصدیق کیے بغیر یہ فرض کر لیا تھا کہ خدیجہ اس کی وجہ سے اداس ہے۔

"خدیجہ بی بی! آپ اس روپ میں اچھی نہیں لگتیں۔" اس دن کلاس میں سرزمان نے بھی اسے ٹوک دیا۔

"کیا کروں سر جی! زندگی بہت تکلیف دہ ہوتی جا رہی ہے۔"

اس نے سر جھکا کر کہا تھا۔ کلاس میں سب نے ہی اس کے انداز کو محسوس کیا۔ مہران کا دل تاسف کے بوجھ سے بوجھل ہونے لگا تھا۔ اس نے اس کی اداسی کا ذمہ دار خود کو ٹھہرا لیا تھا۔

"خدیجہ کا پالتو مرغا وفات پا گیا ہے سر!"

اس کے ساتھ بیٹھی رفعت نے مسکراہٹ چھپا کر کہا۔ کلاس میں یکدم ہی سب ہنسنے لگے۔ خدیجہ کا جھکا ہوا سر، اس کا یاسیت بھرا انداز، لٹکے ہوئے کندھے اور مرغا...... دھت تیرے کی۔

"اس لڑکی کے ڈرامے ہی ختم نہیں ہوتے۔" مہران کے ساتھ بیٹھا جمی ہنستے ہوئے بولا۔

"ساری کلاس سے التماس ہے کہ وہ خدیجہ کے مرغے کے ایصال ثواب کے لیے دعا کریں۔"

سرزمان نے مسکراتے ہوئے سب سے کہا مگر خدیجہ مسکرائی تک نہیں تھی۔ مہران اس کے ہر انداز کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"ہاں...... اب تم کہو گے کہ مرغے کے لیے بھی کبھی کوئی پریشان ہوتا ہے۔ تم ٹھیک کہتے ہو، مرغے کے لیے کوئی پریشان نہیں ہوتا۔"

اس نے گہری سانس بھر کر خود ہی سوال کیا، خود ہی جواب دے دیا۔ اس کی موٹی موٹی آنکھیں اس قدر بھری تھیں کہ مہران مزید بات کرتا تو شاید وہ زار زار رونے لگتی۔ مہران خاموش ہو گیا مگر اس کے دل کو سکون نہیں آ رہا تھا۔

"کیا تمہیں...... میری...... تمہیں میری کوئی بات بری لگی ہے خدیجہ!"

اس نے یکدم پوچھ ڈالا اور شاید یہی اس کی غلطی تھی۔ خدیجہ نے زور زور سے رونا شروع کر دیا۔ وہ دونوں کلاس روم میں ہی بیٹھے تھے مگر شکر تھا کہ کلاس میں کوئی اور موجود نہیں تھا۔ مہران اس سے پوچھ بھی نہیں سکا کہ تم کیوں رو رہی ہو، اس کے ذہن میں یہ خیال مزید پختہ ہو گیا تھا کہ خدیجہ اس کی وجہ سے رو رہی ہے۔ وہ اس کے پاس سے اٹھ گیا تھا۔ یہی بہتر تھا کہ وہ اس کے پاس سے اٹھ جاتا۔ اس دن ان کی دوبارہ ملاقات نہیں ہوئی۔

اگلے دن خدیجہ ڈیپارٹمنٹ نہیں آئی تھی۔ مہران نے سکھ کا سانس لیا۔ تھرڈ سمسٹر ختم ہونے میں دن ہی کتنے رہ گئے تھے۔ جہاں اتنا وقت گزر گیا تھا، وہاں یہ بھی گزر جاتا۔ اس دن مہران دو تین بار رفعت کو مخاطب کرنے کی کوشش کرتا رہا مگر نہ موقع ملا نہ ہی مزید ہمت ہوئی۔

☆ ☆ ☆

"اب کیسی ہو؟"

مہران نے اس کے زرد چہرے کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ وہ ہلکے زرد رنگ کے لباس میں تھی جس کی وجہ سے اس کا چہرہ مزید زرد لگ رہا تھا۔ چار دن کی غیر حاضری کے بعد وہ پانچویں دن ڈیپارٹمنٹ آئی تھی۔ اس کی کمی کو کلاس میں کسی نے محسوس نہیں کیا تھا۔ وہ کسی کی "بہن" تھی، کسی کی "آپا" مگر کسی کو اس سے یہ پوچھنا نہیں یاد تھا کہ وہ کیوں غیر حاضر تھی یا کیا وہ بیمار رہی ہے۔ اس نے بھی کسی سے شکوہ نہیں کیا تھا۔

وہ اپنی جون میں واپس آ رہی تھی۔ اس کی اور مہران کی ملاقات لائبریری میں ہوئی تو مہران نے پوچھ لیا۔ وہ اس کی وجہ سے عاجز تھا مگر دل میں یہ خیال اسے بہت معتبر کر رہا تھا کہ ایک لڑکی اس کی محبت میں کن حالوں تک پہنچ رہی ہے۔

"اب ٹھیک ہوں۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا پھر گہری سانس بھر کر بولی۔

"چلو شکر ہے۔ کسی کو تو یاد ہے کہ میں کچھ بیمار تھی۔" اس کے انداز نے پھر مہران کو چونکایا۔ وہ کتنی سنجیدہ اور پروقار لگ رہی تھی۔

"تم سچ مچ احمق ہو۔ مرغے کی وفات کا اتنا اثر......"

مہران نے کھلی کھلی ہنسی ہنس کر کہا۔ خدیجہ اسے گہری نظر سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی بات سن کر سر جھکا کر مسکرا دی مگر اس مسکراہٹ میں کوئی دل جلا دینے والی بات تھی۔

"مرغا؟" خدیجہ نے لفظ "مرغا" دہرایا ایک بار پھر پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔

"بات جانور یا انسان کی نہیں ہوتی مہران! بات محبت کی ہوتی ہے۔" وہ سابقہ انداز میں بولی اور پھر خاموش ہو گئی۔ مہران کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

"اگر اس نے مجھے آئی لو یو کہا تو میں فوراً سے پیش تر کہہ دوں گا کہ میں رفعت سے محبت کرتا ہوں...... مگر...... خالہ کی بیٹی سے منگنی والی بات...... اب میں کیا کروں۔"

اس نے سوچا تھا۔

''مجھے اس مرغے سے بہت محبت تھی مجھے نہیں پتا، محبت کیا ہوتی ہے مگر میں جو بھی اپنے پالتوں جانوروں کے لیے محسوس کرتی ہوں، مجھے وہی جذبہ محبت لگتا ہے۔ ویسے بھی جب آپ کے اردگرد کے انسانٔ آپ سے الرجک ہوں تو آپ کو صرف تین چیزوں میں پناہ ملتی ہے۔ جانور، پودے یا کتاب...... اس کے علاوہ کوئی جذبہ، سہارا ایسا نہیں جس کے لمس کو بھی آپ محسوس کرسکیں۔ میں عبادت کی بات نہیں کررہی کیونکہ کبھی کبھی آپ کو عبادت میں بھی سکون نہیں ملتا اور پھر اگر صرف عبادت سے سکون مل سکتا تو اللہ نے انسان کیوں پیدا کیے، ہے نا مہران!''

وہ بات کرتے کرتے رکی اور مہران کی رائے لینا چاہی۔ مہران تو ہکا بکا اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔ ''کیا یہ لڑکی اتنی گہرائی والی باتیں کرسکتی ہے۔''

اس نے حد درجہ حیران ہوکر سوچا۔

''میں نے مرغے کے علاوہ ایک بلی، آسٹریلین طوطے اور کچھ کبوتر بھی پال رکھے ہیں مگر مجھے اس مرغے سے بہت محبت تھی۔ جانتے ہو کیوں؟ اس کے ہونے سے میری زندگی میں تنہائی دور ہوتی تھی۔ وہ بہت اونچی آواز میں بانگ دیتا تھا۔ اور اس کے بانگ دینے سے مجھے اپنے اردگرز زندگی کا احساس ہوتا تھا۔ تم بھی تو میری طرح بہت تنہا ہو۔ تمہیں تو پتا ہوگا، تنہائی کا دکھ کیا ہوتا ہے۔ تمہیں تو پتا ہوگا مہران کہ جب انسان خود سے باتیں کرتے کرتے تھک جاتا ہے تو اس کا دل چاہتا ہے کہ کوئی اور بھی ہو جس سے وہ باتیں کرسکے جس کی آواز اس کے کان محسوس کرسکیں جس کے ہونے سے اسے اپنے ہونے کا احساس ہو...... اور جب آپ کی تنہائی بانٹنے کو کوئی انسان تیار نہ ہو تو یہ ہی جانور سب سے گہرے دوست بن جاتے ہیں۔ بولو نا مہران! تم تو بچپن سے اکیلے ہو...... تم تو میرے دکھ کو سمجھ سکتے ہو...... تمہیں تو اس بات پر حیران نہیں ہونا چاہیے کہ میں ایک مرغے کے مر جانے پر اس قدر رنجیدہ کیوں ہوں۔''

وہ اس سے کہہ رہی تھی یا شاید الزام دے رہی تھی۔

''تم تو میرے دوست ہو...... تمہارے سامنے مجھے بھرم نہیں رکھنے پڑتے...... تم سے تو میں ہر بات شیئر کرسکتی ہوں...... میری بھابھی مجھے اچھا نہیں سمجھتی...... اس کو لگتا ہے، میں اس کی راہ کا کانٹا ہوں، میں اس کے بچوں کا حق مارتی ہوں، میں اس کی خوشیوں کی قاتل ہوں، میں اس سے حسد کرتی ہوں...... میں اس کے گھر پر ناجائز قابض ہوں اور میرا بھائی...... میرا ماں جایا...... اسے اپنی بیوی کی ہر بات پر لبیک کہنے کی عادت ہے...... اس کی شادی کو ابھی صرف چار سال ہوئے ہیں مگر ان چار سالوں میں ہی اسے میری اصلیت کا پتا چل گیا ہے۔ اسے میری شخصیت میں ہر وہ خامی نظر آتی ہے جو کسی چڑیل میں ہوسکتی ہے۔ وہ مجھے بے حد ناپسند کرتا ہے۔ میرے ماں باپ بہت ضعیف ہیں۔ ابا کی جو بھی پینشن آتی ہے، اس میں ان دونوں کا گزارا نہیں ہوتا...... وہ دو وقت کی روٹی کے لیے بھی بیٹے کے ہاتھوں کی طرف دیکھتے ہیں...... وہ اس کے مقابلے میں بیٹی کا ساتھ نہیں دے سکتے...... جب میری بھابھی میری کسی بات پر ناراض ہوتی ہے تو گھر کا کوئی فرد مجھ سے بات کرنا پسند نہیں

کرتا...... ان لوگوں کی چابیاں اس ایک عورت کے ہاتھ میں ہیں جو مجھے سخت ناپسند کرتی ہے...... اسے میرے ہاتھ سے پانی کا گلاس پکڑنا بھی اچھا نہیں لگتا مہران!''

اس کی آنکھ سے آنسو لڑھک کر رخساروں پر پھسلتے چلے گئے۔

''اسے ٹیپو کا بانگ دینا پسند نہیں تھا...... اس کی نیند ڈسٹرب ہوتی تھی، اس لیے میرے بھائی نے ٹیپو کو ذبح کرڈالا۔''

خدیجہ نے گالوں پر پھسلتے ہوئے آنسوؤں کو دونوں ہاتھوں کی پشت سے رگڑا۔

''یہ تم جیسے لوگوں کے لیے لطیفہ ہوسکتا ہے۔ تمہیں اس پر ہنسی بھی آسکتی ہے مگر مجھے نہیں آتی۔ ٹیپو کے جسم پر لگنے والا ایک ایک گھاؤ میں نے اپنی روح پر محسوس کیا ہے۔ میرے بھائی نے اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لیے میری تنہائی کے ساتھی کو قتل کرڈالا۔''

وہ اب پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ مہران کو لگا خدیجہ پاگل ہوچکی ہے۔ حالانکہ اسے سوچنا چاہیے تھا کہ جب ہمارے سامنے کوئی شخص اپنے ان دکھوں اور المیوں پر رو رہا ہوتا ہے جو ہم نے کبھی زندگی میں محسوس نہیں کیے ہوتے تو دراصل وہ پاگل نہیں ہوتا بلکہ ہم پاگل ہوتے ہیں، جنہیں وہ شخص پاگل نظر آرہا ہوتا ہے اور جو دکھ ہم نے محسوس نہیں کیے ہوتے، ہمیں ان کی حقیقت پر شک کیوں ہونے لگتا ہے۔

مہران کو وہ تکیہ یاد آیا جو خالہ کے گھر ٹوٹی پھوٹی چارپائی پر وہ سر کے نیچے رکھ کر سوتا تھا جس سے وہ سب شکایتیں کہتا تھا جس میں بارہا اس نے اپنے آنسو دفن کیے تھے اور جو تکیہ خالو نے اپنے بیٹے سبحان کی پالتو بکری کے نیچے رکھ دیا تھا تاکہ اسے سردی سے بچایا جاسکے۔

''یہ کیسا معاشرہ ہے، جہاں لوگ تکیوں اور مرغوں کی وفات پر ٹوٹ پھوٹ جایا کرتے ہیں۔''

مہران نے نہایت دکھی دل سے سوچا۔ جب اپنا بے ضرر دکھ یاد آیا تھا تو خدیجہ کے دکھ کی حقیقت کے بارے میں کوئی شک نہیں رہا تھا۔ وہ بھی بہت بار ایسے پھوٹ پھوٹ کر رویا تھا جیسے خدیجہ رو رہی تھی۔

اس میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ وہ خدیجہ کو خاموش کرواسکتا یا اس کے زخمی دل پر تسلی کے نرم پھاہے رکھ سکتا۔ خدیجہ خوب رونے کے بعد خود بخود چپ ہوگئی تھی۔ مہران نے اس کی جانب بہت غور سے دیکھا تھا۔ یہ تو کوئی اور خدیجہ تھی۔ وہ اس خدیجہ کو نہیں جانتا تھا، اس خدیجہ کو تو شاید کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔ کتنی گہری تھی یہ والی خدیجہ۔

''تمہیں ایک خوشی کی خبر تو سنائی نہیں۔'' وہ آنسو پونچھ کر عینک دوبارہ سے ناک پر ٹکائے، چادر کی بکل کو درست کیے واپس اپنے پرانے روپ میں آگئی تھی۔

''سدرہ نے بچے دیے ہیں۔'' وہ بہت خوشی سے بتارہی تھی۔

''ہائیں، لاحول ولا قوۃ۔ یہ کیا طریقہ ہے۔''

خدیجہ پرانی والی ہوچکی تھی، سو اس کی باتیں بھی پرانی والی تھیں۔ مہران نے اس کے اس طرح سے کہنے پر ناک بھوں چڑھائی۔

''سدرہ میری بلی کا نام ہے۔'' وہ معصومیت سے بولی۔ مہران کو اس کی بات پر ہنسی آ گئی۔ خدیجہ کی شخصیت پر ایک نقاب تھا جو اسے دوسروں کی نظر میں گھنی، میسنی اور احمق بنائے ہوئے تھا اور اس نقاب کے پیچھے والی خدیجہ کوئی اور تھی۔ دونوں میں کس قدر عدم مطابقت تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے ذرا بھی مماثل نہیں تھیں۔

''اس معاشرے میں ہر شخص کو حق ہے کہ وہ جس طرح چاہے اپنے بھرم قائم رکھے جیسی مرضی ملمع کاری کرے اور خود پر اپنی مرضی کے مطابق پرتہہ چڑھا لے۔''

اس نے سوچا، اسے کسی کے چہرے سے نقاب ہٹانے کا حق نہیں تھا۔ وہ خدیجہ کے منہ سے ''سدرہ کے بچوں'' کی باتیں سننے لگا۔

☆ ☆ ☆

''تم شادی کب کرو گی؟''

اس روز مہران نے جھجکتے ہوئے بھی پوچھ ہی لیا۔ فائنل ٹرم میں دن ہی کتنے رہ گئے تھے۔ وہ اگرچہ ایک سمسٹر ڈراپ کیے ہوئے تھا مگر باقی لوگ تو سب مکمل کر چکے تھے۔ ان سب کو تو تھسز جمع کرانے کے بعد صرف دائیوا کے لیے ہی ڈیپارٹمنٹ آنا تھا۔ تقریباً سب ہی لوگ جاب میں تھے، سب ہی کو ایم ایڈ کے بعد مزید مصروف ہو جانا تھا اور سب ہی یہ پروفیشنل ڈگری صرف اس لیے لے رہے تھے کہ ان کی سروس مستحکم ہو سکے یا انکریمنٹس لگ سکیں۔ اس صورتِ حال میں مہران ایک بار رفعت سے بات ضرور کرنا چاہتا تھا اور وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ خدیجہ اس کی طرف سے رفعت سے بات کرے لیکن وہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ ایک دم سے اپنی بات شروع کر دے، اسی لیے اس نے پہلے خدیجہ سے اس کے اپنے متعلق بات شروع کی تھی۔

''شادی......؟'' وہ استفہامیہ انداز میں کہہ کر ہنسنے لگی۔ ''مجھ سے کون کرے گا شادی...... پھر میری عمر رہ گئی ہے اب شادی والی...... دو سال بعد میں پورے تیس سال کی ہو جاؤں گی۔''

وہ امرود کترتے ہوئے بولی۔

''خدا کا کچھ خوف کرو لڑکی! کیوں خود سے دشمنی پر تلی ہو۔ کیوں اپنے آپ کو کوستی رہتی ہو۔ یہی عمر شادی کیلئے پرفیکٹ ہے۔ بس تم خود پر ترس کھانا چھوڑ دو۔''

مہران چڑ کر بولا۔ اسے خدیجہ کی ان باتوں پر غصہ آ جاتا تھا۔ خدیجہ خاموشی سے امرود کھاتی رہی۔ اس نے آج کل ایک اور مشغلہ اپنا لیا تھا۔ وہ گھر سے کروشیا اور اون کا گولہ لے آتی اور نجانے کیا بنتی رہتی۔ اب بھی اس نے ہاتھ میں کروشیا پکڑا ہوا تھا جبکہ شہادت کی انگلی پر اون لپٹی تھی۔ امرود کا ٹکڑا اٹھاتے وقت وہ لحہ بھر رکتی، کروشیا منہ میں پکڑتی اور امرود ہاتھ میں لے لیتی پھر جس ہاتھ میں اون لپٹی ہوئی تھی، اس میں کروشیا پکڑتی اور امرود منہ میں رکھ لیتی اور چباتے کروشیا بھی درست والے ہاتھ میں آ جاتا۔ اس کا تھیسز مکمل ہو کر کمپوز ہو رہا تھا۔ چونکہ اسے کمپیوٹر آپریٹ نہیں کرنا آتا تھا، اس لیے وہ ایک ایکسپرٹ کمپیوٹر کمپوزر سے اپنا کام کروا رہی تھی۔

''میں تم سے کچھ کہہ رہا ہوں خدیجہ!''

وہ اس کی خاموشی سے چڑ کر بولا۔ ویسے تو اسے امید تھی کہ خدیجہ سیریس نہیں ہو گی۔ اپنے گھریلو حالات کی ایک قسط دکھا دینے کے بعد وہ دوبارہ کبھی مہران کے سامنے اس طرح عیاں نہیں ہوئی تھی اور مہران نے بھی کبھی اس سے کچھ کریدنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ اب بھی سب کلاس فیلوز کے سامنے اپنے بھائی اور بھابی کی حد درجہ تعریفیں کرتی تھی، ان کے بچوں کے محبت بھرے قصے سناتی تھی جو اسے بہت پیار سے پھپھو جان کہتے تھے۔ مہران یہ سب باتیں سنتا تھا، مگر اس نے کبھی خدیجہ کو ٹوکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

''تم کس دنیا میں رہتے ہو مہران! شادی کرنا کوئی آسان بات ہے کیا؟ اور کیا شادیاں اتنے آرام سے ہو جاتی ہیں۔''

وہ کروشیے کی مدد سے داڑھ میں اٹکا امرود کا بیج نکالنے کے بعد اطمینان سے بولی۔

''اگر شادیاں اتنے آرام سے ہو جایا کرتیں تو ہر گھر میں ڈھلتی ہوئی عمر کی کئی کئی کنواری لڑکیاں نہ ہوتیں۔''

وہ بے حد تلخی سے کہہ رہی تھی۔ مہران کو اس قسم کے موضوع میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ کسی سوشل ایشو کو ڈسکس نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔ اسے تو صرف اپنے اور رفعت کے متعلق بات کرنا تھی۔

''یہ بھی لڑکیوں کا قصور ہے۔ انہوں نے اپنے اسٹینڈرڈز اتنے ہائی کر لیے ہیں کہ ان کی ناک کے نیچے کوئی آتا ہی نہیں ہے، ورنہ لڑکوں کی کمی تو نہیں ہے۔ دراصل زمانہ تبدیل ہو رہا ہے، والدین بچیوں کو کھلے دل سے تعلیم دلوا دیتے ہیں اور اب تو لڑکیوں میں ہر قسم کی جاب کرنے کا رجحان بھی بڑھ رہا ہے، اس وجہ سے لڑکیوں کے مزاج اونچے ہو گئے ہیں۔'' وہ چڑ کر بولا۔ اس نے گزشتہ رات ہی کسی اخبار میں اس قسم کا کوئی آرٹیکل پڑھا تھا۔

''اپنا بھلا برا سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت کو تم ''اونچا مزاج'' کہتے ہو؟''

خدیجہ نے اطمینان سے پوچھا۔ مہران نے اسے گھور کر دیکھا۔

''جہاں تمہارے دماغ کی بیٹری کو چارج ہونا چاہیے، وہاں کبھی چارج نہیں ہوتی اور جہاں نہیں ہونا چاہیے وہاں فل چارج ہو جاتی ہے۔''

مہران نے ایک تلخ موضوع چھیڑ دیا تھا مگر وہ اس پر مزید بحث نہیں کرنا چاہتا تھا، اس لیے اکتا کر بولا۔

''ویسے تم نے کبھی سوچا ہے کہ ہمارے یہاں یہ مسئلہ اس قدر سنگین کیوں ہوتا جا رہا ہے؟''

''نہیں۔'' مہران نے سابقہ انداز میں جواب دیا اور ساتھ ہی اس کے سامنے پڑے کاغذ کے ٹکڑے پر سے امرود کا سلائس اٹھا کر منہ میں رکھا۔

''اچھا...... میں نے بھی نہیں سوچا۔'' وہ اطمینان سے بولی پھر خود ہی ہنس دی۔

''ویسے مذاق ایک طرف، سنجیدگی سے بات کی جائے تو یہ جو ذات پات کا فرق روا رکھا جاتا ہے نا اگر اس کو ختم کر دیا جائے تو یہ مسئلہ ختم ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی ایک اور بات ہے۔''

مہران کو اپنی اور رفعت کی بات کرنے کی بھی جلدی تھی، اس لیے وہ اس ''حساس'' موضوع سے ایک

لخت ہٹنا بھی نہیں چاہ رہا تھا۔ خدیجہ اسی کی جانب متوجہ تھی۔ وہ گویا ہوا۔

''ہمارے یہاں لڑکیوں کے ذہن میں بہت چھوٹی عمر میں یہ بات پختہ کر دی جاتی ہے کہ زندگی کا اولین مقصد صرف اور صرف شادی ہے تو پھر وہ صرف اس ایک چیز کے لیے سنجیدہ رہتی ہیں، باقی زندگی کا ہر معاملہ ان کے لیے صرف ''ٹائم پاس'' ہوتا ہے، اس طرح سے وہ لڑکیاں جن میں بہت پوٹینشل ہوتا ہے، ان کا ٹیلنٹ بھی ضائع ہو جاتا ہے۔''

وہ خدیجہ کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اس نے لمحہ بھر کے لیے نظریں چرائیں۔ وہ کہنا چاہتی تھی کہ ایک پوری نسل کی نشوونما کے متعلق سنجیدگی سے سوچنا کیا غلط بات ہے مگر جھجک آڑے آ گئی۔ اس نے پہلے کبھی اس طرح کے موضوعات پر کسی سے بحث نہیں کی تھی۔

''اس طرح سے انہیں ستائیس اٹھائیس سال کی عمر میں ہی ایسا لگنے لگتا ہے کہ وہ بوڑھی ہو رہی ہیں یا ان کی شادی کی عمر نکل رہی ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔ زندگی کا ہر لمحہ انجوائے کرنے کے لیے ہوتا ہے نا کہ خود پر ہر لمحہ یہ خیال مسلط کرنے کے لیے ہم اگلے دو سال بعد تیس سال کے ہو جائیں گے اور اگر عمر زیادہ ہو بھی گئی تو کیا ہوا، لڑکیاں بڑا ہو جانے سے ڈرتی کیوں ہیں؟''

اپنی دلیل کے آخر میں وہ مسکرا کر بولا۔ مقصداً اسے چڑانا تھا۔

''لڑکیاں بڑا ہو جانے سے نہیں ڈرتیں مہران! لڑکیاں بوڑھا ہو جانے سے ڈرتی ہیں۔''

خدیجہ نے یاسیت بھرے لہجے میں کہا۔ مہران نے اسے گہری نظر سے دیکھا، وہ بے حد سنجیدہ ہو گئی تھی۔

''لڑکیاں اور تتلیاں اپنی پرواز میں محدود ہوتی ہیں مگر دونوں ہی اڑتے ہوئے اچھی لگتی ہیں۔ مکھی اور تتلی میں کیا فرق ہوتا ہے......؟ رنگ کا...... تتلی کے رنگ اسے خوبصورت بنا دیتے ہیں مگر مکھی کے رنگ اسے بدصورت بناتے ہیں۔ حالانکہ مکھی میں بھی تتلی جتنے ہی رنگ ہوتے ہوں گے۔ یعنی رنگ خوبصورت بھی بنا سکتے [illegible] بدصورت بھی۔ دوسرے لفظوں میں سوچ ابھی تک بچکانہ ہے۔''

وہ اسے چڑانے کے لیے بولا۔

''تم اطمینان سے یہ باتیں کر سکتے ہو کیونکہ تم ''لڑکی'' نہیں ہو۔ تم نے ''لڑکی'' ہونے کے دکھ نہیں سہے، تمہیں صرف اس وجہ سے اپنی خواہشیں نہیں مارنا پڑیں کہ تم ایک ''لڑکا'' ہو۔''

وہ لٹھ مارنے والے انداز میں بولی۔

''لاحول ولا قوۃ۔ تم بھی بولتے وقت سوچتی نہیں ہو۔ بھلا یہ ''لڑکی، لڑکی'' کی گردان کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ جو تم [illegible] باتیں کر رہی ہو نا، یہ سترھویں، اٹھارھویں یا پھر شاید انیسویں صدی میں ہوتا ہو گا۔ لڑکی [illegible] بنا پر حقوق کی تخصیص والے گھٹیا کام گزشتہ صدی میں ہی ختم ہو گئے تھے۔ اب ایسا نہیں ہوتا، کم از کم حقوق کی پامالی صرف اس ایک وجہ کی بنا پر نہیں ہوتی کہ کوئی انسان عورت ہے یا مرد۔'' مہران اب بے پناہ چ

چکا تھا۔ اسے اس فضول، لایعنی بحث میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

''تم نے شاید کبھی اخبار نہیں پڑھا۔ اگر پڑھا ہوتا تو تم اس طرح سے یہاں بیٹھے تقریر نہ کر رہے ہوتے۔''

خدیجہ نے اب کی بار ذرا سخت لہجے میں کہا۔ اس کے ہاتھ میں کروشیا گر چکا تھا۔ اس کی ساری توجہ مہران کی جانب مبذول تھی۔

''میں اخبار پڑھتا ہوں خدیجہ! اور اخبار پڑھتا ہوں، اس لیے شرطیہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ صرف اکیلی عورت کے حقوق پامال نہیں ہو رہے بلکہ مرد بھی بری طرح سے ان حالات کا ستایا ہوا ہے۔ یہ مفروضہ اب صرف خام خیالی ہے کہ عورت حالات کی چکی میں پس رہی ہے۔ تم مردوں کو دیکھو، وہ بھی اسی طرح اپنے حقوق کے لیے پریشان نظر آئیں گے اور یہ بات میں اس لیے نہیں کہہ رہا کہ میں مرد ہوں بلکہ اس لیے کہ یہی حقیقت ہے۔ اب بات مرد اور عورت کی نہیں ہے بلکہ ظالم اور مظلوم کی ہے اور مظلوم وہی ہے جو کمزور ہے جو جتنا کمزور ہے، وہ اتنا ہی پستا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ عورت اپنے آپ کو کمزور سمجھنا چھوڑ دے، وہ اپنے اندر چھپی ہوئی خوبیوں کو تلاش کرے، ان سے فائدہ اٹھائے۔ یہ اس سے اس وقت کی طلب ہے اور عورت کو اس طلب کو پورا کرنا ہے، کرنا ہی ہوگا۔''

وہ گردن کو خم دے کر وثوق سے بولا۔ اس کا انداز بے حد جامع اور وضاحت آمیز تھا۔ حالانکہ وہ کبھی بھی مقرر نہیں رہا تھا بلکہ وہ تو کبھی سلیقہ سے اپنی بات ہی کسی تک نہیں پہنچا پاتا تھا مگر نجانے کیسے خدیجۃ الکبریٰ کے سامنے اس کی زبان خوب چلتی تھی۔ شاید اس کے سامنے وہ ایک عجیب قسم کے احساس برتری میں مبتلا رہتا تھا۔ وہ اسے ایک بونگی سی لڑکی سمجھتا تھا جسے حالات نے حساس بنا دیا تھا اور اس کی چند اچھی باتیں اگر اس حساس لڑکی کے دل پر ہمدردی کے نرم پھاہے رکھ سکتی تھیں تو وہ بہت آرام سے یہ باتیں کر سکتا تھا۔

''جب میں تمہارے جتنی تھی تو میں بھی اسی طرح کی انقلابی باتیں کیا کرتی تھی۔''

خدیجہ نے مسکراتے ہوئے اپنے کروشیا اور اون کا گولا اپنی مشہور زمانہ زنبیل میں رکھ کر کہا۔ مہران نے دزدیدہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔ وہ موضوع کو سمیٹ رہی تھی۔ مہران تپنے لگا۔

''اری او احمق عورت! تم اب بھی میرے جتنی ہو۔ یہی کہنا ہے نا تمہارا کہ تم اگلے دو سال بعد تیس سال کی ہو جاؤ گی تو سن لو کہ میں دو سال پہلے ہی تیس سال کا ہو چکا ہوں۔''

وہ جل کر بولا۔ خدیجہ پھر سے ہنسنے لگی۔

''میں مرد ہوتی تو میں بھی تمہاری طرح عورت کی لائف کو اسی طرح defend کرتی بلکہ میں اس سے زیادہ اچھی طرح کر سکتی تھی مگر اب نہیں۔ عورت ہوں نا، سمجھتی ہوں کہ عورت کس قدر مسائل میں گھری ہے۔''

وہ اسی انداز میں بولی تھی مگر آنکھوں کے گوشے سے عجب محرومیاں چھلکنے لگی تھیں۔

''تمہیں کیا پتا مہران! آج کل کی عورت کس قدر مصائب میں گھری ہے۔ وہ گزشتہ کئی صدیوں کے

برعکس ''آج'' زیادہ باشعور، زیادہ سمجھ دار ہے مگر کیا باشعور اور سمجھ دار ہو جانے سے عورت کی فطرت بدل جاتی ہے۔نہیں مہران! ایسا نہیں ہوتا۔عورت کی فطرت تو وہی ہے، چھوئی موئی کا سا نازک پودا۔مجھے ہی دیکھ لو۔''

مہران کو اس کے منہ سے خود اپنے لیے ''چھوئی موئی'' جیسے پودے کی مماثلت کی امید نہیں تھی۔اس نے بمشکل ہنسی روکی۔خدیجہ کے چہرے پر حماقت تو اسی طرح برس رہی تھی مگر آنکھوں میں بے حد سنجیدگی تھی۔

''میں نے ایف اے میں فرسٹ ڈویژن لی تھی اور میرے خاندان میں یہ اعزاز لڑکی تو چھوڑ پہلے کسی لڑکے کو بھی نصیب نہیں ہوا تھا۔میرے اباجی نے بھی اس بات پر خوشی کا اظہار کیا اور مجھے بی اے کرنے کی بخوشی اجازت دے دی۔حالانکہ میرے دونوں بھائی میٹرک سے زیادہ نہیں پڑھے تھے بلکہ خاندان بھر میں میرے بھائی ہی واحد پڑھے لکھے لوگ تھے کالج تو جانے کی اجازت نہ ملی، میں نے بی اے پرائیویٹ کیا اور ان ہی دنوں فراغت میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے بی ایڈ کے فارمز منگوا لیے۔ڈیڑھ پونے دو سال لگے بی اے کے بعد اور یوں بی ایڈ بھی ہو گیا۔میں اپنے خاندان کی سب سے اعلا تعلیم یافتہ لڑکی تھی۔شکل وصورت بھی اللہ نے مناسب دی تھی۔امی نے سلیقہ اور سگھڑاپا بھی دے ہی دیا تھا۔مجھ میں کوئی کمی تو نہیں تھی مہران! مجھے خواب دیکھنے کا پورا حق تھا۔''

وہ اپنے انتہائی ذاتی حالات بتاتے بتاتے رک گئی۔آنکھوں میں سنجیدگی تھی مگر آنسو نہیں۔مہران تمام تر حسیات اس کی جانب مبذول کیے ہوئے تھا، اسے نجانے کیوں یہ باتیں نئی نہیں لگ رہی تھیں۔

''خاندان بھر میں میرے جیسی شاندار لڑکی کوئی نہیں تھی مگر خاندان بھر میں میرے جیسی شاندار لڑکی کی کسی کو ضرورت نہیں تھی اور خود میں بھی اپنے ''ان پڑھ'' خاندان سے الرجک تھی۔جب بڑھتی عمر کے ابتدائی آثار شخصیت میں نمودار ہونے لگے تو میری امی کو بھی فکر ہوئی۔چند ایک ''ماسی'' ٹائپ خواتین سے میرے رشتے کے سلسلے میں درخواست کی گئی اور پھر میری زندگی کا کربناک ترین سلسلہ شروع ہوا۔''

وہ پھر خاموش ہو گئی۔اس کی باتوں میں نجانے کیسا تاثر تھا کہ مہران یک ٹک اسے سن رہا تھا۔

''پہلی بار جب دو خواتین مجھے دیکھنے آئیں تو مجھے اس سارے سلسلے سے نفرت محسوس نہیں ہوئی تھی۔فقط عجیب سی بے چینی تھی۔تھوڑی سی خوشی تھی۔میں تو اتنی اچھی تھی۔میری امی، میرے ابو میری تعریف کرتے نہ تھکتے تھے۔مجھے کون دھتکار سکتا تھا، مگر ماں باپ......وہ مخلوق ہیں جو اپنی اولاد کے بارے میں ہمیشہ غلط فہمی کا شکار رہتے ہیں۔مجھے دھتکار دیا گیا۔مجھے زندگی میں پہلی بار احساس ہوا کہ میرا گندمی رنگ کس قدر برا ہے۔اتنا برا کہ صرف اس گندمی رنگ کی بنا پر مجھے دھتکارا جا سکتا ہے پھر ہر پندرہ بیس دن بعد کوئی نہ کوئی نئے مہمان مجھے میری خامیوں کے بارے میں آگاہ کرنے لگے۔میں دبلی پتلی تھی، ٹانگا ماچس کے جیسی دکھتی تھی، آنکھیں چھوٹی تھیں، بات کرنے کی تمیز نہیں تھی۔میں گفتگو کے دوران مسکراتی تھی تو میرے سامنے کے دانت بہت بدنما لگتے تھے، مجھے بے وجہ انگلیاں چٹخانے کی عادت تھی، میری چال میں اعتماد نہیں تھا، میری شخصیت صفر تھی، صفر...... بالکل صفر...... مجھے اللہ کی مہربانی سے تمام اعضاء پورے ملے تھے......شعور بھی دیا تھا اوپر والے نے......

اخلاقیات میں بھی گھسی پٹی نہیں تھی......مگر پھر بھی میری شخصیت صفر تھی......لمحہ بھر کو سوچو مہران! صفر ہونا کیسا لگتا ہے۔اس روز اور اس کے بعد آنے والے ہر روز مجھ پر میری اپنی شخصیت کے اتنے در وا ہوئے کہ یہ بھی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ سر پٹخنے کو کون سا در منتخب کروں۔مجھے اپنے ماں باپ پہ غصہ آنے لگا، میری شخصیت میں اس قدر خامیاں تھیں تو انہوں نے مجھے آگاہ کیوں نہیں کیا۔دوست احباب تو دل رکھ لیتے ہیں، والدین کو تو نہیں رکھنا چاہیے۔مجھے میرے بارے میں کچھ تو آگاہ کرتے۔میں تو آئینہ دیکھ کر مطمئن ہو جانے والے لوگوں میں سے تھی کہ چلو کوئی جسمانی خامی نہیں۔قبول صورت بندی ہوں مگر مجھے باہر والوں نے سب بتا دیا۔''

اس کا سانس پھول رہا تھا اور اب آنکھ کے کنارے ذرا ذرا بھیگے ہوئے بھی لگ رہے تھے۔

''میں چڑچڑی ہوتی چلی گئی......اکلوتی تھی......ماں باپ نخرے برداشت کر لیتے تھے......مگر بھائی......بڑے بھائی کی شادی میری خالہ کی بیٹی سے ہوئی......وہ میری ہم عمر تھی......اس کے جذبات بھی میری طرح تھے۔وہ جب بج سنور کر گھر میں پھرتی......میرا بھائی اس کے لاڈ اٹھاتا تو مجھے غصہ آتا......اللہ سے شکوے شکایات بڑھنے لگے۔مجھے وہ شیر خوار بچیاں اپنے سے اچھی لگتیں، جنہیں زمانہ جاہلیت میں دفن کر دیا جاتا تھا۔وہ عورتیں جنہیں کاری کر کے قتل کر دیا جاتا تھا اور وہ بھی جن کی شادیاں زمین یا قرآن پاک سے کر دی جاتی تھیں۔

ان عورتوں کو میرے جیسے مسائل نہیں تھے مہران! انہیں انسان ہوتے ہوئے بھی بھیڑ بکری کی طرح لوگوں کے آگے نہیں رکھا گیا تھا کہ قربانی کے لیے پسند کر لی جائیں۔توبہ......اللہ مجھے معاف کرے میری ذہنی حالت بگڑنے لگی۔بھابی اور امی کے جھگڑے روز بروز زیادہ ہونے لگے۔'' اس نے ''زنبیل'' سے رومال نکال کر آنکھیں صاف کیں۔

''ایک دن جب بھابی سے جھگڑا حد سے بڑھا تو بھائی نے کہا اباجی! اس گھر میں آپ کی ناکارہ منحوس بیٹی رہے گی یا پھر میں۔'' ظاہر ہے اباجی مجھے تو نہیں نکال سکتے تھے، اس لیے بیٹا علیحدہ گھر لے کر رہنے لگا۔

اس دن کے بعد سے اباجی کا رویہ میرے ساتھ بے حد تبدیل ہو گیا۔امی اٹھتے بیٹھتے اس لمحے کو کوسنے لگیں جب انہوں نے مجھے اعلیٰ تعلیم دلوانے کا سوچا تھا اور تب مجھے احساس ہوا کہ میں اپنے پیاروں کے لیے ''عذاب'' ہوں۔

خدیجہ کی گفتگو کے درمیان وقفے بڑھ رہے تھے اور ماحول میں غمناک بوجھل پن۔

''میرے ''ہونے'' سے میرے اردگرد رہنے والے کس قدر مسائل کا سامنا کر رہے تھے۔اس روز میں نے حقیقت پسندی سے اپنا جائزہ لیا۔میں ''عذاب'' نہیں تھی مگر ''ناکارہ'' ضرور تھی۔مجھے اللہ نے اتنی ہی محبت سے تخلیق کیا تھا جتنا کہ باقی لوگوں کو کیا گیا تھا۔مجھے زندگی کی نعمت عطا کی گئی تھی۔زندگی اللہ کی امانت ہے اور میں اس امانت میں کس بری طرح سے خیانت کی مرتکب ہو رہی تھی۔میں اس کا بے دریغ استعمال کر رہی تھی اور اس طرح کر رہی تھی کہ کوئی فائدہ ہی نہیں ہو رہا تھا۔میرا بھائی اگر مجھ سے بدظن ہوا تھا تو صحیح ہوا تھا۔میں ان سب کے لیے مشکلات بڑھا رہی تھی۔کوئی کب تک کسی کو بے وجہ بستر پر بیٹھا کر کھلائے۔میں نے جاب کر لی۔ہر غلط سوچ کو ذہن سے جھٹک کر میں نے خود کو اسکول اور بچوں میں گم کر لیا۔دل سے ہر خواہش کھرچ ڈالی۔

حالات تھوڑے سے بہتر ہو گئے مگر انسانی نفسیات کا المیہ ہے نا، وہ اگر ایک راستے سے گزر جائے تو وہ اس کے لیے پرانا ہو جاتا ہے۔ میرے ماں باپ اچھے ہیں مگر دوسرے بھائی کی بھی شادی ہو گئی۔ میں نے اپنی بڑی بھابھی کو جتنا ایزی لیا تھا، چھوٹی بھابھی نے مجھے اس سے زیادہ تنگ کیا۔ اب تو امی ابا میں اتنی سکت بھی نہیں کہ وہ دوسرے بیٹے کی جدائی برداشت کر سکیں، اس لیے وہ بھی اب مجھ پہ اتنے مہربان نہیں۔ قصور ان کا نہیں ہے مہران! بس کیا کہوں...... شاید قسمت...... یا پھر میری غلطی...... اپنی تعلیم کے زعم میں بہت ابتدا میں کچھ ایسے پروپوزلز میں نے ریجیکٹ کیے جو صرف تعلیم کی کمی کے باعث میری ناک کے نیچے نہیں آتے تھے۔ حالانکہ باقی ہر خصوصیت میں وہ پرفیکٹ تھے۔ اب مزید کیا کہوں...... خیر...... اللہ وارث...... ایم ایڈ مکمل ہو تو پھر سے اسکول جانا شروع کر دوں گی۔"

وہ اب خاموش ہوئی تو کافی دیر خاموش رہی۔

"تو آج ہم نے یہ سیکھا کہ عورت، مرد سے زیادہ مظلوم ہے اور اسے ان معاشرتی حالات میں زیادہ مسائل کا سامنا ہے۔"

وہ ایک دم سے ہنستے ہوئے بولی۔ مہران اسے دیکھ کر رہ گیا۔ کس قدر گہری تھی وہ۔ "کیا چیز ہو تم خدیجۃ الکبریٰ۔"

اس نے سوچا۔

دوستو!!!
دعا کرنا
وہ گھڑی نہ آ جائے۔
جب ہمارے ہونٹوں پر گیت ہو مسرت کا
اور ہماری آنکھوں میں آنسوؤں کا موسم ہو

وہ بھول گیا لمحہ بھر کے لیے اسے رفعت کے سلسلے میں بات کرنا ہے۔ رفعت کی بات کرنا کس قدر ضرور تھا مگر اس نے سوچا اس لڑکی سے اپنے بارے میں کچھ ڈسکس کر لیا جائے۔ شاید اس کے دکھی دل کے لیے مرہم کا بندوبست ہو جائے۔

"اگر اس قسم کے حالات کا سامنا کرنے پر تم خود کو مظلوم کہہ سکتی ہو تو پھر میں بھی مظلوم ہوں۔"

اس نے بات کا آغاز کیا۔

"حالانکہ میں عورت نہیں ہوں مگر میں ثابت کر سکتا ہوں کہ مرد کو بھی کم و بیش ان حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تمہیں یہی شکایت ہے نا کہ تمہیں ڈی گریڈ کیا گیا...... تمہاری تضحیک ہوئی...... تمہیں بارہا ایسے حالات کا سامنا کرنا پڑا کہ تمہیں محسوس ہونے لگا کہ تم پل صراط پر چل رہی ہو، تمہیں آس و نراش میں گھرے رہنا پڑا...... تمہیں اعصاب کی جنگ لڑنا پڑی...... تمہیں اپنی شخصیت کے "صفر" ہو جانے پر دکھ تھا...... یہ دکھ تو مرد بھی محسوس

کرتا ہے خدیجہ......! بارہا محسوس کرتا ہے...... میرے ماں باپ کا انتقال ہوا تو میں بہت چھوٹا تھا...... خالہ نے اپنے گھر میں لا کر مجھے "خادم" ٹائپ ملازمت پہ لگا دیا۔ وہ اچھے لوگ تھے مگر میں نے سیکھا کہ جب کوئی اونچی آواز میں بات کرے تو سر جھکا کر دوڑے جاؤ اور "حاضر جناب" یا "جی مالک" کے علاوہ کوئی بات نہ کرو۔ وہ خدا ترس لوگ تھے، مجھے پڑھا لکھا دیا۔ میری سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو جلا بخش دی مگر پھر مجھے قسمت کے ہیر پھیر نے خالہ کے گھر پہنچا دیا۔ تمہارے ماں، باپ بھائی سب تمہارے اپنے تھے پھر بھی تم ان کے بدلتے رویوں کی اذیت کو محسوس کرتی ہو اور مجھے تو کبھی محبت یا شفقت ملی ہی نہیں تھی۔ میری شخصیت میں اعتماد کی کمی تھی...... انداز گفتگو میں اعتماد کی کمی کے باعث ہکلاہٹ موجود تھی۔ زندگی میں کبھی اچھا کھانے کو ملا نہ پہننے کو...... اچھے لوگوں میں اٹھنے بیٹھنے کا سلیقہ بھی نہ آیا...... میرا دل جانتا ہے، میں نے ایف اے کے بعد بی اے پھر ایم اے، بی ایڈ وغیرہ کیسے کیا...... یہ ایک الگ بحث ہے...... مگر اصل بات یہ ہے کہ میری امیدیں کیسے ٹوٹیں؟

میں نے بھی وہ دکھ محسوس کیا ہے جو تم نے ریجیکشن میں محسوس کیا تھا۔ مجھے بھی لگا تھا کہ مجھے لیٹ ڈاؤن کیا گیا ہے۔ جانتی ہو، یہ سب سے پہلی مرتبہ کب ہوا؟ میں نے اپنے چھوٹے سے شہر کے کالج میں پولیٹیکل سائنس کے لیکچرز کے لیے درخواست دی۔ کالج میں آسامی خالی تھی، ایڈہاک پر ملازمت تھی، چھوٹا موٹا ٹیسٹ بھی ہوا تھا انٹرویو کا سلسلہ شروع ہوا۔

میری زندگی کا پہلا انٹرویو تھا۔ پہننے کو اچھے کپڑے بھی نہیں تھے...... ایک دوست سے اس کا ذرا بہتر قسم کا شلوار قمیص ادھار مانگا اور جوتا دوسرے دوست سے۔ ڈرتے ڈرتے انٹرویو کے لیے پہنچا...... وہاں مجھ سے بہتر لوگ موجود تھے۔

مجھے دیکھ کر دو سوالات کے بعد ہی صاف جواب دے دیا گیا۔ میں نے جانا شخصیت کا "صفر" ہو جانا کیا ہوتا ہے۔ میں نے جانا مجھ میں کون کون سی خامیاں ہیں۔ میں نے وہی دکھ محسوس کیا جو تم نے کیا پھر تمہاری طرح مجھے بھی بہت بار "ریجیکشن" کا دکھ سہنا پڑا۔ میں نے بھی وہی...... فرسٹریشن محسوس کی خدیجہ! لوگوں کے منہ سے تضحیک آمیز جملے بھی سنے۔ بہت بار...... بار بار...... ہر بار میرے خواب بھی ٹوٹے کسی کو بھی میری، میری قابلیت کی ضرورت نہیں تھی۔

مجھے بھی تمہاری طرح غصہ آنے لگا مگر میں کس پر غصہ نکالتا۔ جیسے تمہیں زمانہ جاہلیت کی شیر خوار بچیاں، معصوم بے گناہ کاری عورتیں اور قرآن پاک سے بیاہے جانے والی عورتیں اچھی لگنے لگی تھیں، اسی طرح مجھے بھی دہشت گرد، اسمگلر، چور، ڈاکو سب اچھے لگنے لگے۔ انہیں کم از کم میرے جیسے مسائل کا سامنا نہیں تھا۔"

وہ خاموش ہوا۔ انسان بھی عجیب ہے، آنسوؤں کو روکنا چاہتا ہے تو زبان کو زحمت دیتا ہے اور زبان کی رفتار کم کرنا چاہتا ہے تو آنسوؤں کے پہرے اٹھا دیتا ہے۔ مہران کی آنکھ کے گوشے بھیگ رہے تھے۔

"میں ایک اکیلا تو اس قسم کے مدار میں نہیں پھنسا ہوا خدیجہ! ایسے ہی لاکھوں ہزاروں لڑکے ہیں جو گھروں سے صبح صبح امید پہن کر نکلتے ہیں اور شام کو مایوسی کا کتا پھٹا چولہ پہن کر گھروں واپس آ جاتے ہیں۔ ان

کی فرسٹریشن بھی ان لڑکیوں کے برابر کی ہے جو گھروں میں اچھے رشتوں کے انتظار میں بیٹھی ہیں۔''

اس نے گہری، بے حد گہری سانس بھر کر کہا تھا۔

''تو پھر آج ہم نے سیکھا کہ صرف عورت نہیں مرد بھی اس معاشرے کا مظلوم و مجبور ترین جانور ہو سکتا ہے۔''

وہ گہری سانس بھرنے کے بعد شاید خود کو توانا محسوس کر رہا تھا۔ خدیجہ نے اس کی جانب دیکھا پھر مسکرائی جیسے کوئی سرسری سا مسکرائے یا پھر شاید مسکرانے کی کوشش کرے۔ مہران اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اتنی دیر کی مغز ماری میں بہت اچھی باتیں ہوئی تھیں مگر جو ''سب سے اچھی'' بات اسے کرنا تھی، وہی رہ گئی تھی۔ اس نے ''وہ'' بات آنے والے کسی دن پر اٹھا رکھی۔ آخری پوائنٹ سے جانے والے لوگ بھی اب اکا دُکا ہی نظر آ رہے تھے کیونکہ موسم بھی کچھ خراب ہو رہا تھا۔ بادل گھر گھر آئے تھے اور ٹھنڈی مگر شرارتی ہوا ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی۔

''کس قدر رومینٹک موسم ہے۔'' مہران نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

وہ اپنی زنبیل اٹھا کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''ہاں...... بہت...... سموسے اور پکوڑے کھانے والا موسم، ہے نا۔''

وہ مزا لیتے ہوئی بولی۔ اس کی آنکھیں بھی سموسے اور پکوڑوں کے نام پر چمک اٹھی تھیں۔ مہران جی بھر کر بدمزہ ہوا۔

''احمق! اچھی سی موسیقی سننے اور بارش کی رم جھم کو ہتھیلیوں پر محسوس کرنے کا موسم ہے۔''

وہ دھیمی سی آواز میں بولا۔

''ہیں......؟'' خدیجہ نے ہونق بن کر اس شاعرانہ بات کو ہضم کیا۔ مہران نے مزید کچھ نہیں کہا۔ وہ رفعت کو مس کرنے لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

''تم نہیں سمجھو گے مہران علی! تم سمجھ ہی نہیں سکتے۔'' اس نے مہران کی ڈیڑھ گھنٹہ کی تقریر کے جواب میں فقط ایک ہی جملہ کہا تھا لیکن یہی ایک جملہ مہران کو آگ لگا گیا۔

''ہاں ٹھیک ہے۔ میں احمق، چغد، گھامڑ، پاجی، الو کا پٹھا ہوں مگر تم اپنا پوائنٹ آف ویو کلیئر کرنے کی کوشش تو کرو۔ کیا پتا میری سمجھ میں آ ہی جائے۔''

اس نے انتہائی تپ کر کہا تھا مگر اس کے مقابل بیٹھی محترمہ کے کانوں پر حقیقی معنوں میں جوں تک نہیں رینگی تھی۔ اس نے مہران کے سخت لب و لہجے اور چہرے کے تاثرات کو خاطر میں لائے بغیر سامنے پڑے شاپنگ بیگ سے دو کینو برآمد کیے۔ ایک میز پر مہران کے سامنے رکھا اور دوسرا اپنے لیے چھیلنے لگی۔

''قسم سے، بہت میٹھا ہے۔ لو نا تم بھی۔''

وہ قاش منہ رکھتے ہوئے بولی تھی۔ مہران اسے گھورتا رہا مگر خدیجہ نے لمحہ بھر کے لیے بھی کینو سے نظریں ہٹا کر اس کی جانب نہیں دیکھا تھا۔ وہ کینو کی قاشیں منہ میں یکے بعد دیگرے رکھ رہی تھی اور ''پھوں پھوں'' کر کے منہ سے بیج نکال رہی تھی۔

مہران کو اس کے رویے پر حیرت نہیں ہوتی تھی کیونکہ خدیجہ کی حرکات پر اس نے بہت پہلے حیران ہونا چھوڑ دیا تھا۔ آج اسے اس پر غصہ آ رہا تھا۔ وہ اس کی بات کی گہرائی اور سنجیدگی کو محسوس ہی نہیں کر رہی تھی۔ حالانکہ وہ رفعت کو ڈیپارٹمنٹ میں دیکھتے ہی اس کے پاس دوڑا آیا تھا تاکہ وہ اس کی یعنی مہران کی طرف سے رفعت سے بات کر سکے۔ ڈیپارٹمنٹ میں دوسرے بہت سے کلاس فیلوز بھی تھیسز جمع کرانے کے سلسلے میں آئے ہوئے تھے۔ اس لیے وہ خدیجہ کو لے کر لائبریری میں آ گیا تاکہ اسے اپنا رازدار بنا سکے مگر وہ ''سودائن'' مہران کے جذبات کو سمجھ ہی نہیں رہی تھی اور اگر سمجھ رہی تھی تو سنجیدگی سے نہیں لے رہی تھی۔

''وہ چلی جائے گی خدیجہ!'' اس نے خدیجہ کے منہ سے نکلنے والے بیجوں اور ان کے نشانوں سے اکتا کر کہا۔

''کون......؟'' وہ سر اٹھا کر حیرت سے بولی۔ مہران کا دل چاہا اسے کھینچ کر دو تھپڑ لگائے۔

''رفعت...... رفعت آرا بیگم...... بنت حاجی مراد علی۔'' اس نے دانت کچکچا کر کہا۔

خدیجہ کو کسی بات کے لیے سنجیدگی سے سوچنے پر مجبور کرنا دنیا کا مشکل ترین کام تھا اور اگر مہران نے اس کے سنجیدہ روپ نہ دیکھے ہوتے تو وہ اس کام کو ناممکنات میں سے سمجھتا۔

''رفعت چلی جائے گی تو کیا ہوا...... جانے دو...... تم کیوں پریشان ہو رہے ہو...... تم نے کیا اس سے قرضہ لینا ہے۔''

اس نے نیم سنجیدگی سے کہا۔ مہران نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔ خدیجہ کو بات سمجھانا اتنا مشکل ہو رہا تھا تو بھلا رفعت کو کیسے سمجھا پاتا۔

''خدیجہ...... خدیجہ...... پلیز یار! تم کیا میرے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتیں۔ یہ میری ساری زندگی کا معاملہ ہے، تم چند لمحے کے لیے اگر سنجیدگی سے میری بات سن لو تو میں زندگی بھر تمہارا احسان مند رہوں گا۔''

اس نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ دیے تھے۔ خدیجہ نے لمحہ بھر کے لیے اس کی جانب دیکھا۔ خدیجہ کی آنکھوں کی چمک آج کچھ ماند دکھائی دیتی تھی۔ اس کی آنکھیں بہت روشن اور بڑی بڑی تھیں۔ اگرچہ عینک کا غلاف ان آنکھوں کی خوبصورتی کو ڈھک لیتا تھا مگر پھر بھی ایک نظر دیکھنے والے کو بھی پتا چل جاتا تھا کہ اس چہرے پر صرف ایک ہی کام کی چیز تھی اور وہ اس کی چمکتی روشن آنکھیں ہی تھیں۔

''میں سنجیدہ ہوں مہران! تم کہو وہ جو بات تم کہنا چاہتے ہو۔ میں ڈیپارٹمنٹ سے لائبریری صرف تمہاری باتیں سننے آئی ہوں۔''

''میں نے تمہیں سب کچھ بتا تو دیا ہے، مجھے وہ بہت اچھی لگتی ہے۔ میں اس سے شادی کرنا چاہتا

ہوں۔ میں چاہتا ہوں، تم اس سے بات کرو۔ یہ مت سمجھنا کہ میں اس سے بات نہیں کر سکتا، میں کر سکتا ہوں مگر میں چاہتا ہوں کہ میرے بی ہاف پر پہلے تم اس سے بات کرو۔''

مہران نے اپنی خوشی چھپاتے ہوئے اسے پھر سے سب بتا دیا۔

''مہران! وہ..... دراصل.....'' خدیجہ نے کہا پھر سانس لیا پھر تھوک نگل کر بولی۔

''مہران..... تمہارے..... تمہارے حصے کا کینو میں کھا لوں؟''

مہران اس کی جانب امید بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا، اس کی بات سن کر چہرے کے زاویے لمحہ بھر میں بدلے، اس کا پارہ انتہا کو چڑھ چکا تھا۔

''ہاں..... ضرور..... کھالو..... تم کینو کھاؤ..... میں چلتا ہوں، مجھے جمی سے کچھ کام ہے۔''

وہ سنجیدگی سے کہتے ہوئے اٹھا، کرسی گھسیٹی اور مڑ گیا۔

''مہران..... مہران..... رکو تو..... ایک منٹ میری بات تو سن لو۔''

خدیجہ کو شاید مہران کے اس طرح برافروختہ ہو جانے کی امید نہیں تھی۔

''مجھے تم سے کچھ کہنا ہے، پلیز واپس آؤ تو سہی۔ رفعت ہی کی بات ہے۔''

خدیجہ نے تقریباً منت کرتے ہوئے کہا۔ ''رفعت'' کے نام پر مہران رک گیا۔

یہ مہران جانتا تھا کہ وہ انگیجڈ نہیں ہے اور کہیں اور وہ کمیٹڈ یا انوالوڈ دکھتی ہے، اس کی مہران کو امید نہیں تھی۔ اس کی ساعتیں خدیجہ کی جانب مبذول تھیں۔

''تم کیوں نہیں سمجھتے مہران! رفعت..... میری بات سن کر بھڑک اٹھے گی..... اسے یہ سب اچھا نہیں لگے گا..... وہ مجھ پر غصہ ہوگی..... میں اسے بہت اچھی طرح سے جانتی ہوں..... وہ کس طرح کے لڑکوں..... میرا مطلب وہ زندگی میں کیا چاہتی ہے۔ وہ کبھی نہیں مانے گی مہران!''

خدیجہ نے بہت دقت سے بات مکمل کی تھی، مہران نے حیرانی اور ناگواری سے اس کی جانب دیکھا۔

''کیوں خدیجہ وہ کیوں نہیں مانے گی؟''

اس نے پلٹ کر خدیجہ کی جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا پھر وہ دوبارہ اس کے قریب آ گیا۔ اس کو خدیجہ کے بے بنیاد خدشات پر ہنسی آنے لگی تھی۔ وہ اسے کیسے سمجھاتا کہ اس نے رفعت کی آنکھوں میں اپنے لیے کتنے جذبات دیکھے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو مخاطب نہیں کرتے تھے مگر پھر بھی وہ جانتا تھا کہ رفعت کی آنکھیں اسے دیکھ کر چمک اٹھتی ہیں اور یہ چمک ہی مہران کو حوصلہ دیتی تھی۔

''تم نہیں سمجھو گے مہران!'' خدیجہ نے سر جھکا کر کہا۔ وہ نجانے کیوں مہران کی جانب دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔ مہران کو اچانک ہی کچھ کلک ہوا تھا۔

''خدیجہ اس قدر شش و پنج کا شکار کیوں ہے۔'' اس نے سوچا۔ یکا یک بے یقینی و بدگمانی کا ننھا سا بیج اس کے دل میں تناور درخت بننے کا مرحلہ طے کرنے لگا تھا۔ وہ اطمینان سے دوبارہ خدیجہ کے سامنے بیٹھ گیا،

اسے دوٹوک بات تو کرنا ہی تھی۔

''میں..... میں تمہیں کیسے سمجھاؤں..... تم خود کیوں نہیں سمجھتے مہران!''

وہ انگلیاں چٹخاتے ہوئے عجیب سے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ مہران نے گہری سانس بھر کر اس کی طرف دیکھا۔ خدیجہ کا انداز اس کے تمام تر خدشات کی تصدیق کر رہا تھا۔ اس کے دل میں لاوا پکنے لگا تھا۔

''تم نے یہ سوچ بھی کیسے لیا خدیجۃ الکبریٰ؟'' اس نے دل ہی دل میں حقارت سے کہا۔

''میں نے ایک دفعہ کہیں ایک لطیفہ پڑھا تھا۔ اس میں کلاس کی ایک ہونق ترین لڑکی کو اس کے کلاس فیلوز ''پھپھی'' کہہ کر چھیڑتے تھے، سوائے ایک لڑکے کے، کلاس اس لڑکے کو ''پھپھا'' کہہ کر چھیڑتی تھی۔ جانتی ہو مجھے یہ لطیفہ کیوں یاد آ رہا ہے۔ تم مجھے کلاس کا ''پھپھا'' بنانا چاہتی ہو نا۔''

وہ تحمل سے بات کر رہا تھا مگر اس کی آنکھوں میں تضحیک اور ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ تھی۔

خدیجہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

''میں سمجھی نہیں مہران!''

وہ تحیر سے بولی۔ مہران نے مصنوعی ہنسی سے اس کی جانب دیکھا اور اس کے چہرے پر'' اچھاآآآآ'' والے تاثرات تھے۔

''تم نے کیا سوچا خدیجہ! میں تم سے شادی کر لوں گا؟ اپنا لوں گا تمہیں؟ ارے تم سے ہمدردی کرنے کی اتنی بڑی سزا ملتی ہے کیا؟ میں نے تمہیں ایک معصوم لڑکی سمجھ کر دو دن تم سے ہنس کر بات کیا کر لی، تمہارے دکھڑے کیا سن لیے، تم تو سر پر چڑھ آئیں۔ اتنے اونچے اونچے خواب دیکھنا شروع کر دیئے تم نے، حالانکہ.....''

مہران نے جان بوجھ کر توقف کیا۔ وہ اب خدیجہ کی آنکھوں کو فوکس کیے ہوئے تھا۔ ان آنکھوں پر عینک تھی اور اس عینک کے عقب میں مہران کو نجانے کون کون سی امیدیں اور خوش فہمیاں ہلکورے لیتی نظر آئیں کہ وہ سب کا دشمن ہو گیا۔

حالانکہ خدیجہ! تمہیں کچھ تو سوچنا چاہیے تھا ارے کچھ تو سوچا ہوتا۔ کہاں میں اور کہاں تم۔ کیا تم سے تمہاری شخصیت کی خامیاں اس قدر مخفی ہیں کہ تم ہر احتیاط بالائے طاق رکھ کر مجھ سے محبت کرنے لگیں۔

''محبت.....؟'' خدیجہ کے منہ سے صرف یہی لفظ نکلا تھا اسے مہران کے لفظوں سے زیادہ آنکھوں سے ڈر لگ رہا تھا۔ ان آنکھوں میں کس قدر اجنبیت تھی۔ اس ایک اجنبیت کو ختم کرنے کے لیے تو وہ اپنا آپ بھی قربان کر سکتی تھی مگر اب اس کے پاس اپنا آپ بھی کہاں بچا تھا۔ اس کا اپنا وجود مٹھی میں سے ریت کی طرح پھسل کر اس کی نظروں میں بہہ گیا تھا۔

''چلو محبت ہو سکتی ہے۔ میں نے تم سے ہمدردی کے دو بول بولے، تمہیں مجھ سے محبت ہو گئی مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ تم میرے اور رفعت کے معاملے میں روڑے اٹکانے کی کوشش کرو یا اس کے لیے میرے دل میں بدگمانی پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ کم از کم میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔ قصور تمہارا نہیں خدیجہ.....!

قصور میرا ہے۔..... مجھے تو شروع سے ہی سب کلاس فیلو ٹوک رہے تھے کہ بواجی، معاف کرنا شاید تمہیں یہ بھی نہیں پتا کہ ساری کلاس تمہیں کن کن ناموں سے یاد کرتی ہے..... جبھی لوگ تمہیں ''بواجی'' غفار لوگ ''آئٹم''..... خدیجہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

''سودائن..... احمق..... چیز..... بونگی..... لطیفہ..... تماشا..... بکل مارکہ..... پھٹیچر..... ہونق..... جھلی..... کملی..... پاگل۔ مجھے پتا ہے مہران..... میں جانتی ہوں کہ کلاس مجھے کیسے یاد کرتی ہے..... میں جانتی ہوں۔ میری حقیقت کیا ہے۔ چلو خیر، دفع کرو، مٹی ڈالو، مجھے اجازت دو۔ دراصل جبی کی بہن کی کہیں بات چل رہی ہے۔ اس نے مجھے استخارہ کرنے کے لیے کہا تھا۔ مجھے اس سے بھی ملنا ہے ابھی۔ بہت پریشان ہیں اس کی والدہ بیٹی کے رشتے کے لیے..... ویسے استخارہ تو مثبت آیا ہے..... خدا کرے بات بن جائے اچھا میں چلتی ہوں اور ہاں، یہ کینو کھالو۔ میٹھا ہے بہت..... خدا حافظ۔''

اس نے چیزیں سمیٹیں، چادر درست کی اور یہ جا وہ جا۔ مہران اندر تک جل گیا۔ لاوا ابلنے لگا تھا۔ وہ بھی ڈیپارٹمنٹ کی طرف چل پڑا۔

''اونہہ..... سمجھتی کیا ہے خود کو۔ بکل مارکہ..... ارے اتنے نخرے۔ مجھے بات بھی پوری نہیں کرنے دی اور اپنی کہہ کر یہ جا وہ جا..... سچ ہے کہ آج کا زمانہ بہت منافق ہے۔ کیسے سب کے سامنے معصوم بنتی ہے مگر اندر سے ''پوری'' ہے۔ ہر چیز کی خبر ہے مگر دوسروں کے سامنے اپنی شخصیت پر پردے ڈالے رکھتی ہے۔ جن لوگوں کو ہمدردیاں سمیٹنے کی عادت پڑ جائے، انہیں پھر سچی بات اچھی بھی نہیں لگتی۔ بھئی اب برا لگا تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ سارے زمانے کے لیے تماشا نہیں بن سکتا۔ ایسی شخصیت ہونی چاہیے ایک لڑکی کی؟ ایسی.....؟ ایسی.....؟ ارے اتنی پھٹیچر..... جیسے اپنے وجود پر شرمندہ ہو۔ ہمہ وقت پھسلتی چادر اور گرتی عینک کی فکر ..... بھری کلاس میں محترمہ سے کوئی بات کرنا پسند نہیں کرتا۔ میں نے ذرا گھاس کیا ڈال دی۔ محترمہ پھیل گئیں اونہہ..... بھائی بھائی کر کے سب کے پیچھے پھرتی تھی..... توبہ..... مجھے بھی محتاط رہنا چاہیے تھا۔ مجھے تو سلیم نے پہلے ہی ٹوکا تھا کہ اس کو زیادہ منہ لگانے کی ضرورت نہیں۔ محترمہ پورا لسوڑا ہے مگر میں نے بھی ہمدردی میں حد کر دی۔ ارے اتنی بھی کیا انسانیت کی پروا، بھگتو بیٹا مہران.....''

وہ ڈیپارٹمنٹ کی طرف جا رہا تھا۔ اسے راستے میں خدیجہ کہیں نظر نہیں آئی۔ شاید وہ مین روڈ کی طرف سے ڈیپارٹمنٹ جا رہی تھی۔

''مجھے رفعت سے خود ہی بات کرنا پڑے گی۔'' اس نے سوچا اور اندر سے کسی قدر گھبراہٹ کا شکار بھی ہوا تھا مگر اسے بات تو کرنا ہی تھی۔

☆ ☆ ☆

''آپ تو ذرا بھی تبدیل نہیں ہوئے مہران!''

وہ اپنی دلنشین مسکراہٹ کی بجلیاں دائیں بائیں گراتے ہوئے بولی۔ میرون شلوار قمیص کے ساتھ وہ

وائٹ اسکارف اور میرون اور سفید دوپٹہ لیے ہوئے، مہران کو ہر دن سے زیادہ اچھی لگی۔ اس کے اس طرح سے کہنے پر مہران کے چہرے پر عجب خجالت بھری مسکراہٹ آئی تھی۔ وہ بہت مشکل سے رفعت کے سامنے مدعا بیان کر پایا تھا۔ نجانے اسے کیا ہو جاتا تھا کہ وہ بہت بااعتماد طریقے سے گفتگو نہیں کر پاتا تھا۔

''ابھی تک ویسے کے ویسے ہی ہیں، احمق اور ہونق ٹائپ۔ کشمالہ لوگ آپ کو درست ''اللہ میاں کا پہاڑی بکرا'' کہتی ہیں۔''

وہ بہت متانت مگر سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔ اس کی باتوں میں طنز یا تضحیک کے بجائے صرف حقارت تھی۔

''آپ نے مجھ سے بات کی، میں نے سن لی مگر خدارا کسی اور کے سامنے یہ سب ڈرامہ کرنے کی ضرورت نہیں کہ میں آپ کو اچھی لگتی ہوں اور فیملی لائف وغیرہ وغیرہ..... میری بھی چار لوگوں میں عزت ہے بھئی۔''

رفعت کا انداز گفتگو ہی تھا۔ میٹھا سا، پروقار، اپنائیت بھرا۔ لہجے کو انتہائی مہذب رکھ کر کسی کی ذات کے بخیے ادھیڑنا اگر کوئی فن ہے تو رفعت اس فن میں یکتا تھی۔

''میں تو شکر کر رہی ہوں کہ وہ لوگ یہاں موجود نہیں، ورنہ میرا کتنا ریکارڈ لگتا، کس قدر بے عزتی ہوتی۔ مجھے بتائیے، میرے کس فعل سے آپ کو یہ غلط فہمی لاحق ہوئی کہ میں آپ میں انوالو ہوں۔ میں نے تو شاید سلام دعا کے علاوہ آپ سے کبھی بات بھی نہیں کی۔''

رفعت دنیا جہان کی حیرت چہرے پر پھیلائے کہہ رہی تھی۔

''آپ کا سورس آف انکم کیا ہے، کیا کماتے ہیں آپ، کتنی تنخواہ ہوگی آپ کی۔ کیا اتنی تنخواہ میں آپ ایک ویل آف فیملی کی کسی لڑکی کا خرچا اٹھا سکتے ہیں۔ کیا آپ اس قابل ہیں کہ میرے جیسی لڑکی کی تمام تر خواہشات کو پورا کر سکیں۔ معاف کیجیے گا مہران صاحب! آپ نے کچھ زیادہ کی خواہش کر لی۔ انسان پہلے اپنے آپ کو دیکھے پھر کسی چیز کی چاہ میں مبتلا ہو۔ آپ تو بس ابھی تک اس قابل ہو پائے ہیں کہ بااعتماد طریقے سے کسی مسجد کے امام بن سکیں۔ آپ کو اپنے گاؤں سے یہاں آئے کتنا عرصہ ہو گیا مگر ابھی تک آپ کا ڈریس سینس نہ بہتر ہو سکا۔ آپ کو یہ نہیں پتا چلا کہ جینز، ٹراؤزر اور ٹی شرٹ آخر کس چیز کا نام ہے اور آپ آ گئے مجھے پرپوز کرنے۔ آپ نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میں ایک ناکام شخص..... کسی مولوی ٹائپ شخص سے شادی کے لیے تیار ہو جاؤں گی۔''

رفعت نہایت آرام سے اسے بے عزت کیے چلی جا رہی تھی۔ اس کا انداز چیخنے چلانے والا نہیں تھا۔ بس ایسے جیسے مہران سے کسی اور شخص کے بارے میں بات کر رہی ہو۔

''مجھے آپ کے سامنے یہ سب باتیں کرتے ہوئے خوشی نہیں ہو رہی۔ مجھے یہ بھی احساس ہے کہ میں آپ کو ہرٹ کر رہی ہوں مگر حقیقت پسند ہو کر سوچیے، آپ کو خود ہی پتا چل جائے گا کہ میں صحیح کہہ رہی ہوں یا غلط۔ آپ نے زمانے کا چلن سیکھا ہی نہیں۔ نجانے آپ کی ذات کے ساتھ کیا مسائل لاحق رہے ہیں کہ آپ کو آج کے دور میں طریقے سے موو کرنے کا آرٹ آیا ہی نہیں۔ آپ ایک ناکام شخص ہیں۔ بہت ابتدا میں آپ

کے بارے میں پتا چلا تھا کہ آپ سی ایس ایس کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ہم سب مل کر آپ کے بارے میں بات کیا کرتے تھے تو یہی سوچتے تھے کہ بھلا ایسا شخص جو کسی لڑکی سے سیدھا کھڑے ہو کر آنکھیں اٹھا کر اعتماد سے بات نہیں کرسکتا، وہ سی ایس ایس کیسے کر پائے گا۔چلو تحریری امتحان تو ایک زمانہ کلیئر کر لیتا ہے مگر انٹرویو...... سائیکالوجیکل ٹیسٹ ان سب چیزوں میں آپ جیسے چغد......سوری ٹو سے......کلاس آپ کو ان ہی ناموں سے یاد کرتی ہے......آپ جیسے ناکام شخص کا سی ایس ایس کر لینا کم از کم میرے لیے اس صدی کا معجزہ ہوگا......میں نے شاید ایک دفعہ آپ سے بات بھی کی تھی اس سے متعلق۔ان دنوں کشمالہ وغیرہ آپ کی نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہی تھیں۔میری ان لوگوں سے چپقلش چل رہی تھی۔میں نے آپ کو سمجھانا چاہا تھا کہ وہ لڑکیاں آپ کا غلط استعمال کر رہی ہیں اور آپ......جیسا شخص جو کشمالہ جیسی لڑکی سے چیٹ ہو سکتا ہے، وہ بھلا زندگی میں کامیاب کیسے ہوگا اور آپ چاہتے ہیں کہ میں ایک ناکام شخص سے زندگی بھر کا تعلق جوڑ لوں۔مجھ سے اپنی زندگی کے ساتھ اتنی بڑی زیادتی نہیں ہوگی مہران صاحب!''

وہ اپنے بارے میں سوچ رہی تھی تو کچھ غلط نہیں کر رہی تھی۔سب اپنے اپنے بارے میں سوچتے ہیں۔مہران نے بھی ہمیشہ اپنے بارے میں ہی سوچا تھا جب کسی کے ساتھ بھلائی کی تھی تو پہلے اپنا مفاد دیکھا تھا پھر نیکی کرنے کے بارے میں یہی سوچا تھا۔شاید سب لوگوں کا نیکی کرنے کے بارے میں یہی تصور ہوتا ہے۔

مہران بس سر جھکائے کھڑا تھا۔

''میں آپ کی انسلٹ نہیں کرنا چاہتی۔'' رفعت نے پھر کہنا شروع کیا۔

''آپ کافی کر چکی ہیں۔'' مہران نے سوچا۔پہیے کے نیچے آنا کیسا ہے، یہ پہیے کے نیچے آکر پتا چلتا ہے۔وہ خدیجہ کے سامنے ایسی ہی باتیں کر کے آیا تھا اور اب جب اس کے سامنے اس قسم کی باتیں ہو رہی تھیں تو اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ اس کے بارے میں یہ سب کہا جا رہا ہے۔

''میں نے تو کبھی زندگی میں یہ نہیں سوچا کہ میں کسی سے شادی کروں گی۔آج کل کوئی لڑکی بھی کسی مولانا ٹائپ شخص سے شادی نہیں کرنا چاہتی پھر ایسا شخص......؟'' وہ خود ہی خاموش ہوگئی۔

''کیسا شخص؟'' مہران نے منہ سے کچھ نہیں کہا مگر سوچا ضرور۔

''بہرحال، میں شرمندہ ہوں کہ مجھے آپ کے سامنے یہ باتیں کرنا پڑیں مگر سچ تو یہ ہے کہ سب لوگ ہی آپ کے بارے میں یہی رائے رکھتے ہیں۔میرا صرف اتنا قصور ہے۔کہ میں نے یہ باتیں آپ کے منہ پر کہہ دی ہیں۔مجھ سے منافقت نہیں ہوتی۔میں ایسے لوگوں میں سے نہیں ہوں۔آپ جیسے شخص کے ساتھ لائف کتنی بورنگ ہوگی۔مجھے امید ہے آپ میری صاف گوئی کا برا نہیں مانیں گے۔میں چلتی ہوں، مجھے دیر ہو رہی ہے۔''

اس نے اپنی فائل درست کی، اس پر پڑے کچھ ہینڈ آؤٹ کو دوبارہ فائل میں رکھا اور اپنی پر اعتماد چال چلتی ہوئی نجانے کس سمت چل دی۔مہران میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھتا۔

زندگی میں اتنا کچھ کم ملا تھا کہ اب لفظ ''کمی'' بھی چھوٹا لگنے لگا تھا۔اس نے دھتکارے جانے کی

اذیت پہلے بھی محسوس کی تھی مگر آج یہ اذیت ہر حد کراس کر گئی تھی۔اس کے منہ پر قسمت نے زوردار طمانچہ رسید کیا۔اس طمانچے کی اذیت نے اس کی شخصیت کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

عام لوگوں کے عام دکھ جنہیں کوئی حقیقت نہیں مانتا، مہران وہی دکھ محسوس کر رہا تھا۔ایسے لاوارث دکھ جنہیں کسی کے ساتھ بانٹے بغیر دل کے قبرستانوں میں دفن کرنا پڑتا ہے۔

وہ وہیں کا وہیں بیٹھا رہ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

''تم تو ذرا بھی تبدیل نہیں ہوئے یار مہران علی!'' اس نے گہری تکلیف وہ سانس بھر کر خود کلامی کی تھی۔تکلیف جسمانی ہو تو انسان اتنا درد محسوس نہیں کرتا جتنا روحانی یا ذہنی تکلیف میں محسوس کرنا پڑتا ہے کیونکہ یہ درد آپ کسی سے کہہ نہیں سکتے، کسی کو بتا نہیں سکتے۔درد کے ساتھ تنہائی کی آمیزش ہو تو انسان کے حلق میں بھی آنسوؤں کا ذائقہ اتر آتا ہے۔مہران کے منہ میں بھی تلخی گھل گئی تھی، اس لیے نہیں کہ ایک لڑکی نے اسے دھتکار دیا تھا بلکہ اس لیے کہ اس لڑکی نے اسے اونچے پہاڑ سے نیچے دھکا دے دیا تھا اور وہ اتنی بری طرح سے منہ کے بل گرا تھا کہ چوٹوں کو شمار کرنے جتنی ہمت بھی نہیں تھی۔

''میں آپ جیسے آدمی سے شادی کیسے کر سکتی ہوں جسے ایک زمانہ لطیفہ کہہ کر یاد کرتا ہے...... ڈیپارٹمنٹ کے سب لڑکے آپ کا کتنا مذاق اڑاتے ہیں، آپ کو شاید اندازہ بھی نہیں ہے اور آپ چاہتے ہیں، میں بھی ساری زندگی کے لیے ''مذاق'' بن جاؤں۔میں ''مذاق'' بننا افورڈ ہی نہیں کر سکتی۔''

اس کے ذہن و دل پہ لفظ ہتھوڑے کی طرح برس رہے تھے۔

وہ سیمنٹ کے بینچ پہ بیٹھا تھا یا شاید وہ سیمنٹ کے بنچ سے گر گیا تھا۔ابھی کچھ دیر پہلے اس کے سامنے رفعت آرا بیٹھی اسے لفظوں کے ایسے ہار پھول پہنا گئی تھی کہ جن کا بوجھ اس کی گردن سہار ہی نہیں پا رہی تھی۔

''تم تو ذرا بھی تبدیل نہیں ہوئے یار مہران علی!'' اس نے تھک ہار کر گردن جھکا دی۔نگاہیں مخملی گھاس سے ٹکرائی تھیں۔اس نے خود کو اسی گھاس کا حصہ محسوس کیا۔

وہ کیا تھا......وہ تو کچھ بھی نہیں تھا......اس نے آج پہلی مرتبہ خود کو ایک اگالدان محسوس کیا۔وہ جانتا تھا کہ شخصیت کے ''صفر'' ہو جانے کا دکھ کیا ہے مگر یہ دکھ جس قدر آج تکلیف دہ محسوس ہو رہا تھا، اتنا پہلے کبھی محسوس نہیں ہوا تھا۔اس نے رفعت کے معیار تک پہنچنے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا تھا۔وہ کس قدر تبدیل ہو گیا تھا۔اس نے اپنی شخصیت کو نکھارنے والی کتب کا مطالعہ کیا تھا اور آج سے پہلے اسے لگتا تھا کہ اس نے تو ان کتابوں سے بہت کچھ سیکھ لیا ہے مگر آج اسے احساس ہوا تھا اس نے تو رتی برابر بھی نہیں سیکھا تھا۔

اس کا، اس شخصیت کا بارہا مذاق اڑایا گیا تھا۔اس نے بچپن سے لے کر اب تک بہت لوگوں کے چہرے پر اپنے لیے تحقیر محسوس کی تھی، طنز دیکھا مگر جو چیز اس نے آج رفعت کے چہرے پر دیکھی تھی، وہ تو شاید اس نے پہلے کبھی کسی کے چہرے پر نہیں دیکھی تھی۔

بہت بچپن میں جب سجان اسکول جانا شروع ہوا تو اس کی رنگ برنگی کتابیں مہران کو بہت دلکش لگا کرتی تھیں، وہ انہیں دیکھتا اور خوش ہوتا۔ اس کے اندر وہیں سے پڑھنے لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔

''میں پڑھ لکھ کر بڑا آدمی بنوں گا۔''

وہ اکثر سوچتا تھا اور کسی سے کہہ بھی نہیں پاتا تھا اس نے لفظوں کو اپنے اندر دفن کرنا بہت پہلے سیکھ لیا تھا مگر اس کے صبر نے اسے کیسے دن دکھائے تھے۔ اس کی شخصیت میں کس قدر کمزوریاں تھیں۔ وہ تو کسی قابل نہیں تھا اور یہ باتیں اسے رفعت آرا نے بتائی تھیں۔

وہ ایک مصور کی تصویر تھا جسے غلطیوں کی نشاندہی کرنے کے لیے چوک میں لٹکا دیا گیا تھا اور پھر زمانے بھر نے مل جل کر غلطیوں کی نشاندہی کی تھی مگر کوئی اس کی غلطی سدھار نہیں سکتا تھا۔

وہ اپنی طرف سے کسی کو آئینہ دکھا کر آیا تھا اور کوئی اسے بھی آئینہ دکھا گیا تھا۔ وہ بڑبڑا رہا تھا۔

'' بکل مارکہ...... سودائن...... احمق...... بونگی...... لطیفہ...... تماشا...... پھٹیچر...... بمقابلہ...... فضول...... مولوی...... ابوالہول...... پاجی...... گھامڑ...... مولانا...... دہشت گرد...... ڈرامہ'' وہ لمحہ بھر کو رکا۔

''مہران علی بمقابلہ خدیجتہ الکبریٰ۔ اف میرے خدا...... یہ ہے میری حقیقت...... یہ ہوں میں۔''

قسمت کی لڑائی میں آپ کا مقابلہ کس کے ساتھ ہے آپ کو نہیں پتا ہوتا اور المیہ یہ ہے کہ اس مقابلے میں آپ جو جیتتے ہیں، آپ کو اس کا بھی پتا نہیں ہوتا،

''میں خود کو کیا سمجھتا تھا اور میں کیا نکلا۔''

اس نے خود اذیتی کی انتہائی اونچی اسٹیج پر خود کو پایا۔

ہم دیکھیں گے
لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے
ہم دیکھیں گے

تھپڑ کیا ہے، یہ ہاتھ نہیں جانتا تھپڑ کیا ہے! یہ صرف گال جانتا ہے۔ اس نے جب کسی کی ذات پر تضحیک آمیز طمانچے لگائے تھے، تب وہ ماؤنٹ ایورسٹ جتنے اونچے پیڈسٹل پر کھڑا تھا اور جب یہ طمانچے اس کے اپنے رخساروں پر پڑے تھے تو ہوش ٹھکانے آ گئے تھے۔

''میں آج یہ باتیں کس کے ساتھ شیئر کروں آج تو یہ اندر دفن نہ ہو پائیں گی...... اے اللہ......''

وہ بے اختیار بولا تھا۔

اس نے اس لمحہ خود کو دنیا کا کمزور ترین انسان محسوس کیا۔ وہ کس زعم میں مبتلا رہا تھا۔

''ہم دونوں ایک جیسے ہیں۔''

خدیجہ نے اس سے ایک بار کہا تھا اور تب وہ دل ہی دل میں خوب ہنسا تھا۔

''میں تمہارے جیسا ہو ہی نہیں سکتا۔'' اس نے یہ بات خود سے کہی تھی اور تب اسے قطعاً احساس نہیں

ہوا تھا کہ وہ بھی خدیجہ جیسے انسانوں کی فہرست میں آتا ہے، جنہیں ان کے حالات دوسروں کی نظر میں ''تماشا'' بنا دیتے ہیں مگر انہیں خود خبر ہی نہیں ہوتی۔

زمانے کو تماشے کی طلب تھی
تماشے کو زمانہ چاہیے تھا
میری تقدیر جب لکھی گئی تھی
مجھے موجود ہونا چاہیے تھا

اس کے سامنے کئی بھید کھل گئے تھے، کئی راز آشکار ہوئے تھے۔ وہ ان انسانوں میں سے تھا جنہیں خود اپنے بارے میں بہت دیر سے خبر ہوتی ہے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں تھے، اس نے پہلے بھی بہت دفعہ ایسے دکھ محسوس کیے تھے۔ فقط آج اتنا ہوا تھا کہ ہمت ڈھے گئی تھی۔ ہر بار ناکامی اسے پمپ کرتی آئی تھی مگر آج کی ناکامی نے اس کے حوصلوں کو سبوتاژ کر دیا تھا۔

وہ بوجھل دل سے اٹھ کر باہر کی سمت چل دیا۔ اس کے پاؤں میں سکت نہیں تھی مگر اسے چلنا تو تھا۔

''رفعت غصہ کرے گی...... بھڑک اٹھے گی...... اسے یہ بات اچھی نہیں لگے گی...... تم نہیں سمجھو گے مہران علی...... تم سمجھ ہی نہیں سکتے۔''

اس کے ذہن میں خدیجہ کے الفاظ گونجے۔ وہ اسے یہی سب تو بتانا چاہ رہی تھی۔ وہ تو رفعت کو زیادہ بہتر جانتی تھی، اس کو رفعت کی خوبیوں، خامیوں کے متعلق اچھی طرح سے پتا تھا مگر مہران کو دکھ نہ دینے کے خیال سے وہ کس قدر مبہم اور ڈھکے چھپے الفاظ میں بات کر رہی تھی۔ وہ اس لیے جھجک جھجک کر بات کر رہی تھی اور مہران نے اس کی جھجک کے کس قدر غلط معنی لیے تھے۔ وہ اسے بے نقط سنا آیا تھا اور اس نے بھی کتنے آرام سے سب باتیں سن لی تھیں۔

''تم کتنی اچھی ہو خدیجہ...... کاش......''

وہ تقریباً کراہ کر بولا تھا۔

اصل نے اصل کو پہچانا تھا۔

وہ IER سے نکل کر ہسٹری ڈیپارٹمنٹ کے مین داخلی دروازے کے قریب تھا جب اس نے وہی بکل، وہی چادر، وہی چال دیکھی جسے تماشا قرار دیا جا چکا تھا۔ اس نے قدموں کی رفتار کم کر دی۔ وہ اب اس تماشے کا سامنا کیا کرتا۔ تماشا بھلا تماشے سے مل کر کیا کرے گا اس نے دکھی دل سے سوچا۔ اس نے کسی کی شخصیت کا زعم توڑا تھا اور چند لمحوں بعد اس کی شخصیت کا زعم توڑ دیا گیا تھا۔

اسی لمحے خدیجہ نے پلٹ کر دیکھا اور چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ مسکراہٹ، احمقانہ شرارتی انداز، اپنائیت کے بجائے لاتعلقی، اجنبیت، بیگانگی وہ اس کی طرف خالی خالی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ ذرا سا تیز چل کر اس کے قریب پہنچ گیا۔ وہ اسے معافی تو مانگ ہی سکتا تھا۔ اس کے دل کو سکون مل جاتا۔

''جمی کی بہن کی اگلے جمعہ کو منگنی ہے...... وہ لوگ بس استخارے کے انتظار میں تھے۔''

اس نے مہران کو اپنے قریب دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ لوگ جو اپنے دکھ اپنے اندر دفن کر کے مسکراتے ہیں، وہ تماشا نہیں ہو سکتے۔

''تماشا تو میں ہوں خدیجہ!''

مہران نے دل میں سوچا۔ وہ دونوں ایک ساتھ چلنے لگے تھے۔ سیمنٹ کی لمبی سڑک کے بعد مین روڈ تھا جس کے بعد انہیں الگ ہو جانا تھا۔

''میں تم سے کیسے معافی مانگوں خدیجہ! میں قابل معافی نہیں ہوں۔'' وہ اب بھی صرف سوچ سکا۔

مہران......! تمہیں میرے بارے میں کچھ غلط فہمی ہوئی ہے...... دراصل میں...... سب جانتی ہوں...... میں کیا ہوں، کیسی ہوں...... یہ سب لوگ میرے بارے میں کیا سوچتے ہیں...... مجھے کیا سمجھتے ہیں...... مگر...... میں ان سب کو چھوڑ نہیں سکتی...... میں نے ان کو چھوڑ دیا تو میں کہاں جاؤں گی...... میرے اردگرد بہت سناٹا ہے...... بہت خاموشی ہے...... اس خاموشی کو ختم کرنے کے لیے...... میں نے خود کو لطیفہ بنا لیا، مجھے بھی ایسا کر کے خوشی نہیں ہوئی تھی مہران...... مگر اس طرح نہ کرتی تو پھر ایسا کیا کرتی کہ...... میں اہم ہو جاتی...... کم از کم اتنا اہم ہو جاتی کہ میرے اردگرد رہنے والوں میں سے کوئی تو میرے بارے میں سوچتا...... میری اہمیت محسوس کرتا...... جمی، سلیم، غفار، حفیظ، طٰہٰ، روبی، تم رفعت، عائشہ سمیرا...... سب لوگ۔ میں نے تو صرف آوازوں سے قربت پیدا کرنے کے لیے اتنے رابطے بنا رکھے ہیں مہران...... مگر......''

وہ بہت دھیمی آواز میں باتیں کر رہی تھی مگر مہران کی تمام تر حسیات اس کی جانب تھیں، سو وہ سب سن رہا تھا، سمجھ رہا تھا

''میرا یقین کرو مہران! میں نے ایسا کچھ نہیں سوچا...... کبھی بھی نہیں...... عرصہ ہوا میں نے اپنے بارے میں سوچنا ہی چھوڑ دیا۔''

وہ پہلے سے بھی زیادہ دھیمے لہجے میں بولی۔ مہران کا دل چاہا، اپنے پاؤں سے جوتا اتارے اور اپنے سر پر مارنا شروع کر دے۔ اس کو کیا حق تھا کسی کی شخصیت پہ پڑے پردوں کو اس طرح اتار کر اس کی شخصیت کو عیاں کر دینے کا۔

اس نے خدیجہ کی جانب دیکھا۔

''ہم دونوں ایک جیسے ہیں۔'' اس کے ذہن میں خدیجہ کی کہی گئی بات ناچنے لگی تھی۔

''ہاں ہم دونوں تو ایک جیسے ہیں...... میڈیکور...... زمانے کے ستائے ہوئے...... عام ترین انسان...... اسی لیے ہمیں کبھی ایک دوسرے کے سامنے دکھڑے روتے ہوئے شرم نہیں آئی۔ ہم دونوں تو ایک جیسے ہیں۔''

اس نے سوچا تھا اور پھر سے خدیجہ کی جانب دیکھا۔

''اے کاش! میں کچھ ایسا کر سکتا کہ میرے کہے الفاظ واپس لوٹائے جا سکتے۔''

وہ سر جھکا کر چلنے لگا، ابھی مین گیٹ آ جانا تھا اور شاید وہ اس سے کبھی نہ ملتا۔ کبھی نہ ملنے کے خیال نے اس کو چونکا دیا تھا۔ وہ خدیجہ سے اکثر اوقات ملتے رہنا چاہتا تھا۔ اسے خدیجہ کی موجودگی میں کتھارسس میں آسانی ہوتی تھی۔ وہ خود بخود اس کے اندر کے احساسات کو اگلوا لیتی تھی، ورنہ اس نے زندگی میں کبھی پہلے اپنے بارے میں کسی سے ایسے بات نہیں کی تھی۔ اسے لگتا تھا، وہ خدیجہ کے سامنے کھلی کتاب کی طرح ہو چکا ہے۔

''میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا خدیجہ!'' اس نے پھر دکھی دل سے اندر ہی اندر دعا کی۔

''مجھے...... مجھے لگتا ہے، تم ہی میری اولین اور آخری ضرورت ہو۔'' اس نے پھر خود سے کہا تھا۔

''تم نے مجھ سے کچھ کہا؟'' خدیجہ نے چونک کر پوچھا۔

''نہیں...... نہیں تو......'' وہ گڑبڑا کر بولا۔ ابھی ''اعتراف'' نوزائیدہ تھا، اسے گبھرو جوان بننے میں ٹائم چاہیے تھا لیکن مہران کے پاس تو ضائع کرنے کے لیے ایک لمحہ بھی نہیں تھا۔

''اعتراف نوزائیدہ مگر کبھی تو جوان ہوگا۔'' کوئی اس کے اندر ڈپٹ کر بولا تھا۔ مہران نے سر تسلیم خم کیا۔ اس نے کہیں پڑھا تھا۔

''محبت ایک ایسی کمینی چیز ہے جو اپنے اختتام تک بھی اپنی ابتدا کی خبر نہیں دیتی۔''

وہ جانتا تھا محبت کی انتہا نہیں مگر شکل ضرور ہے اسے محبت خدیجہ کی شکل میں نظر آ گئی تھی۔

''رفعت فقط منزل تک پہنچانے والا راستہ تھا، فقط راستہ۔''

اس نے سوچا۔ خدیجہ کی خاموشی اسے کھٹک رہی تھی۔ وہ اس سے معافی مانگنے کے طریقے سوچ رہا تھا۔

''آج سال کا چوتھا مہینہ بھی شروع ہو گیا۔ یار سال کتنی جلدی گزر جاتے ہیں۔''

ان دونوں کے پیچھے آنے والے دولڑکے آپس میں نجانے کون سا ٹاپک ڈسکس کر رہے تھے مگر مہران کے ذہن میں ''سال کا چوتھا مہینہ'' اٹک کر رہ گیا تھا۔ وہ خدیجہ کی ذات کا غرور نہیں لوٹا سکتا تھا مگر وہ اسے عزت دینا چاہتا تھا وہ عزت جو اس کا حق تھا؟ مہران ''چوتھے مہینے'' کا خوبصورت استعمال کر کے اسے جائز بنا سکتا تھا۔

''تم سچ مچ پاگل ہو خدیجہ...... اتنی لمبی تقریر کی...... اتنا بولیں...... پھر بھی سمجھ نہیں پائیں...... میں نے اتنی جھوٹی بکواس کی...... تمہیں تنگ کرنے کو کتنا بھلا برا بولا...... مگر تم قسم سے نکمی ہو...... آج کیا تاریخ ہے بھلا؟''

وہ کہتے کہتے رکا اور پھر اس کی شکل دیکھنے لگا۔

''یکم اپریل۔'' خدیجہ بے یقینی سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

''یکم اپریل...... یعنی All fools`s day سمجھیں'' مہران نے فوراً سے پیشتر کہا۔

''میں تمہارے ساتھ مذاق کر رہا تھا All fools`s day کے موقع پر میں تمہیں تنگ کرنا چاہتا تھا، صرف اس لیے...... ورنہ تم مجھے جانتی ہو...... مجھے ایسی باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں...... میں نے سوچا، آج یکم اپریل ہے، آج خدیجہ کو فول بناؤ یار! بس پھر ہم باتوں باتوں میں پتا نہیں ایک دوسرے کو کیا کہہ گئے۔ میرا مقصد

تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا...... قسم سے خدیجہ! میں سچ کہہ رہا ہوں۔ اللہ کی قسم...... میں تو صرف تمہیں فول بنا رہا تھا۔ میرا یقین کرو۔"

وہ جذباتی ہو کر بولا۔ خدیجہ نے ایک لمحے میں ہی یقین کر لیا تھا۔ شاید اسے بے وجہ گندم چھان چھان کر پتھر نکالنے کی عادت نہیں تھی۔

"وہی تو میں سوچ رہی تھی مہران......! تم تو میرے اتنے اچھے دوست ہو، تم اس طرح سے وہ سب کیسے کہہ سکتے ہو...... شکر ہے تم مجھے فول بنا رہے تھے...... شکر ہے۔"

وہ خوش ہو کر "فول" بنائے جانے پر شکر ادا کر رہی تھی۔ مہران مسکرا دیا۔ اس کے سینے پر سے بھاری پتھر ہٹ گیا تھا۔ وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔

"ویسے تم پکے مولوی بنے پھرتے ہو اور کام کرتے ہو انگریزوں والے...... توبہ! تم نے تو میری جان نکال دی تھی۔"

وہ سادہ سے لہجے میں بولی۔ اس کے ہر انداز سے خوشی چھلک رہی تھی۔ مہران کو اسے دوبارہ سے اس روپ میں دیکھنا اچھا لگا۔

عام لوگ...... عام دکھ...... عام خوشیاں...... عام زندگی...... زندگی کا حسن ہی دراصل "عام" ہونے میں ہے۔ مہران دل میں فیصلہ کر چکا تھا مگر اسے اب سابقہ کی طرح فیصلہ سنانے کی جلدی نہیں تھی۔ وہ خدیجہ کو کل، پرسوں یا اس کے بھی بعد بتا سکتا تھا کہ وہ اس کے لیے کس قدر اہم ہو چکی ہے۔ آج اتنا ہی کافی تھا کہ خدیجہ نے اسے معاف کر دیا تھا۔

اسے خدیجہ کے لیے کامیاب ہونا تھا۔ اسے ثابت کرنا تھا کہ ناکام لوگ مل کر کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ ہر ناکامی آپ کو کسی نئی کامیابی کے در پر لا کھڑا کرتی ہے۔ کم از کم مہران کے ساتھ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا اس نے مین گیٹ سے نکلتے ہوئے خدیجہ کی جانب دیکھا۔

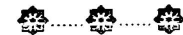
یہاں سے ان دونوں کو الگ الگ روٹ کی وین پکڑنی تھی مگر جلد ان کی منزل ایک ہو جاتی۔

"کل ملو گے نا؟" خدیجہ نے اپنی وین کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"کل ہی نہیں...... ہمیشہ ملوں گا۔" وہ بشاشت سے مسکرا کر بولا۔

"ایک جیسے بول ایک دوسرے کو دفع کرتے ہیں مگر ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔"

اس نے سوچا تھا اور پھر ہنستے ہوئے اپنی وین کی جانب بڑھ گیا۔



سورج کب رکا ہے

ماریانا نے اپنی بھدی آواز میں ایک خوبصورت نمبر گنگنانے کی ناکام کوشش کی۔

not alone I am with you

You are

برنی نے اس کے بے سرے انداز پر خفگی سے اس کی طرف دیکھا پھر اسے ٹوکنے کے لیے مناسب الفاظ ڈھونڈنے لگا مگر پھر کچھ سوچ کر خاموش ہو رہا۔ کچھ روز پہلے اندھی محبت کے کسی انجان لمحے میں اس نے ماریانا کے سریلے لہجے کی تعریف کر دی تھی؛ جس کی سزا اسے اس صورت ملی تھی کہ ماریانا ہر پندرہ منٹ بعد اپنا ٹریک تبدیل کر کے کوئی نیا گانا منتخب کرتی اور پھر اس کی مٹی پلید کرنا شروع کر دیتی۔ ماریانا کی ٹرانسمشن میں چھوٹا سا وقفہ آیا تو برنی نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑے اپنی گولڈن براؤن زلفوں کو فولڈ کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ ہر کوشش میں فولڈنگ ہیئر برش کو اپنے بالوں میں پھنسا لیتی اور پھر اسے نکالنے کے چکر میں بالوں کو مزید الجھا لیتی جس کے نتیجے میں اس کے خوبصورت بال گھونسلا دکھائی دینے لگے تھے۔ اگرچہ اب بھی ہلکے رنگ کے گاؤن میں اس کا حسین وجود آنکھوں کو خیرہ کر رہا تھا مگر اس کے باوجود برنی کا دل اس حسین مومی مجسمے سے اچاٹ ہو چکا تھا۔ اور وہ دل میں اس کے لیے صرف بیزاری محسوس کر رہا تھا۔

"تم بہت بدسلیقہ ہو میری!" اس نے ناک سکیڑ کر ماریانا سے کہا۔

"ٹھیک بالکل ٹھیک۔" ماریانا نے محبت بھرے مگر مصنوعی انداز میں کہا۔ برنی کی بات سے انکار کر کے وہ اس کی گڈ بک سے نکلنا نہیں چاہتی تھی۔ ابھی اسے مالی طور پر مستحکم برنی کی بہت ضرورت تھی اس کی بات سن کر برنی نے اور بھی برا سا منہ بنایا اور چپ چاپ سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو گیا۔

"آخر یہ میری کسی بات کی تردید کیوں نہیں کرتی۔" اس نے جل کر سوچا۔ تردید کی صورت میں جھگڑا

یقینی تھا اور جھگڑے کے بعد ان کے اکٹھے رہنے کا کوئی جواز باقی نہ رہتا۔ برنی یہی سب چاہتا تھا۔ مگر ماریانا اس کے اندازوں سے بڑھ کر چالاک ثابت ہو رہی تھی۔

''سو ماریانا! آخر تم سے کیسے چھٹکارا حاصل کیا جائے؟۔''

اس نے اس کی پشت کی طرف گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے سوچا۔ وہ خود بھی سمجھ نہیں پارہا تھا کہ آخر وہ اسے اتنی بری کیوں لگنے لگی ہے۔ کل رات تک تو سب ٹھیک تھا۔ وہ دونوں خاصی دیر تک باہر گھومتے رہے تھے۔ حالانکہ برنی کا موڈ نہیں تھا مگر ماریانا واپس اسپین جانے سے پہلے مین ڈاؤننگ اسٹریٹ سے لے کر ہائیڈ پارک تک ہر جگہ جانا چاہتی تھی پھر ان دونوں نے ایک انڈین ریسٹورنٹ سے کھانا کھایا تھا اور اسی دوران کوئی ایسی بات ہوئی تھی۔ جس نے برنی کے دل میں ماریانا کے لیے بے زاری پیدا کردی تھی۔ یہ اس کے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اس نے اپنی ہر سابقہ گرل فرینڈ سے اسی بیزاری کے تحت تعلق توڑا تھا اور یہ بیزاری اس کے دل میں تب ہی جنم لیتی تھی جب اپنی دسترس میں موجود لڑکی سے زیادہ حسین لڑکی دکھائی دیتی تھی۔ ماریانا سے اس کی ملاقات اچانک ہوئی تھی۔

وہ اسے اسپین میں ملی تھی۔ وہ وہاں گیا تو ایک نیپالی لڑکی کے ساتھ تھا مگر اس لڑکی کو وہاں اپنا ایک ہم وطن مل گیا۔ وہ دونوں کچھ اس طرح سے ایک دوسرے میں انوالو ہوئے کہ شادی کے متعلق سوچنے لگے۔ سو برنی نے اپنی راہ الگ کرلی پھر اسے ایلا ملی جو برطانوی ہی تھی مگر اس کے چوڑے دہانے اور بدنما دانتوں نے برنی کو بہت جلد تعلق توڑنے پر مجبور کردیا۔ تب اسے ماریانا ملی۔

وہ الحمرا کے باہر سیاہ رنگ کے بے حد خوبصورت لباس میں ملبوس تھی۔ اس کے نقوش سے پہلی ہی نظر میں اس کے ہسپانوی ہونے کا پتا لگ رہا تھا۔ برنی اپنے مقامی گائیڈ سے لڑنے جھگڑنے کے بعد خاصا پچھتا رہا تھا کیونکہ الحمرا اسے کچھ ایسا قابل دید نہیں محسوس ہوا تھا اور وہ بے خبر تھا کہ واپس ہوٹل تک کس طرح جائے۔ ماریانا نے خود کو ایک گائیڈ کے طور پر متعارف کروا کر اپنی خدمات پیش کیں جو برنی نے دل وجان سے قبول کرلی تھیں۔

پھر وہ اکٹھے الحمرا کی عمارت میں داخل ہوئے تھے اور اکٹھے ہی باہر آئے مگر اس بار ان کے درمیان رشتوں کی نوعیت بدل چکی تھی۔ اب وہ گائیڈ اور سیاح نہیں بلکہ دوست بن چکے تھے اور یہ دوستی دو ماہ سے خاصی کامیابی سے آگے کا سفر کررہی تھی کہ برنی کو کوئی اور چاند چہرہ نظر آگیا۔ اسے خود پر بھی غصہ آرہا تھا کہ آخر وہ ماریانا کو اپنے ساتھ انگلینڈ کیوں لے آیا انگلینڈ آنے کے بعد ماریانا اس کے ساتھ کسی جونک کی طرح چمٹ گئی تھی جس سے چھٹکارا برنی کو ناممکنات میں سے نظر آرہا تھا۔ اس کے دل میں ماریانا کے لیے بیزاری بڑھتی چلی جارہی تھی۔

''ایسا تو ہونا ہی تھا۔ آخر میں اس کو مزید کتنا عرصہ برداشت کرتا۔'' اس نے سوچا اسی لمحے ماریانا کو احساس ہوا کہ برنی صبح سے کچھ اکتایا اکتایا سا نظر آتا ہے۔

''کوئی پریشانی ہے ہنی!'' اس نے بے ہودگی سے اس کے اوپر جھکتے ہوئے سوال کیا۔

''قطعی نہیں۔ تم دور ہٹ کر اپنا سنگھار مکمل کرسکتی ہو۔'' وہ اسے پرے دھکیلتے ہوئے بولا۔ ماریانا کو اس بے اعتنائی سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ اس نے ڈریسنگ ٹیبل پر پڑا جوس کا گلاس اٹھا کر چسکیاں لینی شروع کر

دی تھی۔

''ماریانا تم کسی نری Nunnery جاکر نن بننے کی تربیت کیوں نہیں لیتیں۔'' وہ کھوئے ہوئے انداز میں کہنے لگا پھر اس کا جواب سنے بغیر بولا۔

''نن کے سفید لباس میں تم بہت مکمل اور بہت پاکیزہ دکھائی دو گی۔''

اس کا یہ عجیب وغریب مشورہ سن کر ماریانا کے چہرے کے تاثرات کچھ اس قسم کے ہوگئے جیسے کہہ رہی ہو۔ ''مسٹر برنی! کیا تم پاگل ہوگئے ہو؟'' کچھ لمحے اس کی طرف ایسی ہی نگاہوں سے دیکھتی رہی پھر چپ چاپ واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

''نہیں ماریانا! تم اب سفید لباس میں بھی پاکیزہ نہیں لگ سکتیں۔''

وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔ واش روم سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی۔ یقیناً وہ شاور لے رہی تھی۔

وہ کچھ لمحے دروازے کی طرف دیکھتا رہا پھر اس نے دل ہی دل میں حتمی فیصلہ کیا تھا۔ وہ موبائل پر کوئی نمبر پش کرنے کے بعد بات کرتا رہا پھر اس نے لباس تبدیل کیا۔ بال بنانے پر فیوم اسپرے کرنے کے بعد وہ اس اپارٹمنٹ کو چھوڑنے کے لیے بالکل تیار تھا لیکن اس سے پہلے اسے ماریانا کو فارغ کرنا تھا۔ وہ سابقہ پوزیشن میں بیٹھ کر ماریانا کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔

کچھ لمحے انتظار کے بعد وہ آگئی اور اب پہلے سے بھی زیادہ خطرناک لباس میں تھی اس کے جسم پر پانی کے ننھے ننھے قطرے چمک رہے تھے مگر برنی کو ان میں کوئی کشش محسوس نہیں ہوئی۔

''ماریانا! تمہاری ماں کا فون آیا تھا وہ تم سے ملنے کے لیے بہت بے چین ہے۔ میرا خیال ہے تمہیں اس سے ملنے کے لیے آج ہی واپس اسپین چلے جانا چاہیے۔''

وہ بہت مطمئن انداز میں کہنے لگا۔ ماریانا کو اس کی بیزاری کی وجہ سمجھ میں آچکی تھی۔ اس نے برنی کو یہ بتانے کی کوشش نہیں کی کہ اس کی ماں اس کے بچپن میں ہی مرگئی تھی۔ اس کے برعکس وہ کہنے لگی۔

''وہ سب تو ٹھیک ہے مگر مجھے ابھی ممی کے لیے شاپنگ کرنی ہے گفٹ خریدنا ہے۔'' اس کا اطمینان قابل دید اور قابل داد تھا۔ برنی اس کی بات سن کر مسکرایا جیسے کہہ رہا ہو۔

''میں پہلے ہی جانتا تھا۔''

''ٹھیک ہے تم یہ سب شام سے پہلے مکمل کرلو کیونکہ میں شام کے لیے تمہاری بکنگ کرواچکا ہوں۔''

اس نے خاصی سرد مہری سے کہا۔

اس کے بعد اس نے والٹ کھول کر تمام کرنسی نوٹ نکالے اور بغیر گنے ماریانا کے قدموں کے قریب پھینک دیے۔ والٹ کو دوبارہ پاکٹ میں رکھنے کے بعد وہ جانے کے لیے تیار تھا لیکن اس سے پہلے وہ ماریانا سے اپارٹمنٹ کی چابی لینا نہیں بھولا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ بے حد پریشان تھی۔ یقیناً اس جیسی لڑکی کے لیے یہ بات پریشان کن تھی۔ اتنے بڑے شہر میں کوئی

بھی ایسا نہیں تھا جسے وہ اپنا کہہ سکتی اور اپنی پریشانی شیئر کرسکتی۔ چار ماہ پہلے وہ بیاہ کر پاکستان سے یہاں آئی تھی۔ کمال اس کا شوہر پچھلے پانچ سال سے یہاں مقیم تھا اور فاطین کے گھر والوں کے لیے یہی بات کافی تھی۔ انہوں نے بغیر کسی چھان بین کے اپنی بیٹی کا ہاتھ اس شخص کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔

فاطین کے ساتھ وہی ہوا تھا جو اس قسم کی شادیوں کے نتیجے میں اکثر ہوتا ہے۔ کمال بلا کا نکھٹو آرام پسند اور کرپٹ قسم کا انسان تھا۔ شراب اور شباب یہی دو چیزیں تھیں جو کمال کی زندگی کا بنیادی مقصد تھیں اور ان ہی دو چیزوں کے لیے وہ پاکستان سے فاطین جیسی بدھو لڑکی کو بیاہ کر لایا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ فاطین کا مزاج اپنے شوہر سے بالکل بھی مل نہیں پایا تھا۔

پچھلے چار ماہ کی رفاقت میں وہ یہ بات بخوبی سمجھ چکی تھی کہ کمال کے نزدیک ہر بات چھوڑو، رہنے دو، بھول جاؤ، دفع کرو کے سوا کچھ نہیں۔ خواہ یہ اس کا اپنا مسئلہ ہو یا کسی اور کا وہ ہر بات کو یونہی چٹکیوں میں اڑا دیا کرتا ہے۔

فاطین کو یہ خدشہ بھی تھا کہ کمال اس کی پریشانی سے آگاہ ہونے کے بعد اس کا مذاق اڑائے گا اسے جی بھر کے طعنے دے گا اور پھر تہمت لگانے سے بھی باز نہیں رہے گا۔ اس صورت میں بات پاکستان اس کی فیملی تک بھی پہنچ سکتی تھی جو فاطین کو قطعاً منظور نہیں تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ اس مسئلے کو کس طرح حل کرے۔ اس نے بہت دن بعد بہت دل سے حسن بھائی کو یاد کیا تھا جو تھے تو اس کے کزن مگر بالکل دوست کی طرح وہ اس کے مسائل حل کر دیا کرتے تھے۔ اسے یقین تھا کہ اگر اس کی شادی کے وقت آسٹریلیا میں نہ ہوتے تو یقیناً اس کی زندگی آج سے بہت مختلف ہوتی۔ وہ یہاں کمال جیسے شوہر کے ساتھ زندگی گزارنے کے بجائے پاکستان میں ایک مطمئن زندگی گزار رہی ہوتی۔ یہاں اس کا کوئی بھی ایسا خاص واقف کار نہیں تھا جسے دوست کا نام دے کر وہ اپنا دل ہلکا کر لیتی۔ لے دے کر ایک سجاتا ورما تھی جس کے ساتھ اس کی تھوڑی بہت ہیلو ہائے تھی لیکن وہ انڈین تھی اور فاطین کے ذہن میں یہ خیال بہت پختہ تھا کہ انڈین خاص قابل بھروسا نہیں ہوتے۔ اس کی فیلو ورکر میں بیشتر خواتین کا تعلق انڈیا سے تھا۔ اس سے پہلے وہ ایک ڈپارٹمنٹل اسٹور پر بطور سیلز گرل کام کر رہی تھی اور اپنی جاب سے خاصی مطمئن بھی تھی مگر کمال کی اس اسٹور کے مالک سے سیلری پیکج پر خاصی گرما گرم بحث کے نتیجے میں اسے اس جاب سے ہاتھ دھونا پڑے تھے۔

پھر کمال کی کوششوں سے اسے ایک انڈین ریسٹورنٹ میں ویٹرس کی جاب مل گئی تھی۔ اسے یہاں کام کرتے ہوئے ابھی ڈیڑھ ماہ ہی ہوئے تھے۔ بے حد وقت کے بعد وہ اس جاب کے مزاج کو سمجھ پائی تھی۔ یہ کام کرتے ہوئے عزت نفس کو خاصی ٹھوکروں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ کسٹمر کے اشارے پر دوڑ کر جانا آرڈر لینا سرو کرنا پھر بل وصول کرنا اور سب سے آخر میں زیادہ ٹپ لینے کی خاطر بے وجہ مسکراتے رہنا اور بے تکے سوالوں کے جواب دینا یہ سب اسے قطعی ناپسند تھا لیکن کمال کو ان سب باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اسے یہ سب پسند تھا۔ اور شادی کے بعد بہت سی دوسری باتوں کے ساتھ فاطین یہ بھی سیکھ گئی تھی کہ کبھی کبھی آپ کو وہ کام بھی کرنے پڑتے ہیں جو آپ کو پسند نہیں ہوتے مگر یہ کام ان لوگوں کو پسند ہوتے ہیں جنہیں آپ ناپسند کرنے کے

باوجود ان کے ساتھ رہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ ایسے میں کوئی دوسرا راستہ نہیں ہوتا۔

وہ جانتی تھی کہ اس کے پاس بھی کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ اس کا تعلق نچلے طبقے سے تھا اور وہ اپنی کلاس کے مسائل سے بخوبی آگاہ تھی۔

فاطین کا مسئلہ یہ تھا کہ اس نے ماں باپ کی وجہ سے تب شادی کی تھی جب وہ ایسا نہیں کرنا چاہتی تھی اور اب ماں باپ ہی کی وجہ سے وہ طلاق نہیں لے سکتی تھی۔ حالانکہ وہ دل سے ایسا کرنا چاہتی تھی۔ لیکن اس وقت اصل مسئلہ اس کا اور کمال کا تعلق نہیں تھا بلکہ مسئلے کا تعلق ایک تیسرے شخص سے تھا جسے فاطین سرے سے جانتی نہیں تھی۔

☆ ☆ ☆

اس نے تمام ہال میں نظر دوڑائی تھی مگر مطلوبہ چہرہ اسے اب بھی نظر نہیں آیا تھا۔ آج مسلسل پانچواں دن تھا اسے یہاں سے نامراد لوٹتے ہوئے لیکن پھر بھی وہ مایوس نہیں تھا۔ وہ کبھی بھی مایوس نہیں ہوتا تھا۔ یہ چیز گویا اس کی فطرت میں ہی نہیں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اسے زندگی میں ناکامی کا منہ بہت ہی کم دیکھنا پڑا تھا۔

اس نے بہت مطمئن و بہت آسودہ زندگی گزاری تھی ہر چیز حسب منشا حاصل کی تھی۔ شادی کے بارے میں اس کے خیالات باقی یورپینز جیسے ہی تھے۔ وہ اپنی زندگی کو شادی جیسا فل اسٹاپ لگا کر ختم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کی بتیسویں سالگرہ گرل فرینڈز کے ساتھ ہی گزری تھی۔ لڑکیوں کا حصول اس کے لیے کبھی مسئلہ نہیں رہا تھا۔ وہ مائیکروسافٹ انجنیئر تھا پھر اس کو اپنے نانا کی طرف سے ٹھیک ٹھاک دولت ملی تھی۔

ماریانا کو رخصت کرنے کے بعد وہ بہت دن سے اکیلا رہ رہا تھا۔ اور اس بات کو بھی اب خاصے دن گزر چکے تھے۔ یہ اس کے ساتھ پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ اتنے ڈھیر سارے دن بغیر کسی گرل فرینڈز کے گزرے ہوں اس کی وجہ دراصل وہ ویٹرس تھی جو اسے انڈین ریسٹورنٹ میں ملی تھی۔ جب وہ اور ماریانا ڈنر کے لیے وہاں گئے تھے۔

برنی نے پہلی بار اسے دیکھا تو دیکھتا رہ گیا تھا۔ اس نے اسی روز ماریانا کو واپسی کا رستہ دکھا دیا تھا۔ اس کے فوراً بعد وہ ریسٹورنٹ آیا تھا مگر وہ ویٹرس نظر نہیں آئی تھی۔ وہ اس روز آف ہو چکی تھی۔ اگلے روز برنی جان بوجھ کر وہاں نہیں گیا تھا۔ تاکہ اپنے دل میں اس کے لیے موجود جذبات کی شدت کو جانچ سکے۔ تیسرے روز بھی وہ خود کو سمجھاتا رہا تھا کہ مجھے آج نہیں جانا مگر جانے کیسے وہ خود بخود کسی غیر مرئی قوت کے زیر اثر وہاں پہنچ گیا تھا۔ آفس سے وہ گھر جانے کے لیے ہی نکلا تھا۔ اس نے کیتھی کو ڈنر کے لیے انوائٹ بھی کر لیا تھا مگر پتا نہیں کیسے وہ گھر جانے کے بجائے اسی ریسٹورنٹ میں پہنچ گیا۔

اسی روز پہلی مرتبہ اس نے اس ویٹرس سے بات کی تھی۔ اگرچہ وہ گفتگو اتنی خوشگوار نہیں تھی مگر اس تلخ گفتگو نے بھی برنی کے موڈ کو خاصا خوشگوار کر دیا تھا۔ اس کے کافی کے آرڈر کے جواب میں وہ سات منٹ میں ہی کافی لے کر حاضر ہو گئی تھی۔ برنی نے اسے بیٹھنے کے لیے کہا مگر اس نے انکار کر دیا لیکن اسی دوران ریسٹورنٹ کا منیجر ادھر آ گیا۔ اس کے ایک دفعہ گھور کر دیکھنے پر وہ چپ چاپ برنی کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔

"جب میں نے پہلی مرتبہ تمہیں دیکھا تو تم ویٹرس کا لباس تبدیل کر کے گھر جا رہی تھیں۔ مجھے یاد ہے تم وائٹ کلر کا عجیب سا گاؤن پہنے ہوئے تھی جس طرح کا گاؤن نن پہنتی ہیں۔ تم بہت اچھی لگ رہی تھی اتنی اچھی کہ میں نے تمہیں دیکھتے ہی اپنی گرل فرینڈ کو بائے کہہ دیا تھا اور......"

وہ اسے بتانے لگا جبکہ وہ اس کی بات کاٹ کر منمنائی۔

"آئی ایم سوری سر! مجھے ادھر سے کوئی بلا رہا ہے۔"

برنی نے نظر اٹھا کر اس سمت دیکھا پھر منیجر کو اشارہ کر دیا تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ اس ویٹرس کو مزید کچھ دیر اپنے ساتھ دیکھنا چاہتا ہے۔ اسے منیجر کی طرف سے "کیری آن" کا اشارہ مل گیا تھا۔ وہ مزید پھیل گیا۔

"تم آج شام کو کیا کر رہی ہو؟"

اس سوال پر وہ ہراساں ہو گئی تھی۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور پھر تقریباً بھاگتی ہوئی لاؤنج سے باہر نکل گئی۔ اس کے بعد یہ برنی کا روز کا معمول بن گیا۔ وہ اس ریسٹورنٹ میں جاتا۔ کبھی چائے کبھی کافی اور کبھی کبھار کھانا بھی کھا لیتا لیکن اس دوران اس نے ایک مرتبہ بھی اسے مخاطب کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ صرف اس بات پر اصرار کرتا کہ اسے صرف وہی سرو کرے اور ان لمحات میں وہ اسے اپنی نظروں میں فوکس رکھتا۔ جس سے وہ بے حد کنفیوز ہو جاتی تھی۔ اس کے چہرے کا رنگ ہی بدل جاتا۔ اس حالت میں وہ برنی کو اور بھی خوبصورت لگتی۔ وہ ایشین تھی لیکن اس کا رویہ باقی ایشیائی لڑکیوں سے خاصا مختلف تھا۔ شاید یہی انفرادیت برنی کو متوجہ کر رہی تھی۔ اس روز بھی وہ اسے یونہی مخاطب کر بیٹھا۔

"ہے ہنی! تم آج فارغ کب ہو رہی ہو۔ میرے ساتھ لنچ کرنا پسند کرو گی۔"

اس کا موڈ بے حد خوشگوار تھا مگر اپنے مقابل کھڑی ہستی کے جواب نے اس کا موڈ خاصا خراب کر دیا۔ اسے انکار کر کے وہ چپ چاپ سینڈوچز اور کافی ٹیبل پر رکھنے لگی۔ اتنے لاتعلق انداز نے برنی کو مزید تاؤ دلا دیا۔ اس نے یکدم ہی اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ یہ یہاں بہت عام سی بات تھی لیکن برنی کی حرکت سے جیسے اسے کرنٹ لگا وہ بدک کر پیچھے ہٹی۔ لیکن برنی نے اسے دھکیل کر سامنے والی چیئر پر بٹھا دیا۔ اس وقت ریسٹورنٹ میں بہت ہی کم لوگ بیٹھے تھے اور جو بیٹھے تھے وہ ستانے میں مصروف تھے اور اگر لوگ نہ بھی ستا رہے ہوتے تب بھی برنی کو کسی کا ڈر نہیں تھا۔

"تم سمجھتی کیا ہو خود کو۔ میں پچھلے کئی دنوں سے تمہارے لیے خوار ہو رہا ہوں۔ اور تم ہو کہ میری طرف مسکرا کر دیکھنے کی بھی روادار نہیں۔ آخر کیا چاہتی ہو تم۔"

انداز جتنا جارحانہ تھا الفاظ اتنے ہی مشفقانہ لیکن اس کے باوجود اس کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو چمکنے لگے۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے یہ آنسو گالوں پر پھیلنے لگے۔ برنی کے لیے یہ صورت حال خاصی غیر متوقع تھی۔ وہ اس کے سامنے بالکل ڈھیلا ہو کر بیٹھ گیا۔

"میں اتنا برا تو نہیں ہوں ڈارلنگ......" وہ چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہنے لگا۔ وہ خاموش بیٹھی

آنسو پیتی رہی۔ برنی نے کچھ لمحے اس کی طرف دیکھا پھر یکدم چیئر سے اٹھتے ہوئے بولا۔

"اوکے۔ اب باقی معاملات میرے گھر میں طے ہوں گے۔ کل ویک اینڈ ہے اور کل میں تمہیں یہیں سے پک کروں گا۔ کل اسی وقت یاد رکھنا۔"

پھر وہ وہاں رکا نہیں تھا۔ بلکہ واپس آ گیا تھا۔ اگلے روز کہے گئے وقت پر وہ وہاں موجود نہیں تھی بلکہ وہ سرے سے ریسٹورنٹ میں ہی موجود نہیں تھی۔ اور اس کے بعد اگلے پانچ دن وہ اسے نظر نہیں آئی تھی۔ وہ روز وہاں جاتا تھا اور اسے وہاں نہ پا کر واپس آ جاتا تھا۔ اس کی غیر حاضری اب اسے پریشان کرنے لگی تھی۔ اپنے جذبات کو پہچاننا خود اس کے لیے بھی مشکل ہو رہا تھا۔

"اگر وہ لڑکی شروع میں ہی مجھے قطعی انکار کر دیتی تو میں کبھی بھی اسے کے پیچھے دوبارہ نہ جاتا۔"

وہ بار بار خود کو سمجھاتے ہوئے یہی کہتا لیکن یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ اس ویٹرس کے لیے وہ جو کچھ محسوس کر رہا تھا اس سے پہلے کسی بھی لڑکی کے لیے اس نے ایسا محسوس نہیں کیا تھا۔ وہ سگریٹ سلگاتے ہوئے استقبالیہ کی طرف چلا آیا تاکہ اس کے بارے میں معلومات اکٹھی کر سکے۔

☆ ☆ ☆

"س...... سجاتا...... وہ...... وہ آ گیا ہے۔" اس نے سجاتا کے کان میں تقریباً گھستے ہوئے کہا۔ سجاتا نے اس کی بات پر مڑ کر تمام ہال میں نظر دوڑائی پھر ایک ترحم آمیز نظر اس پر ڈالی۔

"وہ کوئی مینڈک نہیں ہے اور تم کوئی مکھی نہیں ہو جسے وہ منہ کھولتے ہی نگل لے گا۔ عام سا ایک آدمی ہے جسے تمہاری "بہادری" نے ہرکولیس بنا دیا ہے۔"

وہ سرونگ ٹرے کو کاؤنٹر پر رکھتے ہوئے بولی پھر جب اس کے چہرے پر نظر پڑی تو یکدم نرم پڑ گئی۔

"ریلیکس فینی! فکر والی کوئی بات نہیں ہے۔ یہاں یہ سب چلتا رہتا ہے۔ تم یہ برتن لے کر کچن میں چلو میں اس سے بات کرتی ہوں۔"

وہ اسے تسلی دیتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔ وہ دل سے فاطین کی مدد کرنا چاہتی تھی۔ اس کی فاطین سے اچھی دوستی ہو گئی تھی اس سے پہلے فاطین کے بارے میں اس کی رائے کچھ زیادہ اچھی نہیں تھی۔ وہ اسے سڑیل اور بدمزاج سمجھتی تھی۔ فاطین کے لیے دیے انداز کی وجہ سے تمام لوگ ہی اسے عجیب وغریب القابات سے نوازا کرتے تھے اور ان میں سجاتا خود بھی شامل تھی لیکن اب اس کی رائے بدل گئی تھی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ فاطین کا پرابلم غرور اور نخرہ نہیں بلکہ اعتماد کا فقدان ہے۔

فاطین سے اس کی دوستی کی ابتدا اس روز ہوئی جس روز اس نے فاطین کو ایک کسٹمر سے ڈیل کے دوران روتے ہوئے دیکھا تھا۔ فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ سن نہیں پائی کہ ان کے درمیان کیا بات ہوئی مگر فاطین کے چہرے کے تاثرات اسے کچھ اطمینان بخش نہیں لگے تھے۔ روتے ہوئے فاطین کچن کی طرف چلی تھی سجاتا اس وقت اس کے پاس جانا چاہتی تھی مگر ایک کسٹمر کے بلانے پر...... وہ اس طرف متوجہ ہو گئی۔ فارغ ہو کر جب دوبارہ کچن کی طرف آئی تو وہ اپنا یونیفارم تبدیل کر کے گھر جانے کو تیار تھی۔ سجاتا کے استفسار پر اس نے

صرف اتنا بتایا کہ وہ اپنے گھر والوں کو بہت مس کر رہی ہے۔ جو پاکستان میں مقیم ہیں اسی وجہ سے وہ ڈیوٹی کے دوران رو پڑی تھی۔ سجاتا کو اس کی بات کا یقین نہیں آیا تھا مگر اس نے فاطین سے مزید کچھ نہیں پوچھا تھا۔

اگلے دن فاطین غیر حاضر تھی اور پھر پانچ دن گزر گئے مگر وہ ڈیوٹی پر نہیں آ رہی تھی۔ سجاتا نے سوچا تھا کہ وہ فاطین کے فلیٹ جا کر اس کے احوال دریافت کر کے آئے گی لیکن اس سے پہلے ایک اور شخص نے آ کر اس سے فاطین کے بارے میں استفسار کیا۔ اس شخص کے لہجے میں چھپی بے چینی نے سجاتا کو حیران کر دیا تھا۔

''میں فینی کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔ کیا وہ جاب چھوڑ چکی ہے؟'' وہ پوچھ رہا تھا فاطین کے بیج پر اس کا نک نیم فینی لکھا تھا سو تمام لوگ اسے فینی ہی کہتے تھے۔

''نو سر ابھی بھی اپنی سروسز کے لیے ہمارے یہاں پابند ہیں۔''

اس نے پیشہ ورانہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا مگر اس شخص پر اس مسکراہٹ نے کوئی اثر نہیں کیا تھا۔ وہ بہت بجھا بجھا سا دکھائی دینے لگا تھا۔ آنکھوں کی جوت یکدم ماند پڑ گئی تھی۔ سجاتا نے کچھ لمحے اس کے بارے میں سوچا پھر کندھے اچکا کر اپنے کام میں مشغول ہو گئی۔ اس شخص کی بات تو اس کے ذہن سے نکل گئی مگر فینی کو اپنے ذہن سے نہ نکال سکی اور اسی روز شام میں اس کے گھر پہنچ گئی۔

ہمدردی کے چند بولوں کے بعد ہی فینی اس کے سامنے کھل گئی اور اپنی پریشانی سے اسے آگاہ کر دیا۔ سجاتا نے اسے یقین دلایا تھا کہ وہ اسے اس نام نہاد عاشق سے چھٹکارا دلا دے گی لیکن شرط یہ ہے کہ وہ جاب دوبارہ جوائن کر لے۔ اس کی یقین دہانی پر فینی دوبارہ آنے لگی تھی۔ اور جب وہ شخص دوبارہ نظر آیا تو اس نے اشارے سے سجاتا کو مطلع کر دیا تھا۔ سجاتا اسے تسلی دے کر خود اس کی ٹیبل کی طرف آ گئی۔

☆　☆　☆

برنی نے اس کی طرف دیکھا اور ایک دفعہ پھر دیکھتا رہ گیا۔ وہ خوبصورت تھی بے حد خوبصورت لیکن برنی کو صرف اس کی خوبصورتی متاثر نہیں کرتی تھی۔ اسے اس لڑکی میں کیا چیز اچھی لگتی تھی وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔ کبھی لگتا اس کے سیاہ بال اپنی طرف بلاتے ہیں کبھی لگتا یہ ساحر آنکھوں کا کمال ہے اور کبھی اس کا خوبصورت سراپا تمام نمبرز لے جاتا لیکن وہ اس لڑکی کو حاصل نہیں کر سکا تھا۔ وہ صبر کر رہا تھا جانتا تھا کہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔

وہ اسے اتنی ہی اچھی لگ رہی تھی جتنی وہ پہلے دن لگی تھی اور اس کا رویہ اتنا ہی برا لگا جتنا کہ پہلے دن لگا تھا۔ برنی کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں عجیب سا خوف اور سراسیمگی پھیل جاتی تھی۔ جسے دیکھ کر برنی کا دل چاہتا اسے جھنجوڑ کر رکھ دے۔

''یس سر! کچھ چاہیے آپ کو؟'' اس کی سوچ ایک نامانوس آواز سے ٹوٹی۔ اس نے برا سا منہ بنا کر آنے والی کی طرف دیکھا اور منہ کا زاویہ اور بھی برا کر لیا۔

''نہیں۔'' اسی انداز میں اس نے جواب دیا۔ وہ اس ویٹرس کو فینی کے ساتھ بات کرتے دیکھ چکا تھا۔ اس سے بات کر کے ہی وہ کچن کی طرف چلی گئی تھی۔ برنی کو یاد آیا کہ یہ وہی ویٹرس تھی جس سے اس کی غیر حاضری کے متعلق استفسار کیا تھا۔

''میں فارغ ہوں۔ کیا کچھ دیر ادھر بیٹھ جاؤں؟''

اس بات پر برنی نے کندھے اچکا کر لاتعلق سا انداز اپنایا جیسے کہنا چاہتا ہو۔ ''تمہاری مرضی۔''

سجاتا چپ چاپ بیٹھ گئی اور اپنا تعارف کروانے لگی۔ حالانکہ برنی کے انداز نے اسے جلا کر رکھ دیا تھا۔

''سنو کیا تم نے اسے کچن میں رہنے کے لیے کہا ہے؟'' برنی نے یکدم پوچھ ڈالا۔

''ہاں۔'' وہ بہت آرام سے مان گئی کہ اس کے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

''میرا نہیں خیال کہ اس کا کوئی فائدہ ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ وہ میرے ساتھ اس طرح کیوں کر رہی ہے۔'' وہ دونوں بازو ٹیبل پر پھیلا کر اطمینان سے بولا۔

''وہ تمہیں کچھ خاص پسند نہیں کرتی۔'' سجاتا نے بہت ملائمیت سے کہا۔

''میں جانتا ہوں۔''

''پھر تم اسے ہراساں کیوں کرتے ہو؟'' اس نے بھنویں اچکائیں۔

''اس لیے کہ میں اسے پسند کرتا ہوں اور یہ بات وہ جانتی ہے۔'' اس نے رک کر سانس لی پھر مزید گویا ہوا۔

''مس سجاتا!'' میں کوئی عام آدمی نہیں ہوں۔ اگر تم یا تمہاری دوست یہ سمجھتی ہے کہ میں مالی طور پر کوئی کمزور اسامی ہوں تو تم لوگ غلطی پر ہو۔ ایسا قطعی نہیں ہے۔ میں اسے بہت ساری رقم......''

''مسٹر برنی! تم اپنا منہ بند کرنا پسند کرو گے۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر تیزی سے بولی۔

''وہ کوئی ایسی ویسی لڑکی نہیں ہے ضرورت مند بھی نہیں ہے کہ تم ایسی پیشکش اس کے سامنے رکھ دو۔''

''میں کچھ نہیں جانتا اور جاننا چاہتا بھی نہیں ہوں۔ مجھے وہ اچھی لگتی ہے میں اسے حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ میرے لیے یہی کافی ہے۔'' وہ ایک دفعہ پھر توقف کرتے ہوئے بولا۔ ''کیا اس کا کوئی اور بوائے فرینڈ اس کے ساتھ ہے؟''

''نہیں۔'' سجاتا قطعیت سے بولی۔

''تو پھر......؟ وہ کیوں مجھے نظر انداز کر رہی ہے۔''

''وہ شادی شدہ ہے مسٹر برنی!''

سجاتا نے بہت دھیمی آواز میں اس طرح کہا جیسے شادی شدہ ہونا کوئی جرم ہو۔ دراصل اس ریسٹورنٹ میں جاب کے لیے غیر شادی شدہ ہونے کی شرط لازمی تھی اسی لیے فاطین نے یہ بات سب سے چھپا رکھی تھی پھر کمال نے بھی اسے حقیقت بتانے سے سختی سے روک رکھا تھا۔ واحد سجاتا ورما اس بات سے باخبر تھی۔

''تو یہ بات ہے۔ کیا مسٹر ڈگلس اس بات سے باخبر ہیں۔'' برنی نے مینیجر کا نام لیتے ہوئے گویا ترپ کا پتا استعمال کیا۔ سجاتا کے انداز سے وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ اس راز کو راز رکھنے کی کوشش کر رہی ہے۔

''کیا خیال ہے مسٹر ڈگلس اس بات کو سن کر بہت زیادہ خوش ہوں گے۔ بتا دوں؟'' سجاتا کے

خاموش رہنے پر وہ کمینگی سے بولا۔

''پلیز مسٹر برنی! تم سمجھنے کی کوشش کرو اس کا شوہر بہت......''

''کیا اس کا شوہر بہت قدامت پسند ہے کیا اسے اپنی بیوی کی تعریف اچھی نہیں لگے گی۔ میرا خیال ہے ہر شوہر کو اپنی بیوی کی تعریف اچھی لگتی ہے۔ اگر بیوی سچ مچ اتنی حسین ہو۔''

''تم سمجھتے کیوں نہیں ہو۔ وہ...... وہ مسلمان ہے۔
مسلمانوں کے یہاں اس قسم کی دوستیاں نہیں ہوتیں۔''

''مسلمان......؟ وہ مسلمان ہے میں تو نہیں۔ میں کیوں اپنی خواہش کو دباؤں۔''

''ڈھیٹ آدمی! وہ تمہارے ساتھ نہیں جا سکتی۔''

سجاتا کھڑے ہوتے ہوئے درشتی سے بولی تو برنی بھی غصے میں آ گیا۔

''کب تک نہیں جائے گی کبھی نہ کبھی تو میری بات مانے گی نا۔ میں تب تک انتظار کرلوں گا۔''

''یعنی تم نہیں مانو گے۔ ٹھیک ہے باقی معاملات ہم کہیں اور طے کریں گے۔'' وہ اسے گھورتے ہوئے بولی۔

''کہیں اور نہیں صرف میرے گھر میں مگر تمہیں وہاں آنے کی اجازت میں قطعی نہیں دوں گا۔''

وہ عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ ایک دم پھر سے رونے لگی۔ پچھلی کچھ ساعتوں سے یہی ہو رہا تھا۔ وہ کبھی روتی تھی کبھی چپ ہو جاتی اور کبھی رونے لگتی تھی۔ برنی سے تفصیلی بات کرنے کے بعد سجاتا کو موقع ہی نہیں ملا کہ وہ فاطین کو تفصیلات سے آگاہ کر سکتی اس لیے آف ہونے کے بعد وہ اسے اپنے فلیٹ پر لے آئی تھی۔ حقیقت جاننے کے بعد فاطین بالکل ہی حواس باختہ وہ گئی اور اس نے رونا شروع کر دیا تھا۔

''پلیز فینی! یہ بچوں کی طرح رونا دھونا تو بند کرو۔ اگر یہی صورت حال رہی تو میں تمہاری کوئی بھی مدد نہیں کر پاؤں گی۔'' سجاتا اسے کافی کا مگ پکڑاتے ہوئے بولی۔

''سجاتا! تم بھی تو اتنی اچھی ہو۔ وہ تمہیں ساتھ چلنے کے لیے کیوں نہیں کہتا۔'' اس نے ہونق پن سے سوال کیا۔ سجاتا کو ہنسی آ گئی۔

''میں بھی اچھی ہوں۔ میرے علاوہ اور بھی بہت ساری اچھی لڑکیاں ہیں مگر کیا کیا جائے اسے صرف تم اچھی لگی ہو۔''

اس کے شرارت بھرے لہجے نے فاطین کو اور بھی مغموم کر دیا۔

''اوکے اوکے سوری۔'' سجاتا اس کی آنکھوں میں ایک دفعہ پھر موٹے موٹے آنسو دیکھ کر بولی۔

''ویسے اگر تم برا نہ مانو تو ایک بات کہوں۔'' اس نے بات کرنے کے دوران کافی کا سپ لیا تھا۔

فاطین خاموش رہی۔

''اگر میں تمہاری جگہ ہوتی تو اس کی بات مان لیتی۔'' فاطین کے سر پر گویا بم پھٹا۔ وہ کہہ رہی تھی۔

''تم یہاں غیر قانونی طور پر رہائش پذیر ہو۔ تمہارا شوہر تمہیں دولت بنانے والی مشین کے طور پر استعمال کر رہا ہے۔ یہ آدمی...... برنی...... تمہیں اتنے پیسے دے سکتا ہے کہ تم آرام سے پاکستان واپس چلی جاؤ۔ سچ مچ اگر کوئی مجھے ایسی آفر کرتا تو میں کبھی انکار نہ کرتی۔''

''جھوٹ...... بالکل جھوٹ...... تم نے مجھے بتایا تھا کہ تم اپنے شوہر سے بہت محبت کرتی ہو۔'' اس کی بات سے فاطین کو کرنٹ لگا تھا۔

''بے شک...... بے شک لیکن تم خود دیکھو کیا مجھے پیسوں کی ضرورت نہیں۔ میرا شوہر لنگڑا ہے اس کے علاج کے لیے ڈھیروں روپوں کی ضرورت ہے۔ میں یہ روپے کہاں سے لاؤں؟ وہ وہاں بھارت میں میری واپسی کے دن انگلیوں پر گن رہا ہے۔ میں شام کو ریسٹورنٹ میں جاب کرتی ہوں صبح کو ایک اسٹور پر اور ہر سنڈے کو ایک کلب میں ڈانسر کے طور پر ڈیوٹی دیتی ہوں مگر اس کے باوجود ابھی تک میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہوئے کہ میں اپنے شوہر کا علاج کروا سکوں۔ اس کے لیے مجھے ہر جائز ناجائز......''

''سجاتا...... تم...... تمہیں شرم نہیں آئے گی اپنے شوہر کی امانت میں خیانت کرتے ہوئے۔'' فاطین اس کی بات کاٹ کر دکھ سے بولی۔

''امانت......؟'' سجاتا نے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا پھر استہزائیہ سی ہنسی ہنس کر بولی۔

''خیانت......؟ اس کی امانت میں خیانت ہی ہو گئی تھی۔ جب میں نے اس سرزمین پر قدم رکھا تھا۔ ششیکھر نے مجھے بہت سمجھایا تھا کہ میں اس ثقافتی طائفے کے ساتھ نہ جاؤں۔ اسے یہ لوگ اچھے نہیں لگے تھے۔ مگر میں بضد تھی کہ میں ضرور یہاں آؤں گی۔ مجھے جلد از جلد روپے چاہیے تھے۔'' اس نے گہرا سانس بھرا۔

''میں پہلی دفعہ اس شخص کی ہوس کا نشانہ بنی جس نے کاغذات میں مجھے اپنا بھائی ظاہر کیا تھا پھر اس کے بعد یہ سلسلہ شروع ہی ہو گیا۔ آج مجھے یہاں رہتے ہوئے تین سال ہو گئے ہیں۔ وہ فراڈ ثقافتی طائفے والے چھ ماہ بعد ہی واپس چلے گئے تھے۔ مجھے اور میرے جیسی بہت سی دوسری لڑکیوں کو یہیں چھوڑ گئے۔ وہاں بھارت میں ششیکھر سمجھتا ہے کہ میں ایک ڈانسنگ انسٹرکٹر کے طور پر کام کر رہی ہوں اور یہاں میں......'' اس کی آنکھیں بھی ڈبڈبا گئیں۔ لیکن اس نے انہیں کمال ہنرمندی سے فینی سے چھپا کر صاف کر لیا۔

''میں بھی کیا قصہ لے بیٹھی۔ بات تو تمہاری ہو رہی تھی۔ میں یہ کہہ رہی تھی کہ تم اس کی بات مان لو وہ......''

''پلیز سجاتا! تمہیں اللہ کا ذرہ برابر خوف نہیں۔ تمہارا مذہب اس بات کی......''

''رہنے دو ڈیئر فینی! یہ پرانے عقیدے ہمیں کچھ نہیں دینے کے۔ تمہارا خیال ہے خدا یا بھگوان ہماری اس حالت زار سے بے خبر ہیں۔ کیا انہیں اندازہ نہیں کہ ہم کس قدر مصیبت میں ہیں۔ کیا وہ لڑکیاں جو گھروں میں رہ رہی ہیں ہم سے زیادہ اچھی ہیں کہ انہیں ایسی صورت حال کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ ہم نے آخر ایسے کون سے گناہ کیے ہیں۔ دل کو تسلی دینے کو ہمارے بزرگوں نے مرہم کی طرح یہ مذاہب ایجاد کر رکھے

ہیں۔''

وہ پھٹ پڑی تھی۔ فینی جیسی کٹر مسلمان کے لیے یہ باتیں ناقابل برداشت تھیں۔ وہ چپ چاپ اپنا اسکارف اٹھا کر باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

''واٹ.....تم سے.....کوئی تم سے.....میرے خدا! مجھے یقین نہیں آ رہا۔''

وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔ فاطین نے تاسف اور حیرت سے اپنے شوہر کی طرف دیکھا۔ اتنا بڑا مسئلہ اس کے لیے مسئلہ ہی نہیں تھا سرے سے۔ اس کا دل چاہا اسے بتائے کہ اس کے ملک میں یہ مسئلہ غیرت کے مسائل میں سب سے نمایاں ہے۔ کہ جس پر قتل و غارت بہت عام سی بات ہے۔ اس کی توقع کے مطابق کمال نے اس مسئلے کو بہت ہلکے پھلکے انداز میں لیا تھا۔ وہ بار بار ایک ہی فقرہ دہرا رہا تھا اور ہنس رہا تھا۔

''کمال! میں جھوٹ نہیں بول رہی۔ آخر تمہیں یقین کیوں نہیں آ رہا۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔

''مجھے یقین آ گیا ہے۔ وہ شخص ضرور کوئی پاگل ہو گا ورنہ تم جیسی لڑکی پر کبھی نہ مرتا۔'' اس کا انداز طنزیہ تھا۔

''پلیز کمال وہ بہت برا آدمی ہے عجیب و غریب باتیں کرتا ہے۔''

''مالی طور پر کیسا ہے۔ پھوٹی کوڑی بھی ہے جیب میں یا نہیں۔'' کمال نے اس کی بات کو خاطر میں لائے بغیر پوچھا جبکہ وہ اپنی دھن میں مگن کہنے لگی۔

''وہ بہت گندی باتیں کرتا ہے۔ میں.....میں تمہیں بتا بھی نہیں سکتی۔ پچھلے بہت دن سے یہ چکر چل رہا ہے۔ میں نے تمہیں اسی لیے نہیں بتایا کہ تم مشتعل ہو جاؤ گے لیکن وہ کسی طرح باز نہیں آ رہا تھا۔ تم پلیز اس سے بات کرو۔''

''کہیں تم نے اسے یہ تو نہیں بتا دیا کہ تم میری بیوی ہو؟'' اب بھی وہ اس کی بات نظرانداز کر کے سرخ آنکھوں سے گھورتے ہوئے پوچھنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے فاطین بہت خوفزدہ رہتی تھی۔ سر جھکا کر بولی۔

''میں کیا کرتی۔ مجھے.....مجھے بتانا ہی پڑا۔''

''لعنت ہو تم پر فاطین بیگم! میں نے تمہیں کتنا سمجھایا تھا کہ اس بات کی کسی کو کانوں کان بھنک نہ پڑے۔ شوہر کی ہر بات پر سر تسلیم خم کرنا بیوی کے فرائض میں شامل ہے۔ یہ بات نہیں سکھائی تمہاری ماں نے تمہیں۔'' وہ نفرت سے کہنے لگا۔

''ل.....لیکن اس کا فائدہ کیا ہے۔ آخر تم کیوں چاہتے ہو کہ یہ بات کسی کو پتا نہ چلے؟'' وہ اس سے دور ہٹتے ہوئے بولی۔

''فائدہ.....؟ تم کیا جانو فائدہ کسے کہتے ہیں اور نقصان کسے۔ تم تو چاہتی ہو بس گھر بیٹھے کھانے کو تین وقت ملتا رہے۔ یاد رکھو یہ پاکستان نہیں انگلینڈ ہے۔ یہاں جو کمائی نہیں کرتا سڑک پر آ جاتا ہے۔''

کمال کا غصہ کم نہیں ہو رہا تھا۔ فاطین کو محسوس ہوا وہ درپردہ وہی بات کہنے کی کوشش کر رہا ہے۔ جو

سجاتا نے کھلے لفظوں میں اس سے کہی تھی۔ اس نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''تم فکر مت کرو۔ میں قطعاً مشتعل نہیں ہوں گا۔ اس امید میں بھی مت رہنا کہ میں اس شخص سے مل کر کوئی بات طے کرنے کی کوشش کروں گا۔ تم کیا چاہتی ہو میں ثابت کروں کہ میں ایک تیسری دنیا کے قدامت پسند ملک کا قدامت پسند شہری ہوں جسے مینرز بھی چھو کر نہیں گزرے ہیں۔ ایسے کیا سرخاب کے پر لگے ہیں تم میں کہ تمہارے لیے یہ سب کروں۔'' وہ لمحہ بھر کو رکا۔ سیدھی بات تو یہ ہے کہ مجھے تمہاری کسی بات کا یقین ہی نہیں آیا۔ تم اتنی ڈفر ہو کہ کوئی ایک دفعہ کے بعد تمہیں دوبارہ دیکھے تو کہنے لگتی ہو، آنکھیں مار رہا ہے۔ حتیٰ کہ کوئی سگریٹ سلگا رہا ہو تو تم کو بھی ہو تمہیں غلط اشارے کر رہا ہے۔ یاد ہے نا اس بات کی ابتدا میں تم نے یہی باتیں کی تھیں۔ مجھے لگتا ہے اب بھی تم جاب چھوڑنے کے چکر میں ایسی باتیں کر رہی ہو.....اور اگر فرض کیا کہ جو تم نے کہا وہ سچ ہے تو.....'' وہ لمحہ بھر کو رکا۔

''تو اس میں کوئی حرج نہیں فینی ڈیئر! تم اس کی بات مان لو۔''

''کمال.....تم اس قدر گھٹیا بات کیسے کر سکتے ہو۔''

اس کی آنکھیں جیسے شدت غم سے ابل پڑی تھیں۔ اسے کمال کے اتنا گر جانے کی امید نہیں تھی۔

''دیکھو میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہ اتنی غلط بات نہیں ہے۔ اس ملک میں رہنے کے لیے یہ سب کرنا پڑتا ہے۔ تم جانتی ہو ہمیں پیسوں کی کتنی ضرورت ہے۔''

اب وہ چکنی چپڑی باتیں کر کے اسے شیشے میں اتارنے کی کوشش کر رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

''اے مائیک! ذرا میری بات سننا۔'' مائیک عرف کمال اپنے کام میں مصروف تھا جب کان میں یہ پکار پڑی۔ اس نے اس سمت دیکھا جہاں سے آواز دی گئی تھی۔ مائیک نے اس شخص کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اگرچہ اسے یہاں رہتے ہوئے خاصا عرصہ ہو گیا تھا مگر وہ بہت سارے لوگوں سے ناواقف تھا کیونکہ یہ ایسا علاقہ تھا جہاں شرفاء آنا پسند نہیں کرتے تھے اور وہ شخص حلیے سے خاصا معزز لگ رہا تھا۔

''کیا چاہیے؟'' منہ میں ڈالی ببل گم چباتا اس کے پاس آ گیا۔

''تم پاکستانی ہو رائٹ؟''

''ہاں۔''

''کراچی میں رہتے ہو؟''

''یہ بھی ٹھیک۔'' وہ اندر ہی اندر محتاط ہوتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''تم کیوں پوچھ رہے ہو؟'' اسے کچھ خطرہ محسوس ہوا تھا۔ اگرچہ اب وہ پہلے کی طرح غیر قانونی سرگرمیوں میں براہ راست ملوث نہیں تھا لیکن بہرحال اس کا تعلق تو جرائم پیشہ افراد سے تھا۔ اسی لیے وہ ڈر رہا تھا کہ کہیں یہ کسی ایجنسی کا بندہ نہ ہو اور انکوائری اسی بارے میں نہ ہو۔

''یونہی پوچھ رہا ہوں۔ دراصل ایک کام ہے تمہارا تعاون چاہیے۔'' اس شخص نے آواز کو دھیما

کرتے ہوئے کہا۔ اس کا لہجہ پر احترام تھا جیسے کسی اہم ڈیل کے سلسلے میں بات کرنے آیا ہو۔ کمال عرف مائیک اس کے محتاط انداز سے سمجھ گیا کہ کام کا تعلق کسی نہ کسی طرح غیر قانونی ذرائع سے ہوگا۔ وہ بھی اس کے قریب آتے ہوئے بولا۔

''ہاں کیوں نہیں۔ میں ہمیشہ لوگوں کی خدمت کے لئے تیار رہتا ہوں۔ تمہاری مدد کرتے ہوئے مجھے خوشی ہوگی۔ بس......رقم کھری ہونی چاہیے۔'' وہ فوراً مطلب پر آ گیا تھا۔

''وہ تو تمہاری مرضی کی ہوگی جتنی تم چاہو۔'' اسے خاطر خواہ تسلی دی گئی۔

''میرا نام برنارڈ ڈکسن ہے۔ سب لوگ مجھے برنی کہتے ہیں۔ تم بھی مجھے برنی کہہ سکتے ہو دراصل میں......''

وہ اسے کام کی نوعیت سمجھانے لگا۔

☆ ☆ ☆

اس نے حیرت سے اپنے شوہر کی طرف دیکھا۔ اس کا رویہ سمجھ سے بالاتر تھا۔ وہ خوش لگ رہا تھا بے حد خوش۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس نے گھر آنے کے بعد بیئر کو ہاتھ نہیں لگایا تھا اور وہ وقتاً فوقتاً اس سے باتیں کرتے ہوئے خوش دلی سے مسکرا رہا تھا۔ فاطین بے ہوش ہوتے ہوتے رہ گئی۔ جب یکدم کمال نے اسے باہر ڈنر کی دعوت دی۔ وہ اسے ایک دوبار کے بعد ڈنر کے لئے کبھی نہیں لے گیا تھا۔

کمال نے پہلے دن ہی فاطین پر واضح کر دیا تھا کہ ان دونوں کے معمولات الگ ہیں سو انہیں اس قسم کے چونچلوں میں پڑنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ شروع کے دنوں میں فاطین نے دھیان رکھا کہ جب کمال گھر آئے، وہ اس کے ساتھ ہی کھانا کھائے مگر جب کمال کی بے قاعدگی دیکھی تو خود ہی باز آ گئی پھر یوں ہونے لگا کہ جب وہ ڈیوٹی کے لیے نکلتی کمال سو رہا ہوتا اور جب وہ گھر آتی تو کمال سیر سپاٹوں پر نکلا ہوتا۔ اس عرصہ میں یہ بات بہت اچھی طرح سے اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ کہ کمال نے اس سے شادی صرف اس غرض سے کی ہے کہ وہ کما کر اس کے گھر والوں کا پیٹ بھر سکے۔

''مائی گاڈ! تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔ دیر ہو رہی ہے یار! وہ یکدم چونکی اور اس اپنائیت پر تو وہ قریب قریب غش کھانے لگی تھی پھر ذرا سنبھلتے ہوئے بولی۔

''تم اتنے فارمل کیوں ہو رہے ہو۔ میں نے کپڑے چینج کر لیے ہیں اور اگر نہ بھی کرتی تو کوئی فرق نہیں پڑنا تھا۔''

''یہ کپڑے۔'' اس نے اس کی طرف حقارت سے اشارہ کیا۔ ''یہ کپڑے اب کپڑے کہلانے کے مستحق نہیں رہے۔ مہربانی فرما کر تم کچھ اور پہن لو۔''

''میرے پاس اس سے بہتر کپڑے نہیں ہیں۔'' وہ اکتا کر قطعیت سے بولی تو کمال جو صوفہ کم بیڈ پر دراز ہو چکا تھا اٹھتے ہوئے بولا۔

''چلو ٹھیک ہے کل میں تمہیں نئے کپڑے دلا دوں گا اور تمہارے گھر والوں سے فون پر بات بھی کروا

دوں گا۔''

''میں اس مہربانی کی وجہ دریافت کر سکتی ہوں؟''

اسے دال میں سب ہی کچھ کالا محسوس ہونے لگا تھا۔

''کم آن یار! تم کیا سمجھتی ہو مجھے تمہارا احساس نہیں ہے۔ اگر مجھے روپوں کا پرابلم نہ ہو تو میں کبھی تم جیسی حسین عورت سے ایسے بات نہ کروں۔''

ریسٹورنٹ پہنچنے تک وہ سارا راستہ اس سے اسی قسم کی باتیں کرتا رہا تھا۔ لیکن فاطین کو اب ایسی باتیں متاثر نہیں کرتی تھیں۔ اسے کمال سے اسی روز سے چڑ ہوگئی تھی جب اس نے اسے برنی کی آفر قبول کرنے کے لیے کہا تھا۔

اس کے ساتھ وہ آئی بھی اپنی غرض سے تھی کیونکہ اتنی تھک چکی تھی کہ اب سینڈوچز بنانے کو بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ لیکن ریسٹورنٹ آ کر بھی کھانا نصیب نہیں ہوا۔ کمال نے پہلے کولڈ ڈرنکس آرڈر کی تھیں۔ حالانکہ وہ انکار کرتی رہی تھی مگر کمال نے اس کی ایک نہ سنی۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے کسی کا انتظار کر رہا ہو۔

کولڈ ڈرنک پی کر اسے بیٹھے رہنے کا اشارہ کر کے خود باہر نکل گیا۔ فاطین اس کی ہٹ دھرمی پر کھول رہی تھی۔ چند منٹ بعد کمال نے اسے بھی باہر آنے کے لیے کہا۔ وہ ایک قیمتی گاڑی کے پاس کھڑا تھا۔

''تم چاہو تو اس کے اندر بیٹھ سکتی ہو۔'' وہ اسے آفر کرتے ہوئے بولا۔

''لیکن یہ کس کی گاڑی ہے۔'' وہ عجب تذبذب کی کیفیت میں تھی۔

''فاطین! تم چاہو تو یہ گاڑی ہماری بھی ہو سکتی ہے۔'' اس کی بات پر فاطین نے حیرت سے اسے دیکھا پھر کچھ کہے بغیر چپ چاپ گاڑی کا فرنٹ ڈور کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ دل میں یہ ضرور سوچا کہ ''حضرت کا دماغ سچ مچ خراب ہو گیا ہے۔''

چند لمحے گزرنے کے بعد جب اس نے بلیک شیشہ ہٹا کر باہر دیکھا تو تھرا کر رہ گئی۔ کمال کے ساتھ ایک اور آدمی کھڑا تھا۔ اور فاطین اس آدمی کو بخوبی پہچانتی تھی۔

وہ جو منظر دیکھ رہی تھی وہ سچ مچ اس کے حواس معطل کرنے کے لئے کافی تھا۔ کمال اس سے نوٹ وصول کر رہا تھا پھر وہ بڑے بڑے قدم اٹھاتا آگے بڑھ گیا۔ فاطین نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے سارا منظر دیکھا۔

کسی نے فرنٹ ڈور کھولا تھا اور اندر بیٹھ گیا پھر گاڑی اسٹارٹ ہوگئی۔ فاطین آگے بڑھ رہی تھی اور کمال اس کا شوہر پیچھے بہت پیچھے رہ گیا تھا۔

برنی نے کمرے میں پھیلی مسحور کن خوشبو کو ایک لمبا اور مطمئن سا سانس کھینچ کر اپنے اندر اتارنے کی کوشش کی تھی۔ خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔ بہت ٹائم صرف کیا تھا اور رقم بھی مگر اسے نہ ٹائم کی پروا تھی نہ ہی رقم کی۔ خوشی کی بات یہ تھی کہ وہ اس کی دسترس میں تھی۔ اپنی بڑی بڑی آنکھوں سیاہ بالوں اور ملکوتی حسن سمیت وہ اس کے گھر میں موجود تھی لیکن ہوش و حواس کی دنیا سے بیگانہ تھی۔ برنی نے اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ اسے مخاطب کرنے کے لیے اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنا چاہتا تھا

اس نے ان ساعتوں کی دل سے تمنا کی تھی اس لیے وہ ان حسین گھڑیوں کو اچھے طریقے سے منانا چاہتا تھا۔ نہا دھو کر اس نے خود پر ڈھیر سارا پرفیوم انڈیلا تھا۔

''اے اب اٹھ بھی جاؤ۔''

بستر پر اس کے بہت قریب بیٹھا وہ بہت محبت سے کہنے لگا لیکن وہ بے خبر تھی۔ برنی نے سائیڈ ٹیبل پر پڑے گلاس سے پانی لے کر اس کے چہرے پر چھینٹے مارے...... چند لمحے کسمسانے کے بعد وہ آنکھیں کھولنے میں کامیاب ہو گئی۔

''کیوں روتی ہو ڈیئر! یقین کرو تمہارے شوہر کی مرضی سے تمہیں یہاں لایا ہوں۔''

اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر وہ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولا تو وہ جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

''مم...... مجھے...... پلیز...... پلیز...... مجھے۔'' باقی کی بات منہ میں ہی رہ گئی۔ وہ زمین پر بیٹھ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ برنی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا پھر اس کے قریب آ گیا۔

''کیوں رو رہی ہو تم؟'' اس نے اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا۔ فاطین نے دونوں ہاتھ اپنی جھولی میں چھپا لیے۔

''او کے او کے۔ میں تمہارا ہاتھ نہیں پکڑتا مگر پلیز...... پلیز مجھے بتاؤ کہ آخر تم ایسا کیوں کر رہی ہو۔ تمہارا کوئی اور بوائے فرینڈ نہیں۔ تمہارا شوہر بہت براڈ مائنڈڈ ہے اسے تمہارا مجھ سے ملنا ناپسند نہیں پھر...... تمہارا رویہ میں بالکل سمجھ نہیں پا رہا۔''

فاطین کچھ نہیں بولی وہ مسلسل رو رہی تھی

''کیا سچ مچ تم مجھے ناپسند کرتی ہو...؟'' اس کے خاموش رہنے پر برنی نے دوبارہ پوچھا مگر وہ پھر بھی خاموش رہی۔ برنی نے یاسیت بھرا سانس لیا اور یکدم کھڑا ہو گیا۔

''او کے...... اب کوئی بات نہیں ہوگی سب ختم ہو گیا۔ چلو میں تمہیں گھر چھوڑ آؤں۔''

فاطین نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ ایک طرف لاتعلق کھڑا شرٹ پہن رہا تھا۔

اس نے زمین سے اٹھنے میں لمحہ نہیں لگایا۔ جوتے پہنے بغیر ہی وہ اس کے ساتھ جانے کو تیار تھی۔

''پاؤں میں کچھ پہن لو۔'' برنی نے اس کے ننگے پاؤں دیکھ کر کہا مگر وہ سن نہیں رہی تھی اسے دوبارہ کہنا پڑا مگر وہ یونہی کھڑی رہی۔ برنی نے اس کے جوتے پلنگ کے نیچے سے اٹھا کر اس کے آگے رکھتے ہوئے کہا۔

''انہیں پہن لو۔'' فاطین نے چونکتے ہوئے جوتے پہن لیے۔ وہ اسے اس کے گھر تک چھوڑنے آیا۔ راستے میں ان دونوں میں کوئی بات نہیں ہوئی۔ اس کے فلیٹ کے آگے گاڑی روک کر برنی نے صرف اتنا کہا۔

''میں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ کیوں؟ میں خود نہیں جانتا۔ میں تمہیں ایک بات بتانا چاہتا ہوں۔ میں تمہیں روتا نہیں دیکھ سکتا۔ معلوم نہیں کیوں مگر مجھے اچھا نہیں لگتا کہ تم روؤ۔ میری وجہ سے روؤ۔''

اپنے فلیٹ کی تنگ و تاریک سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس کے ذہن میں برنی کے یہی الفاظ گونج رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

''تم...... تم واپس کیسے آ گئیں؟'' کمال کو جھٹکا لگا تھا۔ وہ فاطین کو دیکھ کر یکدم کھڑا ہو گیا۔ فاطین چپ چاپ کاؤچ پر بیٹھ گئی۔ اس نے نظریں جھکا رکھی تھیں۔ اسے محسوس ہوا جیسے وہ صدیوں کی مسافت طے کر کے آئی ہے۔

''واپس کیوں آئی ہو؟'' اس بات پر فاطین نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ ذرا بھی تو شرمندہ نہیں لگ رہا تھا بلکہ بیزار اور اکتایا ہوا، آنکھوں سے نفرت مترشح تھی۔

''چلو، میں تمہیں واپس چھوڑ آؤں۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔

''تمہیں خدا کا واسطہ کمال! مجھے پاکستان بھجوا دو۔ میں کسی سے نہیں کہوں گی، کچھ بھی نہیں بتاؤں گی۔ مجھے میرے ماں باپ کے پاس پاکستان بھجوا دو۔''

وہ اس کے قدموں میں بیٹھ گئی۔ کمال کو چند لمحے کے لیے تاسف نے گھیر لیا۔ وہ اس کے پاس بیٹھ گیا پھر اس کا ہاتھ سہلاتے ہوئے گویا ہوا۔

''فاطین میری جان! سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہ وقت کی ضرورت ہے، ہمیں روپوں کی ضرورت ہے۔ تمہاری اور میری سارے دن کی محنت کے بعد ہی ہم چند پاؤنڈ کمانے کے قابل ہوتے ہیں۔ کل کو ہماری فیملی بڑھے گی، ضروریات بڑھیں گی تو پیسوں کی ضرورت بھی پڑے گی۔ میں...... میں جانتا ہوں ہم اگلے سال واپس پاکستان چلے جائیں لیکن اس کے لیے ڈھیروں روپوں کی ضرورت ہے۔ ہم کہاں سے لائیں گے اتنے روپے، تمہیں میرا ہاتھ بٹانا پڑے گا فاطین!''

''میں تمہارا ہاتھ بٹاؤں گی کمال! میں اوور ٹائم لگاؤں گی۔ تم جو کہو گے وہ کروں گی مگر...... یہ نہیں کمال!'' فاطین اس کے آگے ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی

''یہ سب نہیں کرو گی تو ہم اپنے ماں باپ کی عمر کو پہنچ جائیں گے اور ہمارے بچے ہماری عمر کو لیکن پھر بھی ہم پاکستان نہیں جا پائیں گے۔ وہ شخص برنارڈ ڈکسن ایک دن کے اتنے پیسے دے رہا ہے کہ میں نے کبھی خواب میں نہیں سوچے تھے۔ اگر ایسے ہی...... ایسے ہی دو تین عاشق...... میرا مطلب تمہیں چاہنے والے مل جائیں تو ہمیں پاکستان جانے کے لیے پورے بارہ مہینے کا انتظار بھی نہیں کرنا پڑے گا۔ ہم ایک مہینہ بعد ہی واپس چلے جائیں گے۔ پلیز فاطین! ٹھنڈے دل سے غور کرو۔''

وہ ہٹ دھرمی و بے شرمی کی انتہا پر تھا۔

''نہیں کمال! میں یہ سب نہیں کروں گی، کسی قیمت پر نہیں۔'' فاطین نے آنسو صاف کرتے ہوئے قطعیت سے کہا تو کمال کو پتنگے لگ گئے۔

''یہ سب تو تمہارا باپ بھی کرے گا۔ اٹھو، میں تمہیں ابھی چھوڑ کر آتا ہوں۔''

اس نے جھٹکے سے ہاتھ پکڑ کر اسے کھڑا کیا اور دروازے کی طرف چل پڑا۔ فاطین بلک رہی تھی، اس کی منتیں کر رہی تھی، خدا اور رسول ﷺ کے واسطے دے رہی تھی مگر اس کے شوہر کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی تھی۔

☆ ☆ ☆

"کافی پی لو۔" برنی نے اس کے آگے مگ رکھا۔ وہ ڈائننگ ٹیبل کے آگے سر جھکائے لٹی پٹی تھی داماں بیٹھی تھی۔ برنی نے ایک نظر اس پر ڈالی پھر گہری سانس بھرتے ہوئے گلاس ونڈو کے بھاری پردے ہٹانے لگا۔ آسمان پر سیاہ بادلوں کے مرغولوں نے سورج کو اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ وہ سینے پر بازو باندھے وہیں کھڑا ہو گیا۔ ہلکے مگر سرد ہوا کے جھونکے کھڑکی سے ٹکراتے، سوچوں میں گم برنی کو متوجہ کرنے کی کوشش کرتے لیکن اپنی کوشش میں ناکامی پر کسی اور اس سمت کو نکل جاتے۔ برنی نے ایک دفعہ پھر مڑ کر اس سمت دیکھا، جہاں وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ کافی کا مگ ویسے ہی پڑا تھا۔ برنی نے گلاس ونڈو کو یکدم ہٹا دیا۔ ہوا کے وہ تمام جھونکے جو پہلے گلاس سے ٹکرانے کے بعد ادھر ادھر بکھر رہے تھے، اب یکدم سے اندر داخل ہو گئے۔ اتنی سرد ہوا نے برنی کو جھرجھری لینے پر مجبور کر دیا۔ یہی جھونکے فاطین کے جسم سے بھی ٹکرائے مگر وہ ویسے ہی ٹس کی مس بیٹھی رہی۔ برنی کو حیرت ہوئی۔

"کیا یہ لڑکی موسم کی شدت سے بھی بے نیاز ہو چکی ہے۔"

اس نے دل ہی دل میں سوچا۔ ایک لمحے کو تاسف نے بھی دل کا گھیراؤ کیا تھا کیونکہ وہ اس حال کو پہنچی ہی اس کی بدولت تھی۔ اس نے زور سے کھڑکی بند کر دی۔ اس شور پر فاطین نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ برنی کو اس کی آنکھوں میں چھپی مُردنی سے وحشت سی ہوئی۔ وہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

"تمہارے لیے سوپ بنا رہا ہوں۔ کوکنگ میں اچھی کر لیتا ہوں۔ پہلے میں اس میں وائٹ وائن بھی ڈالنے لگا تھا مگر پھر یہ سوچ کر ارادہ ترک کر دیا کہ شاید تم پسند نہ کرو۔ تم...... مسلم وائن نہیں لیتے۔ ہیں نا؟"

وہ دونوں کہنیاں ٹیبل پر ٹکائے اتنے آرام سے بات کر رہا تھا جیسے وہ دونوں بہت گہرے دوست ہوں۔ وہ موم کے مجسمہ کی مانند منجمد بیٹھی تھی۔ برنی نے بہت دھیرے سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"اف فینی! تمہارے ہاتھ کتنے ٹھنڈے ہو رہے ہیں۔" وہ اس کا ہاتھ سہلاتے اپنے ہاتھوں کی گرمی ان میں منتقل کرنے لگا۔ اس کی اس حرکت پر فینی نے کوئی پس و پیش نہ کی۔

"تم بہت بدل گئی ہو ڈیئر! تمہیں یاد ہے جب کل میں نے تمہارا ہاتھ پکڑا تھا تو تم نے اپنے دونوں ہاتھ گود میں چھپا لیے تھے۔"

فینی نے اب بھی کوئی پس و پیش نہ کی تو برنی نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے گالوں پر رکھ دیے جو ہاتھوں کی طرح ہی سرد تھے۔ وہ آہستہ آہستہ اپنے ہاتھ اس کے گالوں پر پھیرنے لگا پھر یکدم اس کے دل میں جانے کیا آئی کہ اپنے لب اس کے سرد گال پر رکھ دیے۔ فینی نے بلبلا کر اس کی طرف دیکھا' وہ آنکھوں میں شوق کا ایک جہان بسائے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے کتنے ہی آنسو لڑھک کر گالوں پر آ گئے۔ وہ سسکنے

لگی اور پھر سسکیاں' ہچکولوں میں بدل گئیں۔ برنی نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"اب کیوں روتی ہو۔ اب تو میں تمہیں یہاں نہیں لایا' تم خود یہاں آئی' ہو تمہارا شوہر تمہیں یہاں چھوڑ کر گیا ہے۔" وہ اس کے کان میں سرگوشیاں کر رہا تھا۔

"میرا کوئی نہیں' اس سارے جہان میں میرا کوئی نہیں۔ سب نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔ ماں باپ نے بھی بہن بھائیوں نے بھی' کمال نے بھی اور......" اس کی سسکیوں میں اضافہ ہوا۔

"ایسے مت کہو پلیز' ایسے مت کہو۔ میں ہوں نا۔" "میں ہوں تمہارا۔" اس نے یقین دلانا چاہا۔ مگر گرفت کو اس کے گرد اور مضبوط کر دیا۔ فاطین کو اس وقت جذباتی سہارے کی اشد ضرورت تھی' وہ اس کے سینے سے لگ کر رونے لگی۔

☆ ☆ ☆

اک ننھی چڑیا شاخ پہ بیٹھی گھر کا رستہ کھوج رہی تھی
تنہا بیٹھی جانے کیا کیا سوچ رہی تھی
اس کو رستے میں اک جگنو بھی نہیں ملا تھا
کوئی دیا بھی نہیں جلا تھا
تھک ہار کے ننھی چڑیا نے دنیا سے منہ موڑ لیا تھا
جنگل سے ناتا جوڑ لیا تھا

فاطین نے کروٹ لیتے ہوئے پہلو میں لیٹے برنی کی طرف ایک نظر ڈالی۔ وہ بہت گہری نیند میں تھا۔ وہی سکون جو اس کی شخصیت کا خاصا تھا۔ وہ کچھ لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر بہت آہستگی سے بستر سے اتر کر بالکنی میں آ کھڑی ہوئی۔ بہت خوبصورت منظر اس کی نگاہیں خیرہ کر رہا تھا۔ چاروں طرف پھیلے سبزے کے اوپر سفید دھند کے مرغولے بہت بھلے لگ رہے تھے۔ وہ برنی کے ساتھ آج کل اس کے آبائی گاؤں آئی ہوئی تھی۔ پچھلے کچھ عرصہ سے اس کی طبیعت بہت گری گری رہنے لگی تھی۔ ڈاکٹر کے مشورہ پر برنی اسے یہاں لے آیا تھا۔

لندن کی ہر دم متحرک رہنے والی زندگی کے برعکس یہاں بے حد سکون تھا' اس لیے وہ بہت انجوائے کر رہی تھی۔ برنی تو خیر پیدا ہی یہاں ہوا تھا اور گاہے بگاہے یہاں کا چکر لگاتا رہتا تھا۔ لیکن ہر مرتبہ اس کے ساتھ اس کی گرل فرینڈز ہوتی تھیں اور اس دفعہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ یہاں آیا تھا اور بہت انجوائے کر رہا تھا۔

"تم میرے ساتھ پہلی مرتبہ یہاں آئی ہو' اس لیے مجھے ہر چیز بہت نئی' بہت انوکھی اور بے حد اچھی لگ رہی ہے۔"

وہ اکثر اس کا ہاتھ تھام کر کہتا۔

ہوا کے ایک ٹھنڈے جھونکے نے اسے جھرجھری لینے پر مجبور کر دیا۔ وہ نائٹ سوٹ میں ملبوس تھی اور

بالکنی کی سرد ہوا اسے مجبور کر رہی تھی کہ وہ دوبارہ بیڈروم کے گرم ماحول میں چلی جائے مگر وہ ڈھیٹ بنی وہیں کھڑی رہی اور جب سردی ناقابل برداشت ہوگئی تو دوبارہ کمرے میں آ گئی۔ برنی اب بھی گہری نیند میں تھا۔ فاطین کو اس کی اس قدر گہری نیند پر رشک آیا۔ خود اس کا یہ حال تھا کہ وہ کبھی بھی گہری نیند نہیں لے پاتی تھی۔ لندن میں آمد کے بعد پہلا سال اس کی زندگی کا بدترین دور تھا۔ وہ چاہتے ہوئے بھی ان بدصورت لمحات کی یاد کو اپنے دل سے نکال نہیں سکتی تھی۔ اگرچہ اب وہ اپنی زندگی سے مطمئن تھی مگر بس دل میں یہ ملال تھا کہ اس کے پیاروں نے اس کے فیصلے کو قبول نہیں کیا تھا بلکہ اسے گناہ کہتے ہوئے فاطین سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ کبھی کبھی ان سب کی یاد اسے بے چین کر دیتی تھی اور وہ اسے دبانے کی کوشش میں فرسٹریشن کا شکار ہو جاتی۔

اسی فرسٹریشن سے نکالنے کے لیے برنی اسے یہاں لے آیا تھا۔ یہ نہیں تھا کہ وہ برنی کے ساتھ خوش نہیں تھی بلکہ وہ بہت خوش تھی۔ اس نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا تھا۔ اس نے فاطین کمال سے فاطین برہان بننے میں دقت اٹھائی تھی تو دوسری طرف برنی نے بھی برہان علی بننے میں خاصی محنت کی تھی۔ فاطین کے کمال سے طلاق لیتے ہی برنی نے اسے پرپوز کر دیا تھا۔

''م..... مگر میں تو مسلمان ہوں۔''

اس کے پرپوزل کے جواب میں فاطین نے کہا تھا۔ وہ برنی کی شکر گزار تھی کہ اس نے اسے کمال سے طلاق لے کر دی تھی اور اس کے احسان کا بدلہ اتارنے کے لیے وہ اس کی ہر جائز و ناجائز ماننے کو بھی تیار ہو گئی' تب ہی اس نے اسے پرپوز کر ڈالا۔

''میں تمہیں روکوں گا نہیں' جو تم اپنے لیے بہتر سمجھتی ہو' وہ کر سکتی ہو۔ مذہب کے معاملے میں' میں تم پر کوئی زبردستی تو نہیں کر سکتا۔ یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے' خالصتاً تمہارا اپنا۔'' فاطین کے مذہب کو جواز بنا کر پیش کرنے پر برنی نے اپنے مخصوص انداز اور مخصوص یورپی سوچ کے ساتھ جواب دیا تھا۔

''میں..... میں ایسا نہیں کر سکتی۔ تم سمجھنے کی کوشش کرو۔ مسلمانوں کے یہاں مذہب صرف بیوی یا شوہر کا معاملہ نہیں ہوتا بلکہ یہ آگے چلنے والی تمام نسل کی سلامتی کا ضامن ہوتا ہے۔'' اس کی بات سن کر وہ ہنسنے لگا۔

''تم مسلمان ڈیڑھ ہزار سال پرانی اقدار اور روایات کو ساتھ لے کر کیسے جی لیتے ہو۔'' وہ ایک لمحے کو رکا پھر کہنے لگا۔

''ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہوتا ہے۔ تم جو ہو' سو ہو اور میں جو ہوں' میں وہی رہوں گا۔''

''اس طرح تو میں تم سے شادی نہیں کر سکتی۔'' وہ قطعیت سے بولی۔ حالانکہ جانتی تھی کہ وہ مصائب کے گہرے پانی میں ڈوب رہی ہے' جہاں سے باہر آنے کے لیے اس کے پاس کوئی سہارا نہیں ہے۔

''تم نے اتنے آرام سے فیصلہ کیسے سنا دیا۔ تم میرے ساتھ شادی کر نہیں سکتیں' شادی کے بغیر بھی میرے ساتھ نہیں رہ سکتیں' دونوں معاملات میں تم اپنے مذہب کی وجہ سے مجبور ہو' تمہارا مذہب کسی معاملے میں براڈ مائنڈڈ نہیں ہو سکتا۔''

برنی کی بات پر وہ خاموش رہی کیونکہ مذہب کے معاملے میں اس کی معلومات ماہ صیام کے تیس

روزوں اور ان تیس روزوں کی ڈیڑھ سو نمازوں تک محدود تھیں۔

''تم جانتی ہو میں تمہارے بغیر رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ مجھے لگتا ہے کوئی قوت ہے جو مجھے تمہاری طرف کھینچتی ہے اور جب میں سوچتا ہوں کہ تم مجھے چھوڑ کر چلی جاؤ گی تو میرے ہر طرف تاریکی پھیل جاتی ہے' اندر باہر ہر طرف تاریکی چھا جاتی ہے۔ تم نے مجھ پر جادو کر دیا ہے' تم سچ مچ جادوگرنی ہو فینی!''

فاطین نے اس بات پر حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ سمجھ رہی تھی جو جذبہ برنی کے دل میں اس کے لیے موجود ہے' وہ صرف اور صرف ہوس ہے اور وہ خود اسے محبت کا نام دے رہا تھا۔ دوسری طرف وہ کہہ رہا تھا۔

''تم سے پہلے جتنی لڑکیاں میری زندگی میں آئیں' ان کے لیے کبھی میں نے نہیں چاہا کہ وہ دن کی روشنی میں اردگرد نظر آئیں۔ ان کی تمنا میرے دل میں صرف رات کے وقت جنم لیتی۔ ان کے لیے کبھی میرا دل نہیں چاہا کہ میں ان سے اپنی زندگی کی ہر بات شیئر کروں اور ان کے لیے کبھی میرا دل نہیں چاہا کہ وہ مجھ پر اس طرح خفا ہوں جیسے تم ہوتی ہو۔ تمہارے لیے میرا دل عجب انداز میں دھڑکتا ہے۔ پہلے پہل میں خود سمجھ نہیں پایا کہ میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔ میں نے سوچا میرے دل میں تمہاری ویسی ہی خواہش ہے جیسی کہ دوسری لڑکیوں کے لیے رہی مگر یہ خواہش مختلف تھی' بے حد مختلف۔ تمہیں پتا ہے فینی! ہمارے ملک کا ایک بہت مشہور شاعر جو بہت چھوٹی عمر میں مر گیا تھا۔ اسے ٹی بی کی بیماری تھی مگر کہنے والے کہتے ہیں۔ کہ اس کی موت کی سب سے بڑی وجہ اس کی محبوبہ تھی جو اس کی محبت کا جواب مثبت انداز میں نہیں دیتی تھی۔ تم سے ملنے کے بعد مجھے لگا میں کیٹس (Keats) ہوں اور تم بالکل اس کی محبوبہ کی طرح ہو۔ جانتی ہو' تم دونوں کے نام بھی ملتے ہیں۔ اس کا نام بھی فینی تھا' وہ بھی تمہاری ہی طرح کٹھور تھی۔''

فینی حیرت سے اس کمپیوٹر ایج کے رانجھا کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے لیے تو یہی بات بہت قابل شرم تھی کہ اس کے شوہر نے اسے چند روپوں کے عوض بیچ ڈالا اور کہاں یہ شخص اپنی محبت سے اسے معتبر کر رہا تھا۔

''لیکن مذہب.....؟'' فاطین بڑبڑائی۔

''او کے۔ میں تمہارا مذہب اپنا لیتا ہوں۔ کیا فرق پڑے گا میرا باپ کیتھولک تھا' اس نے کبھی چرچ کی شکل نہیں دیکھی اور ایک بات بتا دوں میں شاید اچھا مسلمان نہ بن سکوں۔ میں ہر وقت سر ڈھک کر نہیں رکھ سکتا اور نہ ہی اتنی لمبی داڑھی رکھ سکتا ہوں۔ سات آٹھ مرتبہ مسلمانوں کے چرچ بھی نہیں جا سکتا۔ میری معلومات مذاہب کے معاملات میں صفر ہیں۔ مگر.....'' وہ لمحہ بھر کو رکا۔

''مگر تمہارے لیے فینی! یہ بھی سہی۔ یہ بھی کر لوں گا۔'' اس کے چہرے پر بڑی پیاری سی مسکراہٹ ابھر آئی۔ فینی نے اپنی عدت کی مدت سجاتا ورما کے گھر گزاری تھی اور اس دوران اس کا سارا خرچہ برنی نے اٹھایا تھا اور شادی سے پہلے اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

اسلام قبول کرنے اور پھر ایک عام سی ایشیائی لڑکی سے شادی کرنے پر کچھ عرصے اسے خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ آفس میں کتنی بے شمار وضاحتی کالز بھگتنا پڑی تھیں۔ سوشل کانٹیکٹس نہ ہونے کے برابر

رہ گئے تھے اور پھر بھی وہ خوش تھا۔ اس نے فاطین کو دنیا کی ہر آسائش فراہم کردی تھی۔ فاطین خود یہ بات سوچ کر حیران رہ جاتی۔

''مجھ میں آخر ایسی کیا بات ہے کہ یہ آدمی میرے پیچھے دیوانہ ہوگیا۔'' اس نے یہی بات برنی سے پوچھی بھی تھی جس پر اس نے کہا تھا۔

''میں نہیں جانتا ڈیئر! مگر تم میں ایسی کوئی بات ہے جو مجھے کھینچتی ہے۔''

فاطین کو احساس ہوا تھا کہ چاہے جانے میں کس قدر کشش ہے۔ وہ اس کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو اہمیت دیتا تھا' اس کی خوشی میں خوش ہوتا تھا اور اس کے غم میں اداس...... اس کی بڑی سے بڑی بات بھی ہنس کے برداشت کرلیتا تھا۔ ان کی شادی کو دو سال گزر گئے تھے اور ان دو سالوں میں برنی نے اسلام میں بھی دلچسپی لینا شروع کردی تھی۔ وہ قرآن کا انگلش ترجمہ پڑھ چکا تھا اور اب نماز پڑھنا سیکھ رہا تھا۔ اگرچہ وہ ابھی سیکھنے کے مراحل میں تھا اسے نماز پڑھنے میں دشواری ہوتی تھی۔ سب سے زیادہ مسئلہ تب ہوتا ہے جب وہ نماز پڑھتے پڑھتے بھول جاتا اور اچانک بول پڑتا۔

''یوں ادھر جھکتے ہوئے کیا پڑھتے ہیں فینی!''

فاطین کو کبھی کبھی اس کی حرکتوں پر ہنسی بھی آتی تھی مگر وہ دل کھول کر کبھی برنی کے سامنے نہیں ہنسی تھی۔ حالانکہ وہ اس کی ایک ہلکی سی مسکراہٹ پر خوشی سے دیوانہ ہوجاتا تھا۔

''میرے پاس سب کچھ ہے مگر پھر بھی کہیں کمی ہے۔'' اس نے ایک دفعہ پھر اپنے دل کو ٹٹولنے کی کوشش کی۔

''برنی! اٹھ جاؤ' آدھا دن گزر چکا ہے۔''

اس نے خیالوں کی دنیا سے واپس آتے ہوئے برنی کو آواز دی۔ اس نے ذرا سا کسمسا کر آنکھیں کھولیں اور پھر دوبارہ بند کردیں۔ یعنی ابھی وہ اور سونا چاہتا تھا۔ فاطین باتھ روم میں گھس گئی اور نائٹ ڈریس تبدیل کرکے کچن کی طرف آگئی۔ اس نے کافی میکر کا سوئچ آن کیا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی اپنی طرف متوجہ کرنے لگی۔ اس نے کچن کے دروازے سے دیکھا تھا کہ آیا برنی نے فون اٹھایا یا نہیں' پھر وہ خود بیڈ روم میں آگئی۔ دوسری طرف وہ مسز بین سن تھیں۔

اس کا موڈ یکدم خوشگوار ہوگیا۔

''یہی کمی تو تھی جو میں محسوس کررہی تھی۔'' اس نے مسکراتے ہوئے سوچا پھر اسی کیفیت میں اس نے کافی بنائی اور دوبارہ بیڈ روم میں آگئی۔ برنی اٹھ چکا تھا اور باتھ روم میں تھا۔

چند لمحوں بعد وہ تولیے سے بالوں کو جھاڑتا ہوا بیڈ روم میں آگیا۔ فاطین کو کافی کے ساتھ دیکھ کر وہ مسکرایا پھر دھیرے سے اس کا گال چھوتے ہوئے بولا۔

''گڈ مارننگ۔''

فاطین نے سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

''برنی! مسز بین سن کا فون تھا۔'' فاطین نے کافی کا مگ اسے تھمانے کے ساتھ اطلاع دی۔ مسز بین سن گائنا کولوجسٹ تھی جس سے فاطین چند دن پہلے چیک اپ کروا کر آئی تھی۔

''کیا کہہ رہی تھی وہ؟'' وہ اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

فاطین خاموش رہی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ برنی کو کیسے بتائے پھر دھیرے سے بولی۔

''میری رپورٹس پازیٹو آئی ہیں۔''

''کیا......؟'' وہ جیسے خوشی سے اچھل پڑا۔ اس نے فاطین کو شرارتی نظر سے دیکھا پھر بولا۔

''میں...... میں...... پاپا بن جاؤں گا اور...... تم مام۔ مجھے تو یقین نہیں آرہا۔ تم خوش ہو نا ڈارلنگ۔''

فاطین نے مسکرا کر اس کے سینے سے سر ٹکا دیا۔ وہ خوش نہیں' بے حد خوش تھی۔

☆ ☆ ☆

اس نے گاڑی میں بیٹھتے ہی ڈیک آن کردیا تھا۔ یہ اس کی بہت پرانی عادت تھی۔ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہی میوزک لگا دیتا' سڑک پر اکا دکا گاڑیاں نظر آرہی تھیں۔ وہ بہت آرام سے ڈرائیو کرنے لگا اور ساتھ ہی ساتھ اس ننھے وجود کے بارے میں سوچنے لگا جو کچھ عرصہ بعد اس کے اور اس کی چہیتی بیوی کے پیار کی نشانی بن کر دنیا میں آنے والا تھا۔ وہ ابھی سے اس بچے کی محبت میں گرفتار ہوگیا تھا۔ ابھی تو مسز بین سن نے اچھی خبر دی تھی۔ ابھی تو اس کے دنیا میں آنے میں بہت دن تھے مگر برنی نے ابھی سے دن گننے شروع کردیے تھے۔ اسے محسوس ہوتا تھا جیسے وہ دنیا کا واحد شخص ہے جو باپ بننے جارہا ہے اور فاطین دنیا کی پہلی عورت ہے جو دردزہ جیسے تکلیف دہ مرحلہ سے گزر کر ماں بننے جارہی ہے۔ اس کا دھیان یکدم فاطین کی طرف چلا گیا۔

''فاطین نے لنچ بھی کیا ہوگا یا نہیں۔''

اس نے سوچا۔ آج کل اس کی طبیعت بہت گڑبڑ رہنے لگی تھی۔ اسے کھانے میں کچھ بھی پسند نہیں آتا تھا اور اگر کچھ کھا لیتی تھی تو ابکائیاں آنے لگتی تھیں۔ مسز بین سن کا کہنا تھا کہ وہ مناسب خوراک لے لیکن وہ لاپروائی کرجاتی تھی۔ برنی نے گاڑی کی رفتار کم کردی اور پھر ڈیش بورڈ پر پڑا موبائل اٹھالیا۔ ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ کو تھامے اور دوسرے سے موبائل کو کان سے لگا کر دوسری طرف سے فون اٹھائے جانے کا انتظار کرنے لگا۔ فاطین کو کھانا ٹھیک سے کھانے اور اپنا خیال رکھنے کی ہدایت دینے کے بعد اس نے موبائل آف کرکے سامنے رکھ دیا۔ وہ اپنے آبائی گھر سے ایک گھنٹہ کی ڈرائیو پر تھا۔ آج کل وہ اور فاطین وہیں ٹھہرے ہوئے تھے۔ برنی کی خواہش تھی کہ اس کی اولاد اسی گھر میں جنم لے جہاں وہ خود پیدا ہوا تھا اور فاطین نے اس کی بات خوشی سے مان لی تھی۔ وہ برنی کے لیے بہت خوش قسمت ثابت ہوئی تھی۔

اس کے اپنانے کے بعد اس کی زندگی میں بہت ٹھہراؤ آگیا تھا۔ وہ پہلے بھی ویل آف تھا' ایجوکیٹڈ تھا۔ ڈیشنگ اور اسمارٹ تھا مگر شادی کے بعد کچھ عرصے مشکلات سہنے کے بعد اس کی شخصیت اور وجاہت میں ایک خاص قسم کا نکھار آگیا تھا۔

''فاطین میں ایسا کیا ہے کہ جس نے مجھ جیسے بندے کو رومیو بننے پر مجبور کردیا۔'' وہ خود بھی اکثر سوچتا

اور پھر اسے ایک ہی جواب ملتا۔

وہ مختلف ہے' ان سب لڑکیوں سے مختلف' جن سے میں پہلے ملتا رہا ہوں۔''

مذہب کی تبدیلی نے بھی اس پر بہت اچھا اثر ڈالا تھا۔ پہلے وہ کبھی چرچ نہیں جاتا تھا مگر اسلام قبول کرنے کے بعد صرف اس لیے کہ کسی معاملے میں وہ فاطین کو خود سے کمتر نہ محسوس ہو۔ وہ ہفتے میں ایک آدھ بار اسلامک سینٹر ضرور جاتا تھا۔ اس نے قرآن کا انگلش ترجمہ پڑھ لیا تھا۔ وہ نماز پڑھنا سیکھ رہا تھا اور سب سے اچھی اور مثبت بات یہ تھی کہ اسے اس میں مزا آ رہا تھا۔ وہ ایک بہتر انسان بن گیا تھا۔ ایک بہتر شوہر تھا اور ایک بہتر باپ بننا چاہتا تھا۔ اسے اپنے بچے کا بپتسمہ نہیں کروانا تھا بلکہ اس کے کان میں وہ کلمات ادا کرنے تھے جو اسے ہمیشہ فلاح کی طرف پکارتے تھے اسے اپنے بچے کو اقرار کے نام پر وہ کچھ دینا تھا جو اسے خود حاصل نہیں ہوا تھا۔ کبھی کبھی اسے اپنے وجود سے گھن سی آنے لگتی۔ اسے فاطین سے شرمندگی محسوس ہوتی۔ جس طریقے سے اس نے فاطین سے شادی کی تھی' وہ غلط تھا اور یہ چیز ہمیشہ اسے چبھتی تھی۔ اس نے بارہا اپنی اس حرکت کے لیے فینی سے معذرت کی تھی۔

ان دونوں کے درمیان کبھی بھی ماضی کا ذکر نہیں ہوتا تھا۔ اس نے کبھی بھی فاطین کو نہیں بتایا تھا کہ اس نے کمال کو کیسے طلاق دینے پر مجبور کیا۔ اس نے اسے یہ بھی نہیں بتایا تھا کہ کمال اب بھی اکثر اس سے رقم لیتا رہتا ہے۔ اگرچہ برنی کا ماضی فاطین پر روز روشن کی طرح عیاں تھا مگر پھر بھی وہ اکثر یہ ذکر کرتا رہتا تھا۔

''میں تم جیسی فیئر لڑکی ڈیزرو نہیں کرتا ڈیئر! مگر تھینک گاڈ کہ مجھے تم ملی ہو۔''

اسے اس چیز کا بھی احساس تھا کہ فاطین اس سے اتنی محبت نہیں کرتی جتنی کہ وہ اس سے کرتا ہے مگر اس کے لیے یہی کافی تھا کہ وہ اس سے نفرت بھی نہیں کرتی۔ آج کل ان دونوں کے درمیان ڈسکس کرنے کے لیے ایک ہی موضوع تھا اور یہ موضوع ہر اس پہلو کا احاطہ کرتا تھا جو ان کے آنے والے بچے کے متعلق تھا۔

☆ ☆ ☆

''یہ...... یہ والا ٹویٹی (Tweety) بھی خرید لیں؟'' برنی کی بات پر فاطین کا دل چاہا کہ اپنا سر پیٹ لے۔ وہ اس سے کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اس کے چہرے پر پھیلی معصومیت اور عجیب طرح کی شفقت نے اسے مسکرانے پر مجبور کر دیا۔

''برنی! کیا تم سب کچھ آج ہی خرید لینا چاہتے ہو۔ یہ پانچواں ٹویٹی ہے جو تم خریدنا چاہ رہے ہو۔''

وہ خوش دلی سے بولی۔ وہ ماں بننے کے مراحل سے گزر رہی تھی اور اس چیز نے اس کے موڈ کو بہت بدل کر رکھ دیا تھا۔ وہ دونوں قریبی اسٹور پر خریداری کے لیے آئے ہوئے تھے۔ آج کل وہ پھر راچڈیل سے لندن آئے ہوئے تھے لیکن انہیں پھر واپس چلے جانا تھا' اس لیے وہ تمام خریداری ابھی کر لینا چاہتے تھے۔

''فینی ڈیئر! میرا دل چاہتا ہے میں اپنے بے بی کے لیے ہر چیز خرید لوں۔ دنیا کی ہر چیز اس کے پیدا ہونے سے پہلے اس کے لئے گھر میں موجود ہو۔''

''وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن اس نے ساری عمر تو ٹوئیٹیز اور ٹیڈی بیئرز سے تو نہیں کھیلتے رہنا۔ اسے اور

بھی بہت ساری چیزیں چاہیں جو ہم نے ابھی تک نہیں خریدیں۔'' وہ رسانیت سے کہہ رہی تھی۔

''اوکے' یہ آخری ہے' اس کے بعد اور نہیں لوں گا۔ تم دیکھو فینی! یہ کس قدر کیوٹ ہے۔ بالکل تمہاری طرح۔'' برنی نے ایک دفعہ پھر اس سے منانا چاہا مگر وہ ڈٹی رہی۔

''پلیز فینی!''

''نہیں۔'' وہ ٹس سے مس نہیں ہوئی۔

''اچھا پھر وہ باربی کیسی ہے؟'' اس نے ایک خوبصورت گڑیا کی طرف اشارہ کیا۔

''برنی!'' وہ مصنوعی غصے سے چلائی۔

''اوکے اوکے' جیسی تمہاری مرضی۔'' وہ فوراً کاؤنٹر پر ادائیگی کے لیے چل دیا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی کاریڈور تک آ گئی۔ وہ برنی کے فارغ ہونے کا انتظار کر رہی تھی تاکہ اکٹھے ہی وہ گراؤنڈ فلور تک جائیں' اس نے سر دائیں طرف گھما کر برنی کو دیکھا۔

برنی تو نظر نہیں آیا مگر ایک اور شخص پر اس کی نگاہ پڑی۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ برآمد ہوئی۔ غیر ارادی طور پر اچانک ہی اس شخص نے بھی فاطین کی طرف دیکھا اس کی آنکھوں میں شناسائی کے رنگ ابھرے مگر اپنا شائبہ چھوڑے بغیر یکدم معدوم ہو گئے اور ان کی جگہ سرد مہری نے لے لی۔ وہ شخص مخالف سمت میں آگے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ فاطین کے پاس اسے مخاطب کرنے کا یہی ایک موقع تھا وہ بھی اسی سمت ہو لی جس سمت میں وہ شخص جا رہا تھا۔

''حسن بھائی! پلیز بھائی! رک جائیں۔ ایک دفعہ میری بات سن لیں۔'' اس کی آواز پر ادھر ادھر کھڑے لوگ بھی متوجہ ہونے لگے۔ حسن یکدم رک گیا۔

''میری بات تو سن لیں حسن بھائی!'' ان کے قریب پہنچ کر فاطین نے ان کا بازو تھام لیا۔ جو ایک جھٹکے سے چھڑا لیا گیا۔ اس شخص کے انداز میں بہت نفرت تھی۔ برنی بھی بھاگتا ہوا ان کی طرف آیا تھا۔ جو سامان اس نے خریدا تھا وہ وہیں کاؤنٹر پر دھرا رہ گیا تھا۔

''کیا فینی؟ کیا ہوا ہے تمہیں؟ تم کیوں رو رہی ہو؟ اور یہ کون ہے؟'' اس نے ایک ہی سانس میں کتنے ہی سوال پوچھ ڈالے۔

''برنی! یہ میرے بھائی ہیں حسن بھائی!''

''میں تمہارا بھائی نہیں ہوں' میرا تمہارا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ تم ہمارے لیے اور ہم سب تمہارے لیے مر چکے ہیں۔'' وہ ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کر رہے تھے۔

''لیکن میرا قصور کیا ہے؟''

''اپنے دل سے پوچھو۔ گناہ کرنے کے بعد یہ سوال کرنے کی گنجائش قطعاً نہیں رہتی فاطین بی بی!''

''میں نے کوئی گناہ نہیں کیا حسن بھائی! میرا یقین کریں میں...... میں بالکل......''

''تم نے نکاح پر نکاح کیا ہے' اور وہ بھی ایک غیر مسلم کے ساتھ اور اب تم اس کی نسل کو آگے

بڑھانے جا رہی ہو۔"

وہ اس کے سراپے پر ایک مکمل نظر ڈال کر حقارت سے بولے۔ فینی کے آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ حسن بھائی وہی کہہ رہے تھے جو انہیں بتایا گیا تھا۔ کمال نے اس کے گھر والوں کو اس سے متنفر کرنے کے لیے ہر جھوٹی سچی بات بڑھا چڑھا کر بیان کی تھی۔

"یہ سچ نہیں ہے حسن بھائی! آپ کو بالکل غلط بتایا گیا ہے۔ آپ ایک دفعہ بیٹھ کر میری بات تو سن لیں۔" وہ ان کے سامنے ہاتھ جوڑ رہی تھی لیکن ان کا دل پتھر کا ہو چکا تھا۔

"نہیں فاطین! مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننی۔

مجھے یقین آ گیا ہے کہ تم بھی عام لڑکیوں کی طرح دولت پر جان دینے والی نکلیں۔ کہاں گئیں تمہاری اخلاقی اقدار اور سچائی جن کی باتیں تم بڑھا چڑھا کر بیان کیا کرتی تھیں۔ اگر کمال تمہیں اتنی دولت نہیں دے سکتا تھا جتنی تمہیں چاہیے تھی تو تم مجھ سے مانگ لیتیں۔ تمہیں اتنا گرنے کی کیا ضرورت تھی۔ تمہیں لالچ میں جائز ناجائز کا فرق ہی بھول گیا۔ تم بھول گئیں کہ ہمارے مذہب میں یہ سب گناہ ہے۔" وہ لمحہ بھر کو رکے۔

"براہ مہربانی میرے سامنے سے ہٹ جاؤ۔ سخت نفرت ہے مجھے تم سے۔" وہ لمبے لمبے قدم اٹھاتے آگے بڑھ گئے۔

فاطین ان کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ برنی ہونقوں کی طرح کبھی فاطین اور کبھی اس جاتے ہوئے شخص کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے ایک لفظ بھی سمجھ میں نہیں آیا تھا کیونکہ تمام گفتگو اردو زبان میں کی گئی تھی۔ صرف چہرے کے اتار چڑھاؤ سے وہ سمجھ پایا کہ موضوع گفتگو کچھ ایسا خوشگوار نہیں ہے۔ اس نے فاطین کے کندھے پر تسلی آمیز انداز میں ہاتھ رکھنا چاہا تو اس نے غصے سے برنی کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے برنی! صرف تمہاری وجہ سے...... تم......" اس کے منہ میں جو آیا' وہ بولتی چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

"کاش میں آپ سے کبھی نہ ملتی حسن بھائی! اس نے ایک دفعہ پھر وہی بات سوچی جو کل شام سے مسلسل سوچ رہی تھی۔ کل شام سے برنی اس سے خفا تھا۔ اس نے بیڈروم کا دروازہ اندر سے لاک کر رکھا تھا اور ایک دفعہ بھی باہر جھانکنے کی زحمت نہ کی تھی۔ فاطین کو برنی کی ناراضی سے زیادہ اس چیز کی فکر تھی کہ حسن بھائی اس کے بارے میں اس قدر غلط فہمی کا شکار ہیں تو باقی لوگ اس کے بارے میں کیا سوچتے ہوں گے۔

حسن بھائی اس کے تایا زاد تھے۔ ماں باپ کی بچپن میں وفات کے بعد فاطین کے ابو یعنی حسن کے چچا انہیں اپنے یہاں لے آئے تھے۔ لیکن فاطین کی امی کو ان کا یہ فیصلہ پسند نہیں آیا تھا وہ پائی پائی پر جان دینے والی نہایت کنجوس خاتون تھیں گھر میں ایک فرد کا اضافہ انہیں قطعاً پسند نہیں آیا تھا اور وہ اخراجات کو اپنے تئیں توازن میں رکھنے کے لیے حسن کا بالکل ایسے ہی خیال رکھتی تھیں جیسے کوئی بھی جاہل سوتیلی ماں رکھتی ہے۔ اس صورت حال میں فاطین ہی تھی جو حسن کا بے حد خیال رکھتی اور حسن کو چچی سے تو نفرت تھی مگر اپنے سے سات

سال چھوٹی اس چچا زاد سے انہیں بہت محبت تھی۔ ان کی آپس میں بے حد دوستی تھی اور یہ دوستی جوانی میں اور بھی مضبوط ہو گئی تھی۔ بی اے کرنے کے بعد حسن تایا چچا کا احسان اتارنے کے لیے آسٹریلیا چلے گئے تھے۔ اسی دوران فاطین کے لیے کمال کا پرپوزل آیا اور فوراً قبول بھی کر لیا گیا۔ فاطین کی شادی میں بھی حسن بھائی آ نہیں پائے تھے۔ ہاں انہوں نے تحائف بھجوائے تھے۔ وہ بے خبر تھی کہ حسن بھائی آسٹریلیا سے کب انگلینڈ آئے۔ وہ تو انہیں دیکھ کر حیران رہ گئی تھی مگر کمال کی زبان نے شاید اس کے سارے خاندان کو اس سے دور کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ تب ہی تو وہ اس کی شکل دیکھنے کے بھی روادار نہیں لگ رہے تھے۔

ان سے ملاقات کے نتیجے میں اس کے دل میں جو بھڑاس پیدا ہوئی تھی اس کا نشانہ برنی بن گیا تھا۔ اور بری بات یہ تھی کہ اسے اس کا احساس بھی نہیں تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ برنی جانے کیوں موڈ آف کر کے بیٹھ گیا ہے۔ وہ جانتی تھی کہ وہ اس سے زیادہ دیر خفا نہیں رہ سکتا کیونکہ ماضی میں ایسا ہی ہوتا آیا تھا۔ برنی کا بیڈروم میں خود کو بند کر لینا بہر حال نیا واقعہ تھا۔

"میرا خیال ہے اس دفعہ میں ہی برنی کو منا لوں۔"

اس نے بیڈروم کا دروازہ کھلنے کی آواز سنی تو سوچتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆ ☆ ☆

دروازہ مخصوص آواز کے ساتھ کھلا تھا مگر اس نے مڑ کر نہیں دیکھا وہ جانتا تھا کہ آنے والی فاطین ہے۔ اس گھر میں دو ہی تو لوگ تھے ایک وہ اور دوسری فاطین جب سے اسے یہ پتا لگا تھا کہ وہ دو سے تین ہونے والے ہیں اس کی ہر رات اسی کی باتیں کرتے گزرتی تھی۔ وہ اکلوتا تھا اور آنے والے بچے کا خیال ہر لمحہ اس کی خوشی میں اضافہ کرتا تھا' لیکن کل سے وہ اتنا پریشان تھا کہ اس کے ذہن سے ہر خیال نکل گیا تھا اسے صرف ایک چیز کا خیال تھا اور وہی چیز اسے بے چین کیے ہوئے تھی۔

"فینی اس سے نفرت کرتی ہے۔" یہ ہی بات کل سے اس کے دماغ میں ٹھہر ٹھہر کر گونج رہی تھی۔ فینی کا لہجہ اب بھی پگھلے سیسے کی مانند اس کے کانوں میں موجود تھا۔ اس کے ذہن میں اب بھی وہی الفاظ گونج رہے تھے۔

"برنی تم نے مجھے کتنا غریب کر دیا ہے۔ میری ساری محبتیں چھین لی ہیں تم نے تمہاری وجہ سے میں اپنی زندگی کی تمام خوشیوں سے محروم ہو گئی ہوں۔ میرے اپنے میری شکل نہیں دیکھنا چاہتے' اور یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ نفرت ہے مجھے تم سے' تم مجھے......"

"برنی! خفا ہو؟" اس نے فاطین کی آواز سنی مگر وہ سننا نہیں چاہتا تھا' سو خاموش رہا۔

"برنی! پلیز بتاؤ نا تم خفا ہو مجھ سے؟" فاطین نے پھر پوچھا اب کی بار برنی خاموش نہیں رہا۔

"نہیں فینی! میں تم سے خفا نہیں ہوں۔ بہت مجبور ہوں میں۔ میں تم سے خفا نہیں ہو سکتا۔ چاہوں تو تب بھی نہیں۔"

"پھر...... پھر تم میری طرف دیکھ کر بات کیوں نہیں کر رہے؟" فاطین نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر

رکھتے ہوئے کہا۔لیکن برنی نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ کے نیچے سے نکال لیا۔

''میں تمہاری طرف دیکھنا نہیں چاہتا۔میں......میں کسی کی طرف بھی دیکھنا نہیں چاہتا۔تم مجھے اکیلا چھوڑ دو۔''

''آئی ایم سوری برنی! میں نے کل شام تم سے اچھا سلوک نہیں کیا تھا' میں شر......''

''تم نے......تم نے صرف برا سلوک کیا تھا؟ وہ اس کی بات کاٹ کر غرایا۔

''میرا دل چاہ رہا ہے میں بھی تمہارے ساتھ ایسا ہی کروں جیسا کل تم نے میرے ساتھ کیا تھا۔میرا دل چاہ رہا ہے میں بھی تمہیں اسی طرح کہوں کہ میں تم سے نفرت کرتا ہوں' جس طرح کہ تم نے مجھ سے کہا تھا۔ میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں تمہیں اسی طرح بددعا دوں' جس طرح کل تم نے مجھے دی تھی۔مگر کیسے فینی؟ کیسے کروں یہ سب؟ یہ دل بہت بری چیز ہے۔یہ محبت بہت بری چیز ہے' اسی محبت نے مجھے یہ سب کرنے پر مجبور کیا جس کے لیے میں شرمندہ تھا' شرمندہ ہوں اور شرمندہ رہوں گا۔لیکن مجھے بتاؤ کیا میں نے تم سے اپنی اس حرکت کی معافی نہیں مانگی تھی؟ کیا میں وقتاً فوقتاً تم سے معافی نہیں مانگتا رہا ہوں؟ اور کیا تم نے خود مجھے معاف نہیں کر دیا تھا۔

وہ بولتے بولتے ہانپنے لگا۔فاطین کی نگاہوں میں تحیر ہلکورے لے رہا تھا۔

''کتنی بڑی منافق ہو تم۔تم اس شخص کی اولاد پیدا کرنے جا رہی ہو۔جس کے لیے تمہارے دل میں صرف نفرت ہے۔جانتی ہو نفرت......''

''میں تم سے نفرت نہیں کرتی برنی! کل جو کچھ بھی ہوا وہ صرف غصہ تھا۔'' وہ جھلملاتی آنکھوں سے کہنے لگی۔برنی کو اس کی بات کا یقین نہیں آیا۔

''غصہ؟ یعنی تمہیں جب بھی غصہ آیا کرے گا تو تم میرا مان توڑ کر مجھے دو کوڑی کا کر دیا کرو گی چاہے اس کا مجھ پر جو بھی اثر ہو۔اسلام میں غصہ حرام ہے نا؟ مجھے بتاؤ تم مسلمان ہو؟ مسلمان اس طرح کے ہوتے ہیں۔مسلمان منافق ہوتے ہیں' مسلمان جھوٹے ہوتے ہیں۔مسلمان غصے میں پاگل ہو جاتے ہیں۔مسلمان اس طرح کرتے ہیں جیسا تم نے میرے ساتھ کیا' جیسا کمال نے تمہارے ساتھ کیا۔نہیں فینی! مسلمان اس طرح تو نہیں کرتے تم تم...... جانتی ہو میں تمہارا اتنا دیوانہ کیوں ہوں؟'' وہ لحہ بھر کو رکا۔فاطین کو اپنے گالوں پر نمی محسوس ہونے لگی۔

''اس لیے کہ اللہ نے میرے دل میں تمہارے لیے دیوانگی پیدا کر دی تھی۔میں نے تم سے محبت کی میں تم پر ایمان لایا۔تم نے کہا پہلے اللہ سے محبت کرو اس پر ایمان لاؤ تمہاری خاطر میں نے اسلام اپنا لیا تمہاری خاطر میں نے اللہ سے محبت کی تمہاری خاطر میں اس پر ایمان لایا لیکن وقت کے گزرنے کے ساتھ مجھے احساس ہوا کہ ایسا قطعاً نہیں ہے۔میں نے تمہاری خاطر کچھ نہیں کیا بلکہ اللہ نے میری خاطر مجھ سے یہ سب کروایا۔وہ نہیں چاہتا تھا کہ میں تاریکی میں رہوں' وہ چاہتا تھا کہ میں روشنی کی طرف چلوں' فلاح کی طرف آؤں اس لیے اس نے تمہیں روشنی بنا دیا۔یہ تو اس کا کرم تھا کہ اس نے تمہیں روشنی بنا دیا۔تمہیں روشنی نہ بناتا تو کسی اور کو بنا

دیتا۔یہاں لندن میں مسلمانوں کی کمی تو نہیں ہے۔مگر ظاہر ہے تم میں کوئی ایسی بات ہوگی جو رب کو پسند آئی اور اس نے تمہیں روشنی بنا دیا اور تم اسی بات پر مغرور ہو گئیں میں تو غرور نہیں کرتا۔اس لیے تمہارے نزدیک قابل نفرت ٹھہرا اور وہ تمہارا سابقہ شوہر کمال بھی تم جیسا تھا۔اسی لیے قابل محبت ہے۔سارے قصے میں سب سے زیادہ نقصان میرا ہوا ہے فینی! کیسی احمقوں کی جنت تھی میری دنیا' میں سمجھتا تھا میں بہت خوش قسمت ہوں کہ تم جیسی بیوی مجھے ملی۔''

وہ خاموش ہو گیا تھا۔اس کے گالوں پر دو موٹے موٹے آنسو سفر کرتے ہوئے اس کی بڑھتی ہوئی شیو میں جذب ہو گئے اس نے ہاتھوں سے چہرے پر آ جانے والی نمی کو بے دردی سے صاف کیا۔

''مجھے...... مجھے رونے سے سخت نفرت ہے۔اور......اور کسی عورت کے سامنے رونے سے تو بہت ہی زیادہ نفرت ہے۔تم وہ واحد عورت ہو فینی! جس کے سامنے میں ہنس بھی لیتا ہوں اور رو بھی لیتا ہوں۔ تمہارے سامنے روتے ہوئے میں خود کو کمزور نہیں سمجھتا۔تمہارے سامنے ایسا کرتے ہوئے مجھے کوئی خوف محسوس نہیں ہوتا۔کیونکہ تم میرے لیے غیر نہیں ہو۔تم تو میری اپنی بیوی ہو' بہرحال میں تو ایسا ہی سمجھتا ہوں۔''

اس بات پر فاطین نے کچھ کہنا چاہا مگر اس کے چہرے کے تاثرات نے اسے خاموش رہنے پر مجبور کر دیا۔

''جتنی عزت میں تمہاری کرتا ہوں فینی! اتنی عزت تو میں مام کی بھی نہیں کرتا تھا۔شاید بہت چھوٹا تھا میں' جب مام کی ڈیتھ ہو گئی بچپن کی بہت دھندلی سی یادیں ہیں۔میرے ذہن میں۔مگر باشعور ہونے کے بعد میں ہر رات ڈیڈی کے ساتھ ایک نئی عورت کو دیکھا کرتا تھا۔کوئی آنٹی جوڈی تھی کوئی آنٹی ایلن' کبھی مارتھا اور کبھی ایلس' ہر رات ڈیڈ جاب سے واپس آتے تو ان کے ساتھ نئی عورت ہوتی۔مجھے کبھی کسی نے نہیں بتایا کہ وہ دونوں جو کچھ کرتے ہیں وہ غلط ہے۔میں کیسے جان جاتا فینی! کہ یہ سب غلط ہے۔گناہ ہے۔میں......میں خود بارہ سال کی عمر سے ڈرنک کرنے لگا تھا' تب بھی کسی نے نہیں کہا کہ یہ صحیح نہیں ہے۔میرے لیے پہلا پیگ ڈیڈ نے خود بنایا تھا۔سترہ سال کی عمر میں جب پہلی بار میں اپنی گرل فرینڈ کو گھر لایا تو ڈیڈی نے بیڈروم میں جانے سے پہلے مجھے وش یو بیسٹ آف لک اور انجوائے یور سیلف کہا تھا۔

بہت حوصلہ افزا انداز تھا ان کا۔میں وہ گناہ کیسے نہ کرتا جو میرا باپ پچھلے کئی سالوں سے کر رہا تھا۔کبھی کسی نے احساس نہیں دلایا کہ یہ سب ٹھیک نہیں ہے۔کتنے ہی برس اسی طرح کی زندگی گزارتے ہوئے گزر گئے۔پھر......پھر تم نظر آئیں تم کیا نظر آئیں باقی سب کچھ نظر آنا بند ہو گیا۔ہر طرف تاریکی چھا گئی جو چیز روشن رہ گئی وہ تمہارا چہرہ تھا۔کوئی شخص کتنے عرصے تک تاریک غار میں رہ سکتا ہے۔اسے روشنی نظر آئے گی تو وہ اس کی طرف ضرور جائے گا۔میں بھی دل و جان سے تمہاری طرف آیا۔میں نے تمہیں اسی طرف راغب کرنا چاہا جس طرح تم سے پہلے ملنے والی لڑکیوں کو کرتا رہا تھا۔مگر تمہارا ردعمل میرے لیے بے حد عجیب تھا۔مجھے حیرانی ہوئی کہ تم میری بات مان کیوں نہیں لیتیں۔تمہیں اس میں برائی محسوس ہوتی تھی۔مجھے نہیں، کیونکہ تم جانتی تھیں، میں نہیں جانتا تھا۔میں تو بے خبر تھا انجان تھا۔جب میں جانتا ہی نہیں تھا کہ یہ سب گناہ ہے تو میں اس سے تائب کیسے ہو

جاتا؟

پھر تم مجھے مل گئیں۔ تمہارے ساتھ رہتے ہوئے میں نے سیکھا کہ زندگی وہ نہیں جو میں گزار رہا ہوں' بلکہ زندگی وہ ہے جو مجھے اب گزارنی ہے۔ تمہارے ساتھ رہتے ہوئے میں نے سیکھا کہ غلط کیا ہے صحیح کیا ہے۔ اللہ کون ہے؟ ہماری زندگیوں میں اس کا کردار کتنا مضبوط ہے۔ میں نے سیکھا کہ اللہ سے معافی کیسے طلب کی جاتی ہے۔

اور تم بتاؤ کہ یہ سب جاننے کے بعد میں اپنی پچھلی زندگی سے تائب نہیں ہو گیا تھا کیا؟ کیا میں نے اپنے گناہوں سے توبہ نہیں کی؟ کیا میں نے ماضی کی تمام غلطیوں سے سبق نہیں سیکھا؟ کیا میں نے ڈرنک کرنا نہیں چھوڑا؟ کیا میں نے دوسری عورتوں کے پاس جانا نہیں چھوڑا۔ کیا...... کیا میں تمہارے ساتھ مخلص نہیں ہوں۔''

فاطین کو اس کی آواز بھرائی ہوئی لگ رہی تھی۔ اسے خود اپنے آپ سے شرم محسوس ہوئی۔ برنی جو کچھ کہہ رہا تھا وہ سب صحیح تھا اور وہ یہ سب اپنا حق سمجھتے ہوئے وصول کر رہی تھی۔ اس کے اپنے کیا فرائض تھے یہ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ اسے اپنے کانوں میں پھر برنی کی آواز سنائی دی۔

''مسلمانوں کے قول و فعل میں بہت تضاد ہے۔ وہ جو کہتے ہیں کبھی خود نہیں کرتے اور جو وہ کرتے ہیں ایسا کبھی انہوں نے کہا نہیں تھا۔ تم لوگ سمجھتے ہو۔

Survival for the fittest

والا نظریہ صرف تمہارے بارے میں ہے؟ تم لوگ اس نشے میں گم رہتے ہو۔ عقیدہ اور مذہب کسی کی میراث نہیں ہوتا کہ جو اس کو لے کر پیدا ہوا وہی اس پر قابض رہے گا۔ یہ تو وہ راستہ ہے جو ہر خاص و عام کے لیے کھلا ہے۔ کمال اس رستے سے ہٹ گیا اور میں اس رستے پر چل پڑا اس میں ہمارا کوئی کارنامہ نہیں تھا۔ سب کچھ اللہ کی مرضی سے ہوا لیکن اس کے باوجود تم کو مجھ میں اور کمال میں مماثلت محسوس ہوتی ہے۔'' اس نے اس کی گزشتہ باتوں کا حوالہ دیا۔

''تم نے کہا کہ تمہیں مجھ میں اور کمال میں کوئی فرق نہیں نظر آتا۔ اس نے تمہیں بیچا اور میں نے تمہیں خرید لیا میں تمہیں بتانا چاہوں فینی مجھ میں اور کمال میں بہت فرق ہے۔ وہ کمال ہے میں برہان ہوں۔ وہ بچپن سے کمال تھا میں اب آ کر برہان ہوا ہوں۔ وہ شروع سے اللہ کو جانتا تھا لیکن میں تو اب آ کر جاننے لگا ہوں۔ وہ اس دیس کا باسی تھا۔ جہاں دن میں پانچ مرتبہ مسلسل فلاح کی طرف پکارا جاتا ہے۔ جب کہ میں تو یہ پکار اب سن رہا ہوں۔ کمال گناہ کر رہا تھا۔ اور وہ جانتا تھا کہ وہ گناہ کر رہا ہے۔ جب کہ میں بھی گناہ کر رہا تھا لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں وہ گناہ ہے۔ وہ روشنی سے تاریکی کی طرف چل دیا تھا جب کہ میں تو روشنی کی تلاش میں ہوں...... وہ اگر چاہتا...... بہر حال......''

وہ یکدم خاموش ہوا اور اپنے حوصلے مجتمع کرنے لگا۔

''اگر تم چاہو تو واپس اپنی دنیا میں جا سکتی ہو۔ تم چاہو تو میں اپنا راستہ الگ کر لوں گا۔ اور کبھی تمہارے

راستے میں نہیں آؤں گا۔ لیکن اگر تم نہیں چاہو گی تو میں ایسا بھی نہیں کروں گا۔ آخری فیصلہ تمہارا ہی ہو گا۔''

برنی نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر دائیں بازو کو آنکھوں پر رکھ لیا۔ ٹانگیں پہلے ہی میز پر پھیلا رکھی تھیں۔ فاطین گم صم ایک ٹک اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اتنی سرد مہری اس نے کبھی بھی برنی کے انداز میں نہیں دیکھی تھی۔ کتنا دکھ دے رہی تھی اسے۔ اس کی آنکھوں سے ڈھیرے ڈھیرے پانی بہنے لگا۔

''تمہیں چھوڑ دینے کا مطلب ہے خود کو چھوڑ دینا' اور کوئی خود کو کیسے چھوڑ سکتا ہے۔''

اس نے دل ہی دل میں خود سے کہا، آنسوؤں کی دھند ذرا کی ذرا آنکھوں کے سامنے سے چھٹی تو اس نے دیکھا برنی کرسی پر نہیں تھا۔ اس نے ایک دم سے کمرے میں نظر دوڑائی۔ برنی بڑی سی کھڑکی کے پاس کھڑا باہر دیکھ رہا تھا۔ اس کی پشت فاطین کی طرف تھی اور نظریں خلاؤں میں مرکوز کسی غیر معمولی مرئی نقطے کو کھوج رہی تھیں۔ وہ دھیرے سے چلتے ہوئے اس کے قریب آ گئی پھر اس کی پشت سے سر ٹکا کر اس نے بے آواز رونا شروع کر دیا۔ برنی ایک لمحے کو چونکا اور پھر سابقہ انداز میں سامنے دیکھنے لگا۔ وہ خاصی دیر تک روتی رہی تو برنی نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا تو وہ جو اس کی پشت سے سر ٹکائے رونے میں مشغول تھی اس کے سیدھے ہونے پر اس کے سینے سے جا لگی۔

رونے کے ساتھ ساتھ وہ کچھ بڑبڑا بھی رہی تھی۔ برنی نے اس کے الفاظ کو سمجھنے کی کوشش کی۔ مگر ناکامی پر بہت نرمی سے اس کے چہرے کو ہاتھوں میں لے کر استفہامیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ فاطین نے دیکھا اس کی آنکھوں میں سرد مہری کے بجائے تحیر ہلکورے لے رہا تھا۔ اور چہرے پر آس و نراش کی عجب کیفیتیں دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے اپنے بازو اس کی گردن میں حائل کر کے چہرہ اور بھی شدت سے اس کے سینے میں چھپا لیا۔

''مجھے معاف کر دو برنی! مجھے معاف کر دو۔ مجھے مت چھوڑو میں تمہارے بغیر مر جاؤں گی۔ میں نے اپنوں کے بغیر جینا سیکھ لیا ہے۔ مگر تمہارے بغیر جی نہیں پاؤں گی۔ پلیز برنی۔''

وہ بلک رہی تھی۔ اس کے آنسوؤں سے برنی کی شرٹ میں نمی سرایت ہو رہی تھی اور اسے اس چیز' کا احساس بھی نہیں تھا بس وہ روئے چلی جا رہی تھی۔

چند لمحوں بعد اس نے اپنے گرد بازوؤں کا حلقہ محسوس کیا تھا اور ساتھ ہی سر پر ایک مخصوص لمس' کا احساس ہوا' پھر ایک لہجہ اس کے کان کے قریب آ ٹھہرا تھا۔

''مت روؤ میری جان! تمہارا رونا مجھے تکلیف دیتا ہے۔''

فاطین نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھنا چاہا لیکن اس کی بانہوں کے حلقے کی وجہ سے ناکام ہو گئی اور اس ناکامی میں بھی فاطین کی جیت پنہاں تھی۔ برنی کی لگاوٹ نے اسے جیت کا بھرپور احساس دلایا تھا۔

''میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی برنی! میں تمہارے بغیر مر جاؤں گی۔'' وہ ایک دفعہ پھر بولی۔

''میں بھی تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا فینی! میں بھی تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا فینی! میں بھی تمہارے بغیر مر جاتا۔''

فاطین نے اپنے کانوں میں اس کی آواز سنی اور ساتھ ہی ساتھ اپنے گرد اس کی گرفت کی مضبوطی کو محسوس کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

لندن سے لنکا شائر تک سفر اسے ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے ماضی سے حال تک کا سفر کر رہا ہو۔ ٹیوب میں بیٹھے بیٹھے اس نے کتنی مرتبہ ہی ماضی کو کھنگالا تھا اور ہر دفعہ ہی اس کا دل عجیب سے دکھ سے دوچار ہوا تھا۔

''بہت بھروسہ تھا نا حسن صاحب! آپ کو اپنی مردم شناسی پر اڑتی چڑیا کے پر گن لینے کے دعوے کیا کرتے تھے۔ آپ تو۔ پھر کیا ہوا کہ آپ دھوکا کیسے کھا گئے۔''

اس نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر خود کلامی کی۔ ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا سیاہ فام شخص ذرا کی ذرا متوجہ ہوا۔ پھر حسن کے چہرے پر پریشانی رقم دیکھ کر بہت دوستانہ انداز میں بولا۔

''آر یو ورید مین۔''

حسن نے اس کی آواز سنی مگر جواب نہ دیا تو وہ شخص کندھے اچکا کر دوبارہ سے اپنے میگزین کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس کے اردگرد تمام لوگ سفید فام تھے، سوائے اس ایک شخص کے اور خود وہ پاکستان میں تو اچھا خاصا گورا رنگ رکھتا تھا مگر یہاں لندن آ کر یہ رنگ براؤن ہو جاتا اور یورپین گوروں کو اس براؤن رنگ سے نفرت تھی۔ گیارہ ستمبر کے واقعہ کے بعد تو اس نفرت میں بے پناہ اضافہ ہوا تھا۔ یہ انگلستان کا اس کا دوسرا چکر تھا پہلی دفعہ وہ بہت تھوڑے عرصے کے لیے آیا تھا اور اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کی ملاقات فاطین اور اس کے برٹش شوہر سے ہو جائے گی۔ اس نے اپنے دوست ولید کے ساتھ پاکستان میں لیدر گڈز کا کاروبار شروع کیا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کے کاروبار میں ترقی ہونے لگی تو ولید نے اسے اور پھیلانے کا ارادہ ظاہر کیا ان دنوں حسن آسٹریلیا میں تھا۔

کاروبار میں وسعت کی غرض سے ولید نے اسے پاکستان آ جانے کے لیے کہا۔ وہ پاکستان آیا تو اسے فاطین کے متعلق پتا چلا تھا کہ وہ اپنے شوہر کو چھوڑ کر ایک برٹش کے ساتھ رہ رہی ہے۔ یہ ساری باتیں اسے کمال کے بڑے بھائی نے خود بتائی تھیں اور اسے ان پر قطعاً یقین نہیں آیا تھا۔ لیکن پھر جب وہ اور ولید اپنی پہلی کنسائنمنٹ لے کر انگلینڈ آئے تو حسن نے خود فاطین کو ایک سفید فام شخص کے ساتھ ایک اسٹور پر شاپنگ کرتے دیکھا تھا۔ فاطین کا سراپا چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ وہ پریگنٹ ہے۔ حسن اس کو مخاطب نہیں کرنا چاہتا تھا مگر جانے اس کے دل میں کیا سمائی کہ جان بوجھ کر وہاں کھڑا ہو گیا۔ جہاں فاطین اس کو با آسانی دیکھ سکتی تھی۔ اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہا تھا۔ فاطین نے نہ صرف اسے دیکھا تھا بلکہ اس نے اسے مخاطب بھی کیا تھا اور وہاں حسن نے اسے بے نقط سنائی تھیں اور دل میں سوچا تھا کہ۔

''کاش فاطین تم مجھے نہ ملتیں۔'' اور اب جب کہ وہ دو سال بعد دوبارہ ادھر آیا تو بار بار اس نے سوچا تھا۔

''کاش فاطین! میں تم سے نہ ملتا۔''

لندن کا یہ سفر بظاہر معمولی وجوہات کی بنا پر کیا تھا۔ مگر اب اسے لگ رہا تھا کہ یہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہو گیا ہے۔ دو سال پہلے جب انہوں نے انگلینڈ میں اپنی برانچ کا افتتاح کیا تھا تو اسے اور ولید کو بالکل یقین نہیں تھا کہ وہ اتنے کامیاب ہو جائیں گے۔ مگر اللہ کا بے انتہا کرم ہوا تھا اور کاروبار نے بے پناہ ترقی کی تھی۔

لیکن گیارہ ستمبر کے حادثے نے امریکہ کو ہی نہیں سارے یورپ کو مسلمانوں سے خوفزدہ کر دیا تھا۔ ولید تو تب ہی سے انگلینڈ میں تھا اور اب اس نے حسن کو بھی یہاں بلا لیا تھا۔ اس لیے حسن کو آنا پڑا تھا۔ ولید یہاں ایک انڈین نو مسلم لڑکی سے شادی کر رہا تھا۔ چونکہ اس کے والدین حیات نہیں تھے اور کوئی اور رشتہ دار بھی نہیں تھا۔ سو حسن نے ایک دوست اور بھائی کی حیثیت سے اس شادی میں شرکت کی تھی۔

ولید کی ہونے والی دلہن بھی پہلے ہندو تھی۔ مگر ولید سے شادی کے لیے اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ولید اس شادی سے خاصا خوش تھا۔ حالانکہ اس کی بیوی کی یہ دوسری شادی تھی۔ اس کا پہلا شوہر اس کا ہم وطن اور ہم مذہب تھا۔ ایک حادثے میں وہ لنگڑا ہو گیا تھا۔ پھر کچھ عرصہ بعد اس نے زہر کی گولی کھا کر خودکشی کر لی تھی۔

''بھابھی تمہاری کس چیز سے متاثر ہوئی ہیں ولید؟ تمہاری شخصیت سے یا تمہارے شائستہ اطوار سے؟'' اس نے شادی والے روز ولید سے پوچھا تو وہ مسکرا کر بولا۔

''تم خود پوچھ لونا۔'' یہی بات اس نے سمیعہ بھابھی سے پوچھی تو وہ بولیں۔

''یقین کریں حسن صاحب! میں ولید سے متاثر نہیں ہوئی۔ میں ایک اور شخص سے متاثر ہو کر اسلام کی طرف راغب ہوئی تھی اور اس کے انعام کے طور پر اللہ نے مجھے ولید جیسا شوہر دیا ہے۔''

حسن نے سوچا تھا وہ فارغ وقت میں بھابھی سے کہ جن کا پرانا نام سجاتا ورما تھا اس شخص کے متعلق ضرور دریافت کرے گا جو انہیں اسلام کی طرف راغب کرنے کا باعث بنا لیکن یہ پوچھنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔

ولیمہ کی سادہ سی تقریب کے بعد حسن ان کے فلیٹ پر ہی ٹھہر گیا تھا اور وہاں یونہی ایک البم دیکھتے ہوئے اس کی نظر ایک فوٹو گراف پر جمی رہ گئی۔ وہ فاطین اور اس کے شوہر اور بچے کی تصویر تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ بھابھی سے اس تصویر کے متعلق استفسار کرتا وہ خود ہی اسے بتانے لگیں کہ یہ ہی وہ شخص ہے جس سے متاثر ہو کر وہ اسلام کے دائرہ میں داخل ہوئیں۔ بھابھی ان دونوں کے متعلق سب کچھ جانتی تھیں اور انہوں نے حسن کو وہ سب کچھ بتا دیا تھا۔

''یہ لوگ لندن میں ہی رہتے ہیں؟'' حسن نے آخر میں یہی ایک سوال کیا تھا۔

''نہیں آج کل یہ لنکا شائر کے چھوٹے سے قصبہ نما شہر میں رہتے ہیں۔ دراصل برنی کو مسلمان ہونے اور مسلمان بیوی کا شوہر ہونے کی وجہ سے ایف بی آئی کی طرف سے بہت سی تفتیشی کارروائیوں سے نپٹنا پڑا تھا۔ کچھ عرصہ سے برنی نے داڑھی رکھ لی ہے اور بہت زیادہ مذہبی ہو گیا ہے۔ جس کی وجہ سے اسے یہاں بہت مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ اس کے اپنے پرانے دوستوں کا رویہ بہت متعصبانہ ہو گیا تھا جس وجہ سے وہ اپنے آبائی گھر میں شفٹ ہو گیا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ کچھ عرصے تک کسی اسلامی ملک کی طرف نکل جائیں۔'' وہ اسے

تفصیلات سے آگاہ کررہی تھیں۔

''ہاں میں انہیں پاکستان لے جاؤں گا۔'' حسن نے کسی خیال کے تحت کھوئے ہوئے انداز میں کہا تو سمیعہ بھابھی تاسف سے بولیں۔

''پاکستان میں ممکن نہیں ہے۔ پاکستان میں فاطین کی فیملی ہوتی ہے۔ اور وہ کبھی اسے گرمجوشی سے قبول نہیں کریں گے۔ تب ہی یہ مسئلہ التوا میں پڑا ہے۔ ورنہ تو وہ لوگ بہت پہلے پاکستان چلے جاتے۔ آپ یقین کریں حسن بھائی! برنی بہت شاندار انسان ہے۔ ان کی ایک بیٹی ہے قریب قریب دو سال کی اور اسے ابھی سے یہ ماحول اس کے لئے نامناسب لگنے لگا ہے۔''

وہ اپنی باتوں میں حسن کے دھواں دھواں چہرے کو دیکھ ہی نہیں پائی ولید کی نظر اس پر پڑی تو وہ حیران رہ گیا اور اس کے استفسار پر اس نے نادم دل کے ساتھ تسلیم کرلیا تھا کہ اس کا اور فاطین کا کیا رشتہ ہے۔ سمیعہ بھابھی فاطین کے جن گھر والوں کو تعصب پسند قرار دے رہی ہیں وہ ان میں سے ایک ہے۔

وہیں بیٹھے بیٹھے اس نے دل میں فیصلہ کیا تھا اور اس سے ایڈریس لے کر اسی وقت لنکا شائر کی طرف نکل پڑا تھا۔ ٹیوب ٹرین ایک جھٹکے سے رک گئی تھی وہ باقی لوگوں کی طرح اٹھ کر باہر آ گیا۔ ٹرین آگے بڑھ گئی اور وہ وہیں کھڑا رہ گیا۔

حسن نے سردی کی شدت کو کم کرنے کے لئے دونوں ہاتھوں کو آپس میں رگڑ کر حرارت پیدا کرنے کی کوشش کی پھر ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے آگے قدم بڑھائے۔

''ایکسکیوزمی مسٹر! تم حسن ہونا؟'' اس نے مڑ کر دیکھا ایک جانا پہچانا چہرہ منتظر تھا۔ حسن نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''میں برنی ہوں۔ مجھے مسز سمیعہ نے فون کیا تھا۔'' وہ ہاتھ مصافحے کے لیے آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ حسن نے ہاتھ تھام کر پھر اسے گلے سے لگالیا۔

☆ ☆ ☆

''اگر آپ غلطی سے کسی ایسی گاڑی میں بیٹھ جائیں جو آپ کی منزل کی طرف نہ جاتی ہو تو پھر آپ کیا کرتے ہیں؟ آپ اس گاڑی سے اتر جاتے ہیں اور ایک دوسری گاڑی میں سوار ہو جاتے ہیں جو سیدھی آپ کی منزل کی طرف جاتی ہو۔ یہی نا؟ یہی کرتے ہیں نا؟'' اس نے لمحہ بھر کو رک کر حسن بھائی کی طرف دیکھا جو اس کے سامنے شرمندہ شرمندہ بیٹھے تھے۔

''ہر ہوش مند شخص یہی کرتا ہے۔ حسن بھائی میں نے بھی یہی کیا ہے۔ امی ابا نے مجھے ایسی گاڑی میں سوار کر دیا تھا جو میری منزل کی طرف جانے کی بجائے مخالف سمت میں چل رہی تھی۔ مجھے منزل تک پہنچنے کے لیے گاڑی تبدیل کرنا پڑی۔ مجھے کمال کو چھوڑنا پڑا حسن بھائی لیکن...... لیکن یہ ایک دم نہیں ہوا۔ میں نے کمال کو سیدھی راہ پہ لانے کے لیے بہت انتظار کیا مگر وہ کتے کی دم کی طرح تھا، حسن بھائی! وہ سیدھا نہیں ہوا۔ آپ جانتے ہیں حسن بھائی! اس نے مجھے کتنے پاؤنڈ میں بیچا؟''

''پلیز فاطین! کچھ مت کہو۔ کچھ بھی نہیں۔ سب بھول جاؤ۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔ میں نے تمہیں نہیں پہچانا۔ لیکن قصور میرا نہیں جمال اور کمال نے ہمیں تمہارے بارے میں بہت عجیب و غریب باتیں بتائی ہیں۔ مجھے یقین نہیں آیا تھا مگر جب میں نے تمہیں...... تمہارے شوہر کے ساتھ دیکھا تو مجھے لگا ہمیں جو کچھ بتایا گیا وہ سچ ہے۔ کمال نے کہا تھا کہ اس نے تمہیں طلاق نہیں دی اور تم نے......''

''وہ جھوٹا ہے، وہ بہت جھوٹا ہے۔ حسن بھائی!''

فاطین یکدم رو پڑی۔ حسن نے بہت محبت سے اسے اپنے ساتھ لگا لیا اور تسلی دینے لگا۔

''میں جانتا ہوں گڑیا! تم بالکل فکر مت کرو۔ سب بہتر ہو جائے گا۔''

اس لمحے فاطین کو وہ بالکل پرانے والے حسن بھائی لگے جو ہمدرد تھے۔ محبت کرتے تھے۔ اس نے کھل کر آنسوؤں کو بہہ جانے دیا سو چند لمحوں بعد ہی شکوے شکایات کے بادل چھٹ گئے تھے۔ چند لمحوں کی جل تھل کے بعد ہر چیز پہلے سے زیادہ نکھر کر سامنے آئی تھی۔ برنی نے اسی لیے دونوں بہن بھائی کو اکیلے چھوڑ دیا تھا تاکہ وہ ایک دوسرے کی غلط فہمی دور کرلیں وہ خود سوئمنگ کے لیے چلا گیا تھا۔ حسن کو وہ بندہ سچ مچ بہت پسند آیا تھا۔ غلط فہمی دور ہوئی تو ہر چیز پہلے سے زیادہ بہتر اور زیادہ اچھی لگنے لگی تھی۔ وہی برنی جو انہیں عام سا سفید فام لگتا تھا۔ یکدم ہی بہت محترم بہت قابل عزت لگنے لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

''میں کسی اسلامی ملک میں سیٹل ہونا چاہتا ہوں۔'' وہ پرعزم انداز میں کہنے لگا۔

''بہت اچھی بات ہے لیکن......'' حسن جان بوجھ کر خاموش ہو گیا۔

''لیکن؟'' فاطین نے استفہامیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا جبکہ برنی نے صرف آنکھوں سے اشارہ کیا تھا۔ وہ کھانا کھا چکے تھے اور ابھی تک ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے تھے۔

''فاطین تو بہت آرام سے خود کو ایڈجسٹ کر لے گی۔ مگر آپ بہت مشکل میں پڑ جائیں گے برنی! کسی بھی اسلامی ملک کا ماحول شاید آپ کو سوٹ نہ کرے۔''

''مجھے صرف فینی کی خوشی عزیز ہے۔ جہاں یہ خوش رہے گی میں وہاں خود کو ایڈجسٹ کرلوں گا۔ میں چاہتا ہوں میری بیوی اور میری بچی ایک ایسے ماحول میں پرورش پائیں جہاں انہیں کوئی خوف و ہراس نہ ہو۔ آج سے کچھ عرصہ پہلے تک ایسا قطعاً نہیں چاہتا تھا مگر اب میں دیکھ رہا ہوں کہ یہاں کے لوگ مسلمانوں کے ساتھ کچھ اچھی طرح سے پیش نہیں آتے۔ ان کی خواتین کو بے وجہ پریشان کیا جاتا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ کل کو میری فاطین اور مریم کو ایسی صورتحال کا سامنا کرنا پڑے۔''

اس نے بہت محبت سے بیوی اور بچی کا نام لیا۔ حسن بھائی حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''کون کہتا ہے کہ یورپ کے رہنے والوں کو اپنی غیرت کا پاس نہیں؟''

انہوں نے دل میں سوچا۔ انہیں اپنے مسلمان ہونے پر شرم آئی۔ وہ دو دن سے ان کے گھر میں موجود تھے اور انہوں نے ایک نماز بھی نہیں پڑھی تھی جب کہ برنی پانچوں نمازیں پڑھتا تھا۔

"ہم فیصلہ کر چکے ہیں حسن بھائی! ہم انشاء اللہ پاکستان ضرور جائیں گے...... ہیں نا برنی؟"

اس نے فوراً پاکستان کا نام بھی لے دیا حالانکہ برنی نے صرف اسلامی ملک کی بات کی تھی۔ اور فاطین شاید بہت پہلے سے طے کر چکی تھی کہ اسے اپنے وطن ہی واپس جانا ہے۔ حسن نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ بہت روانی سے انگلش بولنے لگی تھی' حالانکہ پہلے اسے انگلش ہی سب سے برا مضمون لگتا تھا۔ بی اے میں بہت شاندار طریقے سے اس نے سپلی لی تھی۔

"ہم پاکستان ہی جائیں گے نا برنی؟" وہ ایک دفعہ پھر اپنے شوہر سے تائید چاہ رہی تھی۔

"جہاں کہو ڈیئر۔"

برنی کے انداز میں اس کے لیے بہت محبت تھی۔ حسن کو اس چیز نے بھی بہت خوشی دی تھی مگر اندر سے ان کا دل چاہا تھا کہ دونوں میاں بیوی کو روک دیں کہ وہ پاکستان میں رہائش اختیار نہ کریں ان کی ہنستی بستی زندگی کو نظر لگ جائے گی۔ انہوں نے صرف سوچا مگر کہہ نہ سکے۔ ہاں دل میں ان کی بہتری کے لیے دُعا ضرور کی تھی۔ چار ماہ بعد برنی اپنی بیوی فاطین اور اپنی بیٹی مریم کے ساتھ پاکستان آ گیا تھا۔



اس نے بہت گہری سانس بھرتے ہوئے اردگرد پھیلی تمام آکسیجن اندر اتار لی۔ ہر طرف عجیب سی اجنبیت تھی لیکن اس چیز نے اسے پریشان نہیں کیا کیونکہ وہ جانتا تھا۔ کہ اجنبیت تمام فانی چیزوں میں سے زیادہ فانی ہے۔ جسے ختم کرنے کے لیے فقط ایک مسکراہٹ درکار ہوتی ہے۔ اس نے فاطین کی طرف دیکھا جو بے حد خوش اور مطمئن لگ رہی تھی۔

اپنے وطن کی زمین پر قدم رکھتے ہی جیسے اس کی تمام شوخیاں لوٹ آئی تھیں۔ وہ بات بات پر مسکراہٹوں کے جادو بکھیر رہی تھی اس کی یہی مسکراہٹیں برنی کے اردگرد پھیلی اجنبیت کو ختم کرنے میں مددگار ثابت ہو رہی تھیں۔ یہ مٹی اسے عزیز تھی کیونکہ یہاں سے اس کے عزیز ترین وجود کا خمیر اٹھا تھا۔ فاطین کی خوشی کے لیے وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔ فاطین نے آنے سے پہلے اسے پاکستان کے ماحول کے بارے میں بہت اچھی طرح بتا دیا تھا۔

زمین کی آلودگی اور سب سے بڑھ کر ذہنی آلودگی کے بارے میں وہ فاطین کے ذریعے کچھ کچھ آگاہ ہو چکا تھا۔ بدقسمتی سے فاطین کا تعلق ایسے خاندان سے تھا جو پڑھ لکھ جانے کے باوجود فرسودہ روایات اور عقائد سے چمٹے ہوئے تھے۔ مگر برنی کو یقین تھا کہ وہ ان لوگوں اور حالات سے سمجھوتا کر لے گا۔"

"آخر مسٹر حسن جیسا روشن خیال اور شعور آدمی بھی تو تمہارے خاندان ہی کا حصہ ہے تم اس بارے میں فکر مت کرو فینی! میں تم سے لوگوں کے بارے میں کوئی شکوہ نہیں کروں گا۔"

اس نے فاطین کو اطمینان دلایا تھا۔ ائیر پورٹ سے لے کر شیرٹن ہوٹل تک وہ گاڑی کی کھڑکی سے باہر ہی جھانکتا رہا تھا۔ ہر طرف براؤن رنگ کے لوگ اپنی اپنی سرگرمیوں میں ملوث تھے۔ ٹریفک کے ناقص نظام پر فاطین نے ناک چڑھایا تھا' مگر وہ پھر بھی مطمئن بیٹھا رہا تھا۔ حسن انہیں ریسیو کرنے کے لیے آئے تھے۔

انہیں برنی کے ناک بھوں نہ چڑھانے پر قدرے حیرت ہوئی تھی۔ اور انہوں نے اس حیرت کا برملا اظہار کیا تھا۔

"میرے بارے میں فکر مندمت ہوں مسٹر حسن! میں مائنڈ میک اپ کر کے وہاں سے چلا تھا۔ میں جانتا ہوں پاکستان میں مکھیاں' عورتیں اور گاڑیاں بہت زیادہ ہیں۔"

ان کے استفسار پر وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ حسن بھائی نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا دیے۔ ان کا دل عجب سی کیفیت میں گھرا ہوا تھا۔ چار ماہ پہلے وہ انگلینڈ سے پاکستان آئے تھے۔ اور ان چار ماہ میں انہوں نے فاطین اور برہان کے لیے راولپنڈی میں رہائش تلاش کی تھی۔ کیونکہ وہ دونوں کراچی میں مستقل سکونت اختیار کرنے کے حق میں نہیں تھے ان کے کاغذات بھی حسن نے ہی بنوائے تھے۔ غرضیکہ جو کچھ ان کے بس میں تھا انہوں نے کیا مگر ایک کام وہ پھر بھی نہیں کر سکے۔

وہ فاطین کے والدین یعنی اپنے چچا چچی کو فاطین کو دوبارہ قبول کرنے کے لیے تیار نہیں کر سکے تھے۔ چچی' چچا کا کہنا تھا کہ ایک انگریز سے شادی کے بعد فاطین ہمارے لیے مر چکی ہے۔ برادری کیا کہے گی؟ طعنہ دے دے کر، انہوں نے حسن کے کان کھا لیے تھے بلکہ وہ اس حق میں بھی نہیں تھے کہ حسن ان سے ملے۔ اپنے بزرگوں کے مردہ دل دیکھ کر اسے حیرت ہوئی تھی۔ پھوپھو' پھپھا جان کے علاوہ دادا دادی پھپھو کے سسرال والے رامین جو فاطین کی چھوٹی بہن تھی اس کے سسرال والے بھی اس کے حق میں نہیں تھے کہ یہ لوگ فاطین اور اس کے شوہر سے ملیں اس صورت حال میں وہ رامین کی منگنی توڑ دینا چاہتے تھے۔

پھپھا جان کا چھوٹا بھائی جو آج سے بارہ سال پہلے خود ایک نیگرو افریقین عیسائی لڑکی کو بیاہ کر لایا تھا۔ سب سے زیادہ اس بات کے خلاف تھا کہ خود کو مرد بچہ قرار دے کر وہ ہر چیز کو اپنے لیے جائز سمجھتا تھا اور ایک لڑکی کی یہ حرکت اس کے لیے کبیرہ گناہ تھی جو ناقابل معافی تھا۔

انہوں نے دھمکی دی تھی کہ اگر پھپھو یعنی اس کی بھابھی اگر اپنے ایسے ناخلف رشتہ داروں سے ملیں گی تو وہ ان سے قطع تعلق کر لے گا۔ پھپھا جان نے سختی سے اپنی بیوی کو منع کیا تھا کہ ایسا کسی حال میں نہیں ہونا چاہیے ورنہ وہ انہیں طلاق دے دیں گے۔ ہر دوسرے روز پھوپھو اپنے دکھڑے فاطین کے امی ابا کے پاس آ کر روتی تھیں اور ان کے ارادوں کو اور پختہ کر جاتی تھیں۔ حسن کے دلائل یکے بعد دیگرے رد ہوتے چلے گئے تھے۔

وہ اپنے بزرگوں سے ہار گئے تھے۔ اسی واسطے انہوں نے فاطین لوگوں کو گھر ٹھہرانے کے بجائے ہوٹل میں ٹھہرایا تھا۔ "یہاں کی صورت حال بالکل ویسی ہے جیسی میں چھوڑ کر گئی تھی۔" چائے بناتے ہوئے فاطین نے بہت تاسف سے کہا تو کمرے میں پھیلی جامد خاموشی ٹوٹ سی گئی۔

"اب پہلے سے بھی برا حال ہے فاطین۔" حسن نے اردو میں کہا تا کہ برنی سمجھ نہ سکے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس صورتحال سے خوفزدہ ہو کر برنی واپسی کا ارادہ کرے۔ جبکہ اب برنی اردو سمجھ با آسانی لیتا تھا مگر بول نہیں سکتا تھا۔ سو حسن کی بات سن کر وہ ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"لیکن کیوں؟" اس کی بات پر حسن بھائی گڑبڑا سے گئے۔

"ساری دنیا دہشت گردی کی لپیٹ میں ہے۔ ہم کو بہت سے مسائل کا سامنا ہے۔" اسی گڑبڑاہٹ کا نتیجہ تھا کہ وہ بولے تو منہ میں سی۔این۔این اور بی بی سی کی زبان تھی۔

"میں نے...... میں نے تو کچھ اور سنا تھا۔ میرا مطلب ہے......" وہ خاموش سا ہو گیا اسے مناسب لفظ ہی نہیں مل رہے تھے حسن استفہامیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

"آپ...... آپ شاید ڈر گئے ہیں مجھے افسوس......"

"ڈر......؟ کس چیز کا ڈر......؟" برنی نے ان کی بات کاٹ کر حیرت سے کہا۔

"میں...... میں دراصل یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ عام طور سے ایسا نہیں ہوتا یہ سب جو ابھی راستے میں ہوا...... بس کبھی کبھی ہمسایہ ملک سے دہشت گردی کی وارداتیں......"

"اوہ میں سمجھا" آپ شاید موت کے ڈر کی بات کر رہے ہیں۔" برنی نے ایک دفعہ پھر ان کی بات کاٹ کر کہا تو حسن بھائی دل ہی دل میں اس کی سمجھ کو کوستے ہوئے بولے۔

"جی ہاں آپ ٹھیک سمجھتے ہیں۔"

"حیرت ہے ایک مسلمان ہوتے ہوئے آپ ایسی بات کیسے کر سکتے ہیں۔ مسلمان کبھی موت سے خوفزدہ ہوا ہے؟ میں تو ایک مسلمان ہوں میں موت سے خوفزدہ نہیں ہوں۔ آپ غلط سمجھے ہیں میں دراصل یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ یہ ملک دہشت گردی کی عالمی جنگ میں امریکہ کا اتحادی ہے۔ لیکن یہاں تو خود دہشت گردی کی اتنی وارداتیں ہوتی ہیں پھر یہ...... یہ کیسے ممکن ہے کہ......" وہ لمحہ بھر کو رکا اور پھر یکدم بات پلٹ کر بولا۔

"گلف وار میں بھی پاکستان نے ایسا کیا تھا شاید، لیکن تب جنگ کس چیز کے خلاف تھی؟"

حسن بھائی سمجھ گئے کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ لیکن اس کی بات کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ انہیں لگا جیسے وہ پاکستان اور پاکستانیوں پر طنز کر رہا ہے۔ مگر اس کے چہرے پر ایسے تاثرات تھے جیسے وہ سچ مچ یہ بات سمجھ نہ پا رہا ہو اور حسن سے اس جواب کا متمنی ہو۔ آخر وہ اس ملک میں ہمیشہ کے لیے سکونت اختیار کرنے والا تھا۔ اسے ہر چیز کے متعلق جاننے کا حق تھا، چاہے وہ حکومتی پالیسی ہو یا لوگوں کا عام فہم رویہ۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے مطمئن کرنے کی کوشش کرتے فاطین نے ان کی توجہ چائے کی طرف دلا دی۔

☆ ☆ ☆

"فینی! میں تمہارے مام اور ڈیڈ سے بذات خود ایکسیوز کر لیتا ہوں۔ غلطی بھی تو میری ہی ہے نا۔"

وہ اس کی پرنم آنکھوں کو دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ایک ہفتہ تک اسے اس چیز سے بے خبر رکھا گیا تھا کہ اس کے سسرالی اس سے ملنا نہیں چاہتے۔ اس دوران حسن نے اسے شہر کی چیدہ چیدہ قابل دید چیزیں دکھا دی تھیں۔ وہ ان سب جگہوں کو دیکھ کر خوش ہوا تھا اور کر بھی کیا سکتا تھا اسے یہاں رہنا تھا تو ہر چیز کو قبول بھی کرنا تھا اور اس نے یہی حقیقت سب سے پہلے قبول کی تھی۔ ایک ہفتہ گزرنے کے بعد بھی جب فینی کے والدین سے ملاقات نہ ہوئی تو اسے خود حسن سے کہنا پڑا کہ وہ ان لوگوں سے ملنا چاہتا ہے۔ حسن نے مناسب اور نرم لفظوں میں تمام حقیقت بتا دی تھی۔ اسے یہ سب سن کر شرمندگی ہوئی آخر وہ ہی تو اس صورت حال کا ذمہ دار تھا۔ اسی کی

وجہ سے توفینی کو اپنے والدین کی عدم توجہی کا شکار ہونا پڑا تھا جبکہ فاطین کا رویہ عجیب تھا۔ ایک طرف تو ان کو یاد کر کے روتی تھی اور دوسری طرف ان کے رویوں پر غصہ ہو رہی تھی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے ایکسیوز کرنے کی۔ ہم نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ یہ میرا شرعی حق تھا۔" برنی کے کہنے پر وہ تنک کر بولی۔

"لیکن ڈیئر! تم نے وہ حدیث پڑھی ہے نا جس میں ماں باپ کے حقوق کے بارے میں تفصیل سے بتایا گیا ہے۔" وہ اس کے پاس اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی دلی تمنا تھی کہ یہ مسئلہ حل ہو جائے تا کہ وہ اس احساس گناہ سے چھٹکارا حاصل کر سکے جو اکثر اوقات اس کا گھیراؤ کر لیتا تھا۔

"ایسی ایک نہیں بہت سی احادیث ہیں برنی! جس میں ماں باپ کے حقوق کی وضاحت کی گئی ہے اور ایسی بھی بہت سی احادیث ہیں جن میں اولاد اور خاص طور پر بیٹیوں کے بارے میں تفصیلاً ذکر کیا گیا ہے۔ اگر امی ابا نے یہ احادیث نہیں پڑھیں تو سمجھو ہم نے بھی نہیں پڑھیں۔" وہ منہ بنا کر بولی۔ برنی اس کے اس طرح کہنے پر مسکرایا پھر کہنے لگا۔

"ہم اپنے فرائض کی بات کرتے ہیں ڈیئر! تبدیلی کا عمل پہلے اپنی طرف سے شروع کیا جانا چاہیے رہی احادیث پڑھنے یا نہ پڑھنے کی بات تو یہ تو اپنا اپنا نقطہ نگاہ ہے۔ اللہ نے کیا کہا' رسول ﷺ نے کس طرح پہنچایا اور کس طرح وضاحت کی۔ میں بحیثیت انسان اس پر کس طرح عمل کر رہا ہوں۔ "اللہ رسول اور میں" میرے نزدیک یہ تین باتیں اہم ہیں۔ میں "اللہ رسول اور تم" کی بات کیوں کروں جبکہ مجھے "اللہ رسول اور میں" کی بات پہلے کرنی چاہیے۔ غلطی میری ہے تو مجھے پہلے اپنی ہی غلطی ٹھیک کرنی چاہیے۔ باقی لوگ کیا کر رہے ہیں یا کیا نہیں کر رہے یہ تو میرے عمل کے بعد کی بات ہے۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟" وہ تائید لینے والے انداز میں بولا تو وہ مسکرا کر بولی۔

"یہی تو پرابلم ہے برنی! تم ہر بات ٹھیک کہتے ہو۔"

"قرآن اور حدیث سے سیکھا ہے ڈیئر!" وہ اسی بشاشت سے بولا۔ فاطین اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ انتہائی سفید رنگت پر لائٹ براؤن داڑھی اور سب سے بڑھ کر اس کے چہرے پر کوئی عجیب سی کیفیت تھی جو اس کی شخصیت کو وقار بخشتی تھی۔ برنی کو بھی اپنے چہرے پر فاطین کی نگاہیں محسوس ہوئیں تو مسکراتے ہوئے بولا۔

"کیا بات ہے۔ کیا بہت ہینڈسم لگ رہا ہوں؟"

فاطین منہ سے کچھ نہیں بولی مگر گردن ضرور اثبات میں ہلا دی۔ جس پر وہ بے تحاشا خوش ہوا اور پھر اس کا ہاتھ تھام کر کہنے لگا۔

"صرف تمہاری وجہ سے۔" وہ اسی طرح سارا کریڈٹ اسے دے دیا کرتا تھا۔

"تم اپنے فیصلے سے مطمئن ہو نا برنی!" وہ اس کے کندھے سے سر ٹکائے ہوئے پاکستان آجانے کی بابت استفسار کر رہی تھی۔

"بے حد حد حساب۔ یہاں میں نے تمہارا ایک نیا روپ دیکھا ہے فینی! جو اس روپ سے بھی

زیادہ سحرانگیز ہے جو میں نے وہاں انگلینڈ میں دیکھا تھا۔ تم یہاں آ کر خوش رہنے لگی ہو۔ اس چیز نے تمہیں بے حد حسین بنا دیا ہے۔ اور یہی میرے اطمینان کی سب سے بڑی وجہ ہے۔"

فاطین نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا جہاں سچ مچ اطمینان ہی اطمینان تھا۔ آنکھوں میں سچائی کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر اور لہجے میں محبت ہی محبت پنہاں تھی۔

"یا اللہ! یہ شخص اتنا مہربان کیوں ہے۔"

اس نے ایک دفعہ پھر بڑی محبت سے اس کے کندھے پر سر ٹکا دیا۔

☆ ☆ ☆

انہیں ہوٹل میں رہتے ہوئے پندرہ دن ہو گئے تھے۔ اور مصالحت کی کوئی راہ نہیں دکھائی دے رہی تھی۔ فاطین کے گھر والوں نے دل و دماغ پر مضبوط قسم کے تالے لگا رکھے تھے۔ تب ہی تو دل پر فاطین کی محبت کا کوئی اثر ہو رہا تھا نہ ہی حسن کی دلیلیں دماغ کے بند دروازوں میں کوئی روزن تلاش کر پائی تھی۔ فاطین ان لوگوں کی طرف سے بالکل مایوس ہو گئی تھی۔ برنی نے بارہا کہا کہ وہ خود اس کے ماں باپ سے ایک دفعہ مل لینا چاہتا ہے۔ مگر فاطین نے سختی سے منع کر دیا تھا وہ نہیں چاہتی تھی کہ برنی کو ڈی گریڈ کیا جائے۔ اس دوران حسن بھائی تین مرتبہ رامین کو ان لوگوں سے ملوانے لائے تھے۔ رامین فاطین اور برنی سے مل کر خوش ہوئی تھی مگر مریم سے مل کر اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں رہا تھا۔ مریم نے نقوش ماں کے لیے تھے اور رنگت باپ کی پائی تھی۔ بالوں کا رنگ بھی سیاہ تھا۔ جس سے وہ صحت مند سی بچی بہت کیوٹ لگتی تھی۔ ان تین ملاقاتوں میں رامین نے ہر ممکن کوشش کی تھی کہ کس طرح مریم اسے ایک مرتبہ خالہ کہہ کر پکارے مگر مریم پکار کر نہ دی تھی۔ رامین اپنے سسرال والوں کے رویے پر بہت شرمندہ تھی جبکہ فاطین کو تو ماں باپ کا رویہ مارے ڈال رہا تھا۔

پندرہ دن کراچی میں گزارنے کے بعد وہ اپنے گھر راولپنڈی شفٹ ہو گئے تھے جہاں ان کی زندگی کا ایک اور دور شروع ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

راولپنڈی برنی کو پسند آیا تھا کیونکہ کراچی کی نسبت گرمی کم بہت تھی۔ کراچی کی نسبت یہ شہر چھوٹا تھا اس لیے پرسکون بھی تھا۔ سب سے بڑھ کر یہاں فاطین کے گھر والے نہیں تھے کہ جن کو لے کر وہ دونوں میاں بیوی پریشان ہوتے تھے۔ لندن میں جس ملٹی نیشنل کمپنی میں برنی جاب کرتا تھا اس کی ایک برانچ راولپنڈی میں بھی تھی۔ سو اسے آسانی سے جاب مل گئی تھی۔ زندگی ایک خاص ڈگر پر دھیرے دھیرے چلنے لگی۔ انہیں پاکستان آئے ہوئے دو ماہ ہو گئے تھے ان کی مطمئن زندگی میں پہلا پتھر تب پڑا جب برنی کی ہیڈ آفس طلبی ہوئی۔

"بیٹھیں برنارڈ ڈکسن۔"

"تو آپ برہان احمد بھی ہیں۔؟" رچرڈ تھامس نے اس کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

"جی ہاں میں ہی ہوں۔" وہ بہت اطمینان سے بیٹھتے ہوئے بولا۔

"تم مسلمان ہو؟" رچرڈ تھامس کے لہجے میں حقارت سی تھی۔

"جی الحمدللہ۔" اس کے اس طرح کہنے پر ایک دفعہ پھر رچرڈ تھامس نے ناک چڑھائی۔

"کب ہوا یہ حادثہ۔" برنی نے ان کی بات پر مسکرا کر ان کی طرف دیکھا پھر کرسی کی پشت سے کمر ٹکاتے ہوئے بہت طمینان سے بولا۔

"ایک دن اللہ نے سوچا کہ وہ آئندہ زندگی میں مجھے مزید کسی حادثے سے دوچار نہیں رہنے دے گا بس اسی روز اس نے وہ حادثہ کر دیا۔"

اس کے اس درجہ اطمینان نے سامنے بیٹھے شخص کو سلگا کر رکھ دیا۔

"گویا تم مانتے ہو کہ یہ حادثہ ہی تھا؟" اپنی طرف سے اس نے برنی کو لاجواب کرنا چاہا تھا۔

"جی سر! بالکل مانتا ہوں یہ حادثہ ہی تھا میری زندگی کا خوبصورت ترین حادثہ۔ جس نے مجھے سر سے پاؤں تک بدل کر رکھ دیا ہے۔ میں آپ کی زندگی میں بھی کسی ایسے حادثے...... خوبصورت حادثے کے وقوع پذیر ہو جانے کی دعا کروں گا۔" وہ رسان سے کہنے لگا۔

"بس بس...... اتنی مہربانی کی ضرورت نہیں۔ میں نے تمہیں اس لیے نہیں بلایا۔" وہ کرختگی سے بولا۔

"جی سر! جیسا آپ چاہیں۔" اس کا اطمینان قابل دید تھا۔

"تمہیں کل اسلام آباد طلب کیا گیا ہے۔ وفاقی حکومت ایک مذہبی پروگرام آرگنائز کر رہی ہے۔ جہاں تمہیں مہمان کی حیثیت سے بلایا گیا ہے۔ شاید کسی دوسرے اسلامی ملک سے کوئی وفد آیا ہوا ہے۔ ہمارے یہاں سے تمہیں اور ایڈیسن ایڈگر کو بلایا گیا ہے۔ اس احمق نے بھی وہی غلطی کی تھی جو تم نے کی ہے۔ معلوم نہیں ہماری قوم کو کیا ہو گیا ہے۔ اپنے مذہب کے بارے میں کبھی ایک لفظ بھی نہیں پڑھا ہوتا اور غیروں کے مذہب میں دلچسپی لے کر اسے اپنا بھی لیتے ہیں۔ تم برنارڈ ڈکسن اور ایڈیسن ایڈگر کل اسلام آباد چلے جانا۔"

وہ اپنی بات مکمل کر کے سامنے پڑی فائل میں گم ہو گیا۔ برنی اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں تھا۔ رچرڈ تھامس نے اس کی طرف گھور کر دیکھا پھر بولا۔

"آپ تشریف لے جا سکتے ہیں۔ مسٹر برنارڈ ڈکسن۔"

"برنارڈ ڈکسن نہیں" برہان احمد سر!" برنی نے جیسے اس کی غلطی درست کی پھر اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"مجھے آپ سے کوئی بات کہنی ہے۔" رچرڈ تھامس نے ایسا چہرہ بنایا جیسے کہہ رہا ہو "بھونکیے۔"

"جو چیز لوگ دھڑا دھڑ کرنے لگیں وہ غلطی نہیں ہوتی اسے رجحان کہتے ہیں۔ اور لوگوں کا رجحان ہمیشہ اس چیز کی طرف مائل ہوتا ہے۔ جو سچ ہوتی ہے۔ حرف بہ حرف سچ نقطہ بہ نقطہ سچ۔ ایسا سچ جس سے فرار ممکن نہیں۔"

وہ اپنی بات مکمل کرنے کے بعد اطمینان سے اٹھ کر چلا گیا۔ یہ دیکھے بغیر کہ رچرڈ کا چہرہ اس کی بات سن کر کیسا بل ڈاگ جیسا ہو گیا تھا۔ اسے دعوتی کارڈ مل گیا تھا۔ جس میں اس کی پوری فیملی کو مدعو کیا گیا تھا۔ اسے

لگا یہ بہت دلچسپ پروگرام ہوگا جس میں اسے مذہب کے متعلق مزید جاننے کا موقع ملے گا۔ اس نے دل میں تہیہ کیا تھا کہ وہ اس پروگرام میں ضرور شرکت کرے گا۔ گھر پہنچ کر اس نے فینی سے ذکر کیا تو وہ بھی تیار ہوگئی۔ علی الصبح وہ اسلام آباد کے لیے روانہ ہوگئے تھے مگر وہاں پہنچ کر پتا لگا کہ گیارہ بجے کے قریب طلب کیا گیا ہے۔ سوا نہیں ایک ہوٹل میں ٹھہرنا پڑا۔ گیارہ بجے کے بعد وہ وہاں پہنچا تو تب بھی کوئی موجود نہیں تھا۔ اسے اتنی غیر ذمہ داری پر کچھ غصہ آیا مگر برداشت کر گیا۔ یہیں آ کر اسے پتا چلا کہ ایڈیسن ایڈگر کچھ پرسنل پرابلمز کی وجہ سے آ نہیں پایا۔

فاطین اور برنی وہیں بیٹھ کر انتظار کرنے لگے۔ تھوڑی دیر میں انہیں اتھارٹیز سے ملوادیا گیا تھا اور ان سے باقاعدہ معذرت کی گئی۔ بہرحال وہ تقریب اچھی تھی وہاں برنی کو اپنے جیسے اور بھی نومسلم لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا تھا جو اسلام سے متاثر ہو کر اس دائرہ میں داخل ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ یہ نشست بہت اچھی رہی۔ برنی کے پاکستان میں سوشل کو ٹیکلس بڑھانے میں اس تقریب نے بہت اہم کردار ادا کیا تھا۔ زیادہ تر لوگ اپنی مجبوریوں سے فرار کی خاطر حلقہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔

فاطین کے منع کرنے کے باوجود برنی نے ڈائس پر اس بات کا اعتراف کیا تھا کہ وہ ایک عورت کی خاطر مذہب کی تبدیلی پر مجبور ہوا تھا اور یہ بھی کہ مذہب میں اس کی دلچسپی شادی کے بعد پیدا ہوئی تھی۔ اس کے بعد اس نے حاضرین کو وہ مثبت تبدیلیاں بتائی تھیں جو مذہب کی تبدیلی کے بعد اس کی زندگی میں آئی تھیں۔

اس کی اس چھوٹی سی تقریر کے آخر میں بہت دیر تک تالیاں بجتی رہی تھیں۔ باقی شرکاء میں سے کسی کی تقریر پر اتنی تالیاں نہیں بجی تھیں۔ تقریب کے بعد بہت دیر تک فوٹو گرافرز اور اخباری رپورٹرز نے اسے گھیرے رکھا تھا۔ برنی کو یہ سب دیکھ کر کچھ زیادہ خوشی نہیں ہوئی تھی کیونکہ وہ دیکھ رہا تھا کہ واحد اس کو اتنا خصوصی پروٹوکول دیا جا رہا ہے۔ وجہ اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ باقی تمام لوگ سیاہ فام تھے اور افریقہ کے غریب ممالک سے تعلق رکھتے تھے۔ واحد برنی ہی سفید فام تھا۔ اتنے دن پاکستان میں رہتے ہوئے وہ یہ بات بہت اچھی طرح سے سمجھ گیا تھا کہ پاکستانیوں کے نزدیک رنگت کا سفید ہونا اور ظاہری شخصیت کا شاندار ہونا بہت اہمیت کا حامل ہے۔

"نہیں یہ بات نہیں ہے برنی! دراصل تم جن لوگوں سے ملے ہو وہ ہی گلیمر کی چکاچوند سے متاثر ہونے والے لوگ تھے ورنہ ساری پاکستانی قوم ایسی نہیں۔"

اس کے کھلم کھلا اپنی رائے اظہار کرنے پر فاطین نے سمجھایا برنی نے جواباً اس سے کچھ نہیں کہا مگر اسے فاطین کی بات سے اتفاق نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

اگلے دن ملک کے تمام بڑے اخباروں میں اس تقریب کی تصاویر چھپی تھیں۔ تمام تصویروں میں فاطین اور برہان احمد کو نمایاں کوریج دی گئی تھی۔ یہ اس سے چار دن بعد کی بات ہے۔ ایک پندرہ روزہ میگزین کی طرف سے ان کے گھر فون آیا وہ برنی کا انٹرویو کرنا چاہتے تھے۔

"میں نے بظاہر کوئی ایسا کارنامہ سرانجام نہیں دیا جس کی بنا پر میرا انٹرویو لیا جائے۔"

برنی نے بظاہر پرسکون انداز میں جواب دیا تھا۔ دوسری طرف سے اسے بتایا گیا کہ میگزین کا ایک حصہ اسلام اور اس کے شیدائیوں کے لیے مخصوص ہے۔ جس میں ایسے لوگوں کا تفصیلی انٹرویو شائع کیا جاتا ہے۔ جو بغیر کسی غرض کے اسلام کو اپناتے ہیں۔

"میں اور میرا مذہب یہ میرا انتہائی ذاتی معاملہ ہے۔ میں اس میں کسی کی مداخلت پسند کرتا ہوں نہ ہی یہ چاہتا ہوں کہ میرے ذاتی معاملات کو اس طرح سے اخبارات کی زینت بنایا جائے۔" اس نے دوٹوک انداز میں کہا۔

"اس سے اسلام کو فائدہ ہوگا سر! دوسرے لوگوں کو ترغیب ملے گی اور وہ اسلام کی تعلیمات کو اپنانے پر مجبور ہوں گے۔" دوسری طرف سے پھر اصرار کیا گیا۔

"جو چیز مجبور ہو کر اپنائی جاتی ہے وہ دیرپا نہیں ہوتی۔ آپ کیوں چاہتے ہیں۔ کہ......"

"پلیز سر! آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔"

برنی کی بات کاٹ دی گئی تھی۔ برنی نے مجبوراً ہو کر انہیں ہاں کہہ دی تھی۔ اسی روز شام کو وہ لوگ فوٹو گرافر کے ساتھ ان کے گھر آ گئے تھے۔ برنی کو بہت الجھاؤ والی باتیں نہیں آتی تھیں۔ انہوں نے جو پوچھا برنی نے صاف صاف بتا دیا۔ فون پر ہونے والی بدمزگی کو دور کرنے کے لیے برنی نے اپنے موڈ کو انٹرویو کے دوران بہت پرسکون رکھا تھا اسی لیے تمام گفتگو خاصے خوشگوار ماحول میں ہوئی۔ اس طرح برنی کی ذات کے متعلق بہت سی باتیں منظر عام پر آئیں۔ انٹرویو چھپ جانے کے بعد ان کے گھر میگزین کی ایک کاپی پہنچ گئی تھی۔ سچائی سے لبریز معصومانہ گفتگو اور اس کی شاندار شخصیت کی شاندار طریقے سے لی گئی تصاویر نے اس فیچر کو بے حد دلچسپ بنا دیا تھا جس کے بعد برنی کو بے شمار تعریفی خطوط ملے اور اس کے فیصلے کو سراہا گیا۔

اس طرح ایک میگزین میں انٹرویو چھپ جانے کے بعد اسے بہت سے دوسرے میگزینز نے بھی قائل کیا تھا مگر اس نے سہولت سے انکار کر دیا۔ اس کے لیے اس پر ہیڈ آفس سے دباؤ ڈالا گیا تھا۔

ایک روز سرکاری ٹیلی ویژن سے بھی بلاوا آ گیا۔ رمضان المبارک کے خصوصی پروگرامز کی ریکارڈنگ ہو رہی تھیں۔ اسے بھی ایک پروگرام کے لیے مدعو کیا گیا تھا۔ ایک گھنٹے کے اس پروگرام میں ایک دفعہ برنی سے وہی تمام باتیں دہرانے کے لیے کہا گیا جو پہلے میگیزنز کو بھی بتا چکا تھا۔ ریڈیو پر بھی دو مرتبہ اس کا انٹرویو پیش کیا گیا۔ اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے وہ تین ماہ میں لائم لائٹ میں آ گیا۔ برنی کو حیرت ہوتی تھی کہ اسے اس طرح سے کیوں پیش کیا جا رہا ہے۔ اس نے اس بارے میں حسن سے بھی بات کی تھی جن سے اس کی اچھی خاصی دوستی ہو چکی تھی۔

"گیارہ ستمبر کے بعد سے اسلام کے ماننے والوں میں بہت اضافہ ہوا ہے۔ لوگ زیادہ سے زیادہ اُن لوگوں کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں جو اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر اس طرف آ رہے ہیں۔ یوں سمجھ لیں پبلک ڈیمانڈ ہے۔ اسی لیے تو آپ کو جگہ جگہ انوائٹ کیا جاتا ہے۔ اس چیز کو انجوائے کریں برہان!"

اس کی ساری بات سن کر حسن نے اسے سمجھایا تھا۔ برنی کہنا چاہتا تھا کہ چند دن پہلے ایک عیسائی جوڑے نے جو ساہیوال کے کسی کرسچن ہاسپٹل میں خاکروب کی نوکری کرتا تھا، نے بھی اسلام قبول کیا ہے۔ ان لوگوں کو کیوں اس طرح سے پبلک کے سامنے نہیں لایا جا رہا۔ کیا پاکستانی لوگ صرف انگلینڈ ریٹرن اور یورپین عیسائیوں کے اسلام قبول کرنے کے قصوں میں انٹرسٹڈ ہیں۔ کیا انہیں اپنے ہم وطن مسلم لوگوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک اسلامی ملک میں کسی انسان کا کردار ادا کرنے کے لیے رنگ و نسل اور دولت کی کسوٹی کا معیار کیوں رکھا گیا ہے۔ ایک اسلامی ملک میں مساوات کا یہ حال کیوں ہے۔ لوگوں نے آخری نبی ﷺ کے آخری خطبے کو اتنا غیر اہم کیوں گرداننا شروع کر دیا ہے۔

لیکن اس نے کچھ بھی نہیں کہا تھا وہ خاموش رہا تھا لیکن اس کے دل پر چھائے غبار میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

''میں تو آپ سے بے خبر ہی رہا۔ مجھے بالکل نہیں پتا تھا کہ آپ اس قدر شاندار شخصیت کے مالک ہیں۔ اچانک کل اخبار میں فاطین بیٹا کی تصویر دیکھی تو آپ کے بارے میں پتا چلا۔ یقین جانیے بے حد خوشی ہوئی یہ دیکھ کر کہ اتنے پرنور چہرے والا انسان ہمارے خاندان کا حصہ ہے۔''

اس کے بالکل سامنے والے کاؤچ پر فاطین کے پھپھا جان بیٹھے کہہ رہے تھے۔ وہ پچھلے دو گھنٹے سے ان کے گھر میں تھے اور وقفے وقفے سے اس کی شان میں قصیدے پڑھ رہے تھے۔ ان کے بالکل ساتھ ان کی بیگم بیٹھی تھی۔ ایک طرف ان ہی کے چھوٹے بھائی اور بیوی براجمان تھیں۔ سامنے والے تخت پر فاطین کے امی ابا بیٹھے تھے۔ رامین کے ساس سسر بھی آئے ہوئے تھے۔ دوسرے لفظوں میں فاطین کا خاندان ان کے گھر ان سے ملنے اور معافی مانگنے آیا تھا۔ وہ تمام لوگ شرمندہ تھے اور اپنے طرز عمل کی معافی مانگنے آئے تھے وہ لوگ بار بار ان اخبارات کا حوالہ دے رہے تھے جس میں ان سب لوگوں نے ہی برنی کے بارے میں کچھ نہ کچھ پڑھا تھا۔ وہ سب اس کے ساتھ اپنے تعلق اور قرابت داری پر خوش تھے۔ ان لوگوں نے باری باری اسے اپنے اپنے گھر مدعو کیا تھا۔

برنی اس صورت حال پر حیران تھا۔ وہ لوگ جو اس سے ملنا نہیں چاہتے تھے جس کے ساتھ تعلق پر ان کے خاندان کا نام ڈوب جانے کا خطرہ تھا۔ وہ لوگ جو فاطین کو اس شادی پر گنہگار قرار دے رہے تھے کیسے یکدم اتنا بدل گئے ہیں۔ اسے کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ حقیقتاً پاکستان آ جانے کے بعد بہت سی باتیں اس کی سمجھ سے باہر تھیں مگر وہ انہیں تحمل سے سہ رہا، برداشت کر رہا تھا۔ فاطین اپنے تمام رشتہ داروں کو دیکھ کر بے پناہ خوش تھی۔ ماں باپ کی موجودگی میں اسے دوسرا کوئی نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔ برنی اور مریم جیسے کہیں پس منظر میں چلے گئے تھے۔

☆ ☆ ☆

''پاکستان میں اقلیتوں کا کردار اور اہمیت'' سیمینار کا موضوع یہی ہے۔'' ہفتے کی شام آپ پہنچ

جائیے گا۔ ٹی اے ڈی اے کی فکر نہ کیجیے گا۔'' ادھیڑ عمر کا بھدا سا آدمی اس کے سامنے بیٹھا کہہ رہا تھا۔ ایک نامی گرامی این جی او کے پی آر او کی یہ بات برنی کو ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

''اقلیتیں؟'' اس نے استفہامیہ نگاہوں سے ان صاحب کی طرف دیکھا' جنہوں نے اپنا نام جوگندر بیدی بتایا تھا۔

''اقلیتیں' یعنی ہندو' سکھ اور عیسائی جناب!''

''مگر میں ان سب کے بیچ کیا کروں گا' میں تو اقلیتوں میں شمار نہیں ہوتا۔'' برنی اب بھی سمجھ نہیں پایا۔

''مسلمان ہونے سے پہلے تو آپ ان ہی کا حصہ سمجھے جاتے تھے نا۔ یہ تو بعد کی بات ہے نا کہ آپ مسلمان ہوئے۔''

''میں ماضی سے پیچھا چھڑا کر یہاں آیا تھا مسٹر بیدی! میں کیا تھا' میں بھول چکا ہوں۔ اب مجھے اپنے حال اور مستقبل سے واسطہ ہے۔ مجھے امید ہے' آپ میری بات سمجھ گئے ہوں گے۔''

''ہم جانتے ہیں مسٹر برنارڈ ڈکس! آپ ہمارے سیمینار میں ضرور شرکت کریں۔ آپ کے خیالات سے آگاہی ہمارے لیے خوش قسمتی کا باعث ہے۔'' وہ شخص جان کو آ گیا تھا۔

''دو چیزیں میں آپ کو بہت پہلے بتا چکا ہوں کہ میں اب برنارڈ ڈکس نہیں ہوں' میں برہان احمد ہوں۔ نمبر دو' میں کوئی اسکالر یا انٹلیکچول نہیں ہوں۔ یہ میرے لیے کیسے ممکن ہے کہ میں ایسے سیمینار میں شرکت کروں جس کے موضوع کے بارے میں مجھے رتی برابر آگاہی نہیں۔ مجھے اس ملک میں آئے ہوئے بہت زیادہ عرصہ نہیں ہوا' میں یہاں کے حالات کے بارے میں بہت زیادہ نہیں جانتا۔ مجھے آپ معاف ہی رکھیے میں معذرت خواہ ہوں۔'' وہ بہت تحمل سے بولا۔ جوگندر بیدی نے چند لمحے اسے اپنی سخت نظروں کی زد میں رکھا پھر اسی انداز میں بولا۔

''آپ اپنی ڈیمانڈ بتا دیں مسٹر برہان! ہم یہ بھی کر لیں گے۔ میں تیاری کر کے آیا ہوں۔ آپ خود بھی جانتے ہیں کہ آپ کے کسی پروگرام میں شرکت کرنے سے میڈیا کوریج میں کس قدر اضافہ ہو جاتا ہے۔ اب ظاہر ہے اس کی کچھ نہ کچھ قیمت تو ہمیں چکانی ہی پڑے گی۔''

برنی کو اس شخص پر بے حد غصہ آیا۔ غصہ کرنا اور پھر غصے کی حالت میں اناپ شناپ بکنا اسے نہیں آتا تھا۔ اب بھی غصہ برداشت کرنے کی سعی میں اس کے کانوں کی لویں تک سرخ ہو گئیں۔ اس کے سفید رنگ میں عجیب سی سرخی نے جوگندر بیدی کو محتاط کر دیا وہ فوراً صفائی دینے والے انداز میں بولا۔

''آپ شاید میری بات......''

''مسٹر بیدی! بہت ہو چکا اب مزید نہیں۔ میں ایک لفظ بھی نہیں سننا چاہتا مزید ایک لفظ بھی نہیں۔ براہ مہربانی آپ یہاں سے تشریف لے جائیں۔ اس سے پہلے کہ میں بدتمیزی سے پیش آؤں آپ خود ہی میرا آفس چھوڑ دیجیے۔''

اس کی بات کاٹ کر وہ پھنکارا۔ جوگندر بیدی کو اس سفید فام مسلمان سے ایسی امید نہیں تھی وہ خاموشی سے اٹھ کر چل دیا۔ برنی گھر آ کر بھی خاصی دیر تک ڈسٹرب رہا اور اس روز اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ سونے کے لیے ٹرینکولائزرز کا سہارا لیا تھا۔ فاطین اور مریم نانا نانی کے پاس کراچی گئی ہوئی تھیں۔ بستر پر لیٹ کر نیند آنے تک وہ انہیں بے تحاشا مس کرتا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

''میری بیوی ہے جس سے میں بہت محبت کرتا ہوں۔ ایک بچی ہے جس میں میری جان ہے۔ اللہ نے کبھی مالی تنگی نہیں دی۔ میں اپنی زندگی سے مطمئن ہوں مگر...... مگر سکون نہیں ہے۔ مولانا صاحب! یوں لگتا ہے جیسے دل کے مقام پر کوئی پوری قوت سے اپنی ایڑی رگڑ رہا ہے۔ دل اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتا محسوس ہوتا ہے۔ پہلے میرے ساتھ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ اب کچھ عرصہ سے میں اکثر اوقات اس عجیب کیفیت کا شکار ہو جاتا ہوں۔ اس لمحہ مجھے لگتا ہے، میری ذات ایک جنگل کی مانند ہے، جس میں بڑے بڑے اونچے اونچے درخت لگے ہیں۔ اتنے اونچے کہ سورج کی روشنی زمین تک نہیں پہنچ پا رہی۔ زمین پر لمبی لمبی گھاس ہے خودرو پودے' جھاڑیاں ہیں' نمی ہے رطوبت ہے۔ ننھے منے دکھائی نہ دینے والے کیڑے ہیں۔ جب وہ حرکت کرتے ہیں تو میرے سارے جسم میں چونٹیاں رینگنے لگتی ہیں۔ ایسے میں' میں نڈھال ہونے لگتا ہوں۔ میرے اندر سے جینے کی خواہش ختم ہونے لگتی ہے۔''

وہ کھجور کے پتوں کی بنی صف پر مولانا صاحب کے قریب بیٹھا کہہ رہا تھا۔ وہ اس مسجد میں نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے آیا کرتا تھا۔ باقی دنوں میں پانچ نمازوں کی ادائیگی کے لیے وہ گھر کے قریب واقع ایک مسجد میں جاتا تھا۔ اس نے فاطین کو کراچی فون کیا تھا کہ اب وہ واپس آ جائے وہ اسے اور مریم کو مس کر رہا ہے۔ مگر فاطین ابھی مزید کچھ عرصہ کراچی میں اپنے والدین کے پاس رہنا چاہتی تھی۔ اس روز وہ اتنا دل گرفتہ ہو رہا تھا کہ نماز پڑھنے کے بعد بہت دیر تک مسجد میں ہی بیٹھا رہا۔ اس کے چہرے پر پھیلتے حزن و ملال کے سائے مولانا صاحب دیکھتے رہے پھر اس کے قریب آ کر بیٹھ گئے۔ ان کے پُرشفقت استفسار پر برنی نے اپنے دل کی کیفیت ان سے بیان کر دی تھی۔

''آپ خدانخواستہ پچھتا تو نہیں رہے؟'' اس کی ساری بات سن کر انہوں نے پوچھا تو ان کے سوال پر حیران سا رہ گیا۔

''نہیں مولانا صاحب! خدانخواستہ ایسا قطعاً نہیں ہے۔ میں اللہ سے دور نہیں ہوں لیکن مجھے لگتا ہے اللہ مجھ سے دور ہے۔''

''نہیں برہان صاحب! اللہ کبھی کسی سے دور نہیں ہوتا۔ وہ تو شہ رگ سے زیادہ قریب رہتا ہے۔'' مولانا کا انداز برنی کو بہت پسند آیا تھا۔

''آپ نماز پنجگانہ کے عادی تو ہیں نا؟'' مولانا نے اس سے پوچھا ان کی انگریزی ٹوٹی پھوٹی تھی

اور برنی کی اردو بہر طور کام چل رہا تھا۔

''جی ہاں' الحمدللہ پانچوں نمازیں باقاعدگی سے ادا کرتا ہوں۔''

''ماشاءاللہ' ماشاءاللہ۔'' وہ سر ہلاتے ہوئے کہنے لگے۔

''آپ ہر نماز کے بعد یا حی یا قیوم کی تسبیح کیا کیجئے اور کثرت سے درود شریف پڑھا کریں۔ سکون دینا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اور وہ یہ چیز بہت فراخ دلی سے بانٹتا ہے۔ اور کوشش کریں کہ نماز مسجد میں ہی آ کر ادا کریں اس کا بہت ثواب ہے۔'' یہ کہتے ہوئے مولانا کی آنکھوں کی رنگت کچھ تبدیل ہوئی تھی یا پھر برنی کو ہی محسوس ہوئی۔

وہ ان کا شکریہ ادا کر کے گھر آ گیا۔ مولانا برہان احمد کے بارے میں کافی کچھ اخبارات میں پڑھ چکے تھے بلکہ پہلی مرتبہ ایک میگزین کو برہان کے گھر کا ایڈریس انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے لکھ کر دیا تھا۔ وہ کافی عرصے سے جمعہ کی نماز ان کی مسجد میں ادا کرنے آتا تھا۔ جب انہوں نے اس کو اتنی اہمیت نہیں دی تھی لیکن جب سے وہ لائم لائٹ میں آیا تھا بہت سے لوگوں کی طرح مولانا کی نظر میں بھی اس کی اہمیت بہت بڑھ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

اگلے کچھ دن خاصے سکون میں گزر گئے تھے۔ وہ مولانا صاحب کی ہدایت پر تہہ دل سے عمل کر رہا تھا۔ اس نے سورۃ یاسین کی تلاوت والی آڈیو کیسٹ خریدی تھی۔ فارغ اوقات میں وہ بہت خشوع و خضوع سے اس تلاوت کو سنتا تھا۔ اس نے ابھی پورا قرآن عربی متن کے ساتھ نہیں پڑھا تھا اس لیے اسے ایسا کرنا پڑا تھا۔ اس دوران فاطین اور مریم بھی واپس آ گئی تھیں۔ ان کو دیکھ کر ہی برنی کے چہرے کی رونق لوٹ آئی تھی۔ دوسری طرف فاطین اسے دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی۔ کتنا بیمار لگ رہا تھا وہ۔

''یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا ہے۔ میں کراچی میں اتنے دن نہ لگاتی تو برنی کی حالت ایسی کبھی نہ ہوتی۔''

اس نے سارا الزام خود بخود اپنے سر لے لیا تھا۔ وہ کوشش کرتی کہ برنی کو زیادہ سے زیادہ وقت دے۔ برنی مولانا صاحب کے پاس زیادہ جانے لگا تھا۔ اخبارات میں برنی کا ذکر بھی اب کم ہونے لگا تھا اس سے بھی اس کو خاصا سکون ملا تھا۔ سو اس کے چہرے کا نور واپس آ گیا تھا۔ اسے لگا تھا کہ زندگی کے پرانے دن لوٹ آئے ہیں۔ درود شریف کی برکات نے سچ مچ اسے دلی سکون فراہم کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

''برہان صاحب! مجھے آپ سے ایک شکایت ہے۔'' اس روز وہ روٹین کے مطابق مسجد میں بیٹھا مولانا صاحب سے باتیں کر رہا تھا۔ جب اچانک انہوں نے کہا تو وہ حیرت سے استفسار کرنے لگا۔

''مجھ سے میں نے کیا کیا ہے۔ مولانا صاحب۔''

''آپ نے ہمارے مخالفوں سے دوستی کر لی اور ہمیں بتایا بھی نہیں۔'' ان کا انداز شکوہ کناں تھا۔

برنی کو ان کی بات چنداں سمجھ میں نہ آئی۔

''میں نے کن سے کس طرح؟''

''آپ نماز جمعہ کے لیے یہاں آتے ہیں اور باقی کی پانچ نمازیں اس مسجد میں پڑھتے ہیں نا؟'' انہوں نے علاقہ اور مسجد کا نام بتایا۔

''جی ہاں بالکل۔ میں اس مسجد میں ہی جاتا ہوں وہ میرے گھر سے بے حد نزدیک ہے۔ سہولت رہتی ہے۔''

''وہ لوگ ہمارے مسلک کے نہیں ہیں برہان صاحب۔''

''مسلک؟ میں سمجھا نہیں مولانا صاحب!'' وہ ہونقوں کی طرح ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''دراصل میں ان سب باتوں کے بارے میں بہت کم جانتا ہوں۔ وہاں انگلینڈ میں' میں نے احادیث پڑھی تھیں۔ قرآن کا بھی صرف ترجمہ ہی پڑھا ہے' تفاسیر وغیرہ نظر سے نہیں گزریں۔ اس کے علاوہ اسلامی تاریخ کے متعلق بس دو تین ہی کتابیں پڑھی ہیں میں نے۔ انگلش میں اتنا مواد دستیاب نہیں ہے۔

غلطی نہ ہونے کے باوجود وہ اپنی لاعلمی پر خاصا شرمندہ لگ رہا تھا۔ مولانا صاحب کو اس کی حالت دیکھ کر خاصی طمانیت ہوئی۔

مولانا کو اس کی سعادت مندی پسند آئی تھی۔ وہ برنی کو اور بھی بہت کچھ بے حد تفصیل سے سمجھانے لگے۔ خاصی دیر تک یہ گفتگو چلتی رہی۔

''تو گویا آج سے آپ ہمارے مسلک میں شامل ہیں۔'' اختتام پر مولانا نے کہا تو برنی صرف مسکرا دیا۔ حقیقت یہ تھی کہ اسے مولانا کی بہت سی باتیں سمجھ میں نہیں آئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

''آپ نے ہمارے ساتھ اچھا نہیں کیا برہان صاحب!'' اگلے روز جب وہ نماز ظہر کے لیے گھر کے نزدیک والی مسجد میں گیا تو امام صاحب اس سے کہنے لگے۔ وہ ایک دفعہ پھر حیران پریشان ان کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

''ہم نے سنا ہے کہ کل آپ نے ادھر علی الاعلان اپنے مسلک کے تبدیل کرنے کے بارے میں کہا ہے؟ وہ ایک دفعہ پھر لفظ ''مسلک'' پر حیران ہو کر ان کا چہرہ دیکھنے لگا۔

وہ بھی خاصی دیر تک اسے سمجھاتے رہے کہ ان کا عقیدہ زیادہ مضبوط ہے۔ وہ کس کس چیز کے قائل ہیں اور کس کس چیز کو نہیں مانتے۔ انہوں نے اسے قرآن کی آیات کے بھی حوالے دیے۔ برنی کے ساتھ سابقہ صورت حال تھی۔ کچھ سمجھ میں آیا' کچھ نہیں' لگتا تھا کل مولانا صاحب نے ہر بات ٹھیک کی ہے۔ اور آج لگ رہا ہے کہ امام صاحب زیادہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ اس کے ذہن میں بہت سے سوالوں کی تعداد میں اضافہ کر رہا تھا۔

اس روز جب وہ گھر لوٹا تو اس کے ہر طرف ایک ہی پکار تھی۔

''آپ ہمارے مسلک کے ہیں نا' آپ ہمارے مسلک کے ہیں نا۔'' پہلی مرتبہ اسے نماز پڑھتے

ہوئے ایک بے چینی کا احساس رہا۔

☆ ☆ ☆

''تم اپنا خیال کیوں نہیں رکھتے برنی!'' اس روز وہ فینی کی گود میں سر رکھے لیٹا تھا اور وہ محبت سے اس کے بالوں میں انگلیاں چلا رہی تھی۔ اس کی تھکی تھکی آنکھوں کو دیکھ کر اس نے کہا۔

''کیوں رکھوں تم جو ہو میرا خیال رکھنے کے لیے۔'' فاطین نے بہت مرتبہ یہ بات برنی کے منہ سے سنی تھی لیکن آج یہ بات اسے بہت نئی لگی کیونکہ برنی کی آنکھیں اس کے لفظوں کا ساتھ نہیں دے پا رہی تھیں۔

''برنی! تم کچھ پریشان ہو؟'' اپنے اندیشے کو زبان دی تھی اس نے۔

''نہیں ڈیئر!'' اس نے ترت جواب دیا تھا کہ وہ اس کے اندر چھپے بھید کو نہ پا لے۔

''کچھ چھپا رہے ہو مجھ سے؟''

''کیسی باتیں کر رہی ہو فینی! پہلے کبھی کچھ چھپایا ہے تم سے۔'' وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''پہلے نہیں چھپایا لیکن اب چھپا رہے ہو۔'' وہ اپنی بات پر ڈٹی رہی۔

''تم بدل گئے ہو برنی! پہلے سے بہت بدل گئے ہو تم۔'' برنی اس کے شکوے پر حیران ہوا۔ اسے لگتا تھا فاطین بدل گئی ہے اور فاطین سمجھتی تھی کہ وہ بدل گیا ہے۔ آخر ان کی زندگیوں میں غلط فہمی کی گنجائش کہاں سے نکل آئی۔ وہ فاطین کے مقابل بیٹھ گیا تھا۔

''میں نہیں بدلا فینی! میں بالکل نہیں بدلا۔ تم بدل گئی ہو' سر تا پیر بدل گئی ہو۔'' فینی وہ اس کا ہاتھ تھام کر کہنے لگا۔

''تمہیں میرا خیال نہیں ہے فینی! تمہاری زندگی کی ترجیحات بدل گئی ہیں۔ میں تمہاری زندگی میں کہاں ہوں فینی! شاید کہیں بہت پیچھے یا شاید کہیں بھی نہیں۔''

اس کا انداز بے حد دل گرفتہ مایوس اور ناامید تھا۔ فاطین کو اس کی بات سن کر جھٹکا لگا۔ وہ اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا کر چند لمحے اس کو تکتی رہی پھر اس کے گالوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

''ایسا کبھی مت سوچنا برنی! تم میری زندگی میں سب سے پہلے اور سب سے اہم ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں بدل جاؤں۔ میں نہیں بدلی برنی!''

''تم مجھے نظر انداز کرتی ہو فینی!'' ''تمہیں اپنے مام ڈیڈ انکل' آنٹی کے علاوہ کوئی نظر ہی نہیں آتا۔ تمہیں میں نظر ہی نہیں آتا فینی!'' برنی نے اس کے ہاتھ اپنے چہرے سے ہٹانے کی کوشش نہیں کی۔ وہ بالکل ایک معصوم بچے کی مانند شکوہ کر رہا تھا۔ اب کی بار فینی حیران نہیں ہوئی بلکہ اسے شرمندگی ہوئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ برنی کے شکوے کو کس طرح دور کرے۔

''میں تمہیں شرمندہ نہیں کرنا چاہتا تھا فینی! لیکن...... لیکن تمہارا اس طرح کرنا مجھے دکھ دیتا ہے۔''

''آئی ایم سوری برنی! آئی ایم سوری۔ تم نے مجھے احساس کیوں نہیں دلایا میری غلطی کا۔ میں اپنے

آپ کو سدھار لیتی۔ میں تمہیں کیسے نظر انداز کر سکتی ہوں۔ تم میرے لیے دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر ہو۔'' وہ کہتے کہتے رو پڑی۔ برنی کو شرمندگی ہوئی۔ اس نے سوچا تھا' اسے فینی سے شکوہ نہیں کرنا چاہیے تھا مگر وہ کیا کرتا وہ سچ مچ پریشان تھا۔ فینی کے علاوہ کون تھا جس کے سامنے وہ دل کی بھڑاس اور غبار نکالتا۔ اس نے فینی کے ہاتھوں کو تھام لیا پھر انہیں چومتے ہوئے بولا۔

''مت روؤ فینی! میرے لیے تمہارے آنسوؤں سے زیادہ تکلیف دہ چیز اور کوئی نہیں۔'' وہ چپ نہ ہوئی تو برنی نے اسے گدگدانا شروع کر دیا۔ اس کا نتیجہ حسب منشا نکلا تھا۔ وہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ مسکرانے لگی۔ برنی دوبارہ اس کی گود میں سر رکھ کے لیٹ گیا۔

''میں آئندہ دھیان رکھوں گی برنی! میں آئندہ تمہیں شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔'' فینی دوبارہ اس کے بالوں میں انگلیاں چلانے لگی۔ برنی کا موڈ خوشگوار ہو گیا تھا' یہ بات سن کر۔

''ایک بات پوچھوں فینی!''

''ہوں۔'' اس نے صرف ہنکارا بھرنے پر اکتفا کیا۔

''اگر کبھی میں تمہاری کوئی جائز بات نہ مانوں یا تمہاری کسی خواہش کو پورا نہ کر پاؤں تو تم مجھے معاف کر دو گی۔''

''میں کبھی کوئی ایسی خواہش نہیں کروں گی برنی! جو تم پوری نہ کر پاؤ۔'' وہ بہت محبت سے بولی۔

''اس کے باوجود اگر کبھی ایسا ہو تو پلیز فینی! مجھے معاف کر دینا۔ کر دو گی نا۔''

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔ جب تک فینی نے مسکرا کر اثبات میں سر نہ ہلایا اس نے نظروں کا زاویہ تبدیل نہیں کیا۔ اس کے بعد اس نے بہت سکون سے آنکھیں موند لی تھیں۔

☆ ☆ ☆

''میں حاتم واحدی ہوں۔'' اس شخص نے مصافحہ کے لیے ہاتھ آگے بڑھانے کے ساتھ تعارف کروایا۔ برنی اسے اپنے گھر دیکھ کر کچھ حیران ہوا کیونکہ وہ اسے پہلے سے نہیں جانتا تھا اور اس شخص کے انداز میں ایک عجب سی بے تکلفی تھی۔

''برہان صاحب! میں آگاہ ہوں کہ آپ مجھے نہیں جانتے اور میں دل سے چاہتا ہوں کہ آپ کو مجھ سے آگہی حاصل ہو' تب ہی میں آپ کے بلاوے کے بغیر آپ کے گھر حاضر ہوا ہوں۔ میں نے جامعۃ الازہر سے اسلامک اسٹڈیز میں پی ایچ ڈی کی ہے۔ پہلے یونیورسٹی میں نوجوانوں کو دین کا علم سکھانے پر مامور تھا' آج کل ادھر لاہور میں ایک مدرسہ بنا رکھا ہے' جہاں معصوم بچوں کو یہی سب سکھایا کرتا ہوں۔''

وہ لمحہ بھر کو رکا تو برنی کے دل میں کچھ سوالوں نے سر اٹھایا مگر اس نے انہیں پوچھنا مناسب نہ سمجھا مگر حاتم واحدی شاید کچھ مافوق الفطرت قوتوں کا مالک تھا۔ وہ شستہ انگریزی میں کہہ رہا تھا۔

''میں جانتا ہوں آپ کے ذہن میں کچھ سوال ہیں' بے حد مشکل سوال جن کا جواب آپ کو نہیں مل

رہا۔ آپ بہت دن سے عجب سے شش و پنج میں مبتلا ہیں۔ فکر مت کریں برنی صاحب! میرے پاس آپ کے ہر سوال کا جواب ہے۔''

''آپ کا مسلک کیا ہے؟'' برنی نے اس کے خاموش ہو جانے پر دھیمی آواز میں استفسار کیا۔ حاتم واحدی یوں مسکرایا جیسے کسی بچے کے سوال پر بڑا مسکرا دے۔ ''میں اس چکر میں نہیں الجھتا۔ مسلک فرقے یہ سب رسول ﷺ کے بعد کی باتیں ہیں۔ ہمیں قرآن اور رسول ﷺ کے بتائے رستے پر چلنا چاہیے۔ یہ فرقہ بندی مسلک وغیرہ۔''

''حاتم صاحب! کوئی تو سچا ہو گا ان سب میں۔ میں سچ مچ الجھ کر رہ گیا ہوں کہ کس کی بات مانوں اور کس کی نہیں۔ عجب سے دوراہے پر کھڑا محسوس کرتا ہوں میں خود کو۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر بے چینی سے بولا۔ حاتم واحدی ایک دفعہ پھر مسکرایا۔

''اسلام ایک ہی ہے۔ یہ مسلک کا فرق بعد کے لوگوں کا ڈالا ہوا ہے۔''

''لیکن پھر بھی میں کس کو سچ سمجھوں۔ کس راہ پر چلوں؟'' جو آپ کو درست لگے بس وہی راہ اپنا لیجئے۔ میں ایک مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتا ہوں۔ میرے والد لاہور کی ایک مسجد میں امامت کے فرائض سرانجام دیا کرتے ہیں۔ انہوں نے میری تربیت اپنے مسلک کے مطابق کی پھر انہوں نے مجھے مصر بھیج دیا۔ وہاں مجھے اپنی تعلیم اور ریسرچ سے پتا چلا کہ والد صاحب غلطی پر ہیں۔ سو میں نے اپنی اصلاح کر لی۔ پاکستان آ کر والد صاحب کو مجھ میں غلطیاں نظر آنے لگیں۔ آہستہ آہستہ انہوں نے مجھے غیر مقلد کہنا شروع کر دیا۔ میں علم میں ان سے زیادہ تھا۔ میں نے ریسرچ کی تھی۔ میں ان کے ذہن سے ہر شک دور کرنے لگتا۔ جہاں میں دیکھتا والد صاحب کمزور پڑنے لگے ہیں اور انہیں غصہ آنے لگا ہے تو میں فوراً یہ کہتا۔

''ابا جان! ان باتوں میں الجھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ یہ باتیں مذہب کی اساس نہیں ہیں۔ ان میں اختلاف ہو سکتا ہے چونکہ بنیاد ایک ہی ہے۔ اس لیے فروعات میں نہیں الجھنا چاہیے۔''

حاتم واحدی لاہور میں رہتا تھا۔ وہ ایک ہفتہ کے لیے راولپنڈی آیا تھا۔ اس ایک ہفتے میں برنی نے اپنے ہر سوال کو اس سے پوچھ ڈالا۔ وہ ایک اسکالر انٹلکچوئل تھا۔ برنی کے ہر سوال کا اتنے بہتر انداز میں جواب دیتا کہ اس کے ذہن میں موجود شکوک و شبہات دور ہو جاتے۔ اس ایک ہفتے میں ان دونوں کی لمبی لمبی بحثیں ہوئیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ برنی کو سکون آ گیا۔ وہ جس بے چینی کا شکار تھا۔ وہ بے چینی ختم ہو گئی۔ ایک ہفتے بعد حاتم واحدی واپس لاہور چلا گیا مگر جاتے جاتے وہ برنی کے ذہن میں ایک اور خیال ڈال گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

''فینی! تمہیں لاہور کیسا لگتا ہے؟'' اس نے حاتم کے واپس جانے کے دو دن بعد اچانک فینی سے پوچھا۔

''اچھا ہے' ٹھیک ہے۔ کراچی جتنا بڑا نہیں ہے مگر گہما گہمی اور رونق میں اسی کے برابر ہے۔''

''ہم لاہور شفٹ ہو جائیں؟'' اس نے مدعا بیان کیا۔ فاطین کو حیرانی ہوئی۔

''وہاں شور بہت ہوتا ہے برنی! راولپنڈی ذرا پرسکون شہر ہے۔ ہم یہاں بہتر ہیں۔'' اس نے اسے سمجھانا چاہا۔

''میں اسی سکون سے تنگ آ گیا ہوں فینی! میرا دل چاہتا ہے میں کسی زندہ دل جگہ پر چل کے رہوں جہاں ہر طرف زندگی سانس لیتی نظر آئے۔''

وہ ضد کرنے والے انداز میں کہنے لگا۔ فاطین کیا کر سکتی تھی اس کے لئے برنی کی خواہش سب سے مقدم تھی۔ اس نے سوچا برنی لاہور جا کر مطمئن رہے سو انہوں نے راولپنڈی سے کوچ کرنے کا ارادہ کیا۔ برنی نے ریزائن کر دیا تھا۔ اگرچہ وہ انگلینڈ میں اپنے سارے اثاثے بیچ کر نہیں آیا تھا مگر اس کے پاس کافی رقم تھی جو وہ لاہور میں کسی اچھے کاروبار میں انویسٹ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے راولپنڈی والے گھر کا سارا سامان بک گیا۔ گھر کی قیمت لگ گئی تو وہ لاہور آ گئے۔ انہوں نے کرائے پر گھر لے لیا۔ حاتم واحدی ہر مرحلے پر اس کے ساتھ تھا۔ برنی حاتم واحدی کا بے حد مشکور تھا اس کی بدولت وہ ایک دفعہ پھر پرسکون ہونے کے قابل ہوا تھا۔ حاتم واحدی بھی برنی سے بہت خوش ہوا تھا۔ یہ پراجیکٹ اس کی زندگی کا آسان ترین پراجیکٹ تھا۔

☆ ☆ ☆

ہال فوٹوگرافرز اور رپورٹرز سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ تمام کیمروں کا فوکس برنی اور حاتم واحدی کی طرف تھا۔ وہ دونوں ایک سے لباسوں میں ملبوس نہایت شاندار لگ رہے تھے۔ حاتم واحدی کے بے حد اصرار پر یہ پریس کانفرنس بلائی پڑی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ میڈیا برنی کی لاہور آمد سے باخبر ہو جائے اور وہ لوگ جو برنی کو مسلک کے چکر میں الجھانا چاہتے تھے۔ وہ بھی جان جائیں کہ برنی آج کل راولپنڈی میں نہیں بلکہ لاہور میں ہے۔

برنی کے لیے یہ ایک کاروائی تھی جس سے وہ راولپنڈی اور اسلام آباد میں بھی گزرا تھا۔ اس نے ایک دفعہ پھر ان ہی سوالوں کے جواب دیے تھے جو اس سے بار بار پوچھے جاتے تھے اور جو اسے ازبر ہو چکے تھے۔ پہلے کی طرح سوال تھے اور پہلے کی طرح ہی جواب تھے۔ نیا اور دلچسپ اعلان تھا جو اختتام پر حاتم واحدی نے برہان احمد کا نام لے کر کیا۔ مزے کی بات یہ تھی کہ پریس کی طرح برنی بھی اس اعلان سے بے خبر تھا۔ حاتم واحدی کہنے لگا۔

''برہان صاحب نے اعلان کیا ہے کہ وہ لاہور میں ایک عالیشان مسجد اور مدرسہ بنانے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ مسجد فیصل مسجد سے زیادہ شاندار اور عالیشان ہوگی۔ عنقریب وہ اس پروجیکٹ پر کام شروع کرنے والے ہیں۔''

سارے ہال میں زور و شور سے تالیاں بجنے لگی تھیں۔ حاتم واحدی بھی سب میں شامل تھا۔ واحد برنی

تھا جو حیران و پریشان حاتم واحدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ بات یہ نہیں تھی کہ وہ مسجد بنانے میں دلچسپی نہیں رکھتا تھا۔ بات یہ تھی کہ حاتم واحدی نے مبالغہ آرائی سے کام لیا تھا۔ جو بات اس نے برنی کے حوالے سے کہی وہ بات برنی نے کبھی بھی حاتم سے نہیں کہی تھی۔ اس کے لیے یہ امر بہت تکلیف دہ تھا کہ حاتم واحدی بھی جھوٹ بولتا ہے۔

''یہ ضروری تھا برہان صاحب! وہ لوگ جو آپ کو اپنے اپنے مسلک سے منسلک کر لینا چاہتے ہیں ان کو خاموش کروانے کا یہ بہترین طریقہ ہے۔ وہ لوگ مسجد بننے تک اس انتظار میں رہیں گے کہ آپ خود کو کس مسلک سے منسلک کرتے ہیں۔''

حاتم واحدی کو یہ گر آتا تھا کہ اس نے برنی کو مطمئن کر لیا۔ اب برنی سارا دن گھر میں بیوی اور بچی کے ساتھ وقت گزارتا تھا۔ تمام رقم بینک میں ڈپازٹ کروا دی گئی تھی۔ فارغ اوقات میں حاتم واحدی کے پاس چلا جاتا اور وہاں اس کا وقت بہت اچھا گزر جاتا تھا۔ حاتم واحدی اس کے لئے سچ مچ فرشتہ ثابت ہوا تھا۔ ابلیس بھی ایک فرشتہ تھا اور حاتم واحدی بھی ایک فرشتہ ہی تھا۔

☆ ☆ ☆

نماز عصر کے بعد کا زیادہ وقت برنی حاتم کے پاس ہی گزارتا تھا۔ اس روز وہ مسجد میں اس کے پاس ہی بیٹھا تھا۔ یہ مسجد حاتم واحدی کے مدرسہ کے ساتھ ہی ملحق تھی۔ وہ دونوں حالات حاضرہ کو لے کر بحث کر رہے تھے۔

''جہاد تلوار سے ہی نہیں قلم سے بھی کیا جا سکتا ہے۔''

حاتم واحدی کہہ رہا تھا۔ اسی دوران ایک سوٹڈ بوٹڈ شخص جوتوں سمیت ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ وہ موٹا سا آدمی تھا زمین پر بیٹھنے کے باعث اس کے کوٹ کے بٹن کھل گئے تھے اور اس کی شرٹ پھٹنے کے قریب تھی۔ اس شخص نے بیٹھتے ہی اپنا تعارف کروایا۔

''میں ریحان اختر ہوں۔ میرا کارخانہ ہے اس کے علاوہ مرید کے میں ایک پولٹری فارم بھی ہے۔ بس جی اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔'' اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتا حاتم واحدی نے اسے ٹوک دیا۔

''ریحان اختر صاحب! مطلب کی بات کیجئے۔''

''وہ دراصل...... میں یہ نذرانہ لایا تھا۔ آپ کے لیے۔ قبول فرمایئے۔'' اس نے ایک عدد چیک برنی کی طرف بڑھایا۔ برنی چیک دیکھ کر متغیر سا رہ گیا جبکہ حاتم واحدی واضح طور پر پٹپٹایا۔

''آپ کو شرم آنی چاہیے ریحان صاحب! ہم یہاں نذرانے وصول کرنے کے لیے نہیں بیٹھے۔'' وہ اس پر غصے ہوتے ہوئے بولا۔ ریحان اختر کے لیے یہ رد عمل بہت نیا تھا۔ وہ پہلے بھی اس مسجد اور مدرسے کے لیے چندہ دیتا رہا تھا۔

''حاتم صاحب! آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ نے خود......''

''جلیل علی...... جلیل علی...... اختر صاحب کو لے جاؤ یہاں سے۔ جایئے اختر صاحب! آپ مہمان

خانے میں بیٹھئے جا کر۔ آپ مسجد میں بیٹھنے کے قابل ہی نہیں ہیں۔'' حاتم واحدی نے غصّے سے اس موٹے کی بات کاٹ دی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا جلیل علی نامی لمبا سا آدمی آیا اور اسے وہاں سے اٹھا کر لے گیا۔ حاتم واحدی نے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا تھا جو برنی دیکھ نہیں پایا۔ اس نے حاتم کو پہلی مرتبہ اتنے غصّے میں دیکھا تھا۔ ریحان اختر کے جانے کے بعد حاتم بہت غصّے میں تھا۔ ریحان اختر کے جانے کے بعد حاتم بہت دیر تک ''جاہل شخص جاہل شخص'' کہہ کر بڑبڑاتا رہا۔

☆ ☆ ☆

اس روز وہ مسجد میں اکیلا ہی بیٹھا تھا کہ ریحان اختر آ گیا۔ آج اس کا حلیہ بھی بہت بہتر تھا۔ شلوار قمیض میں ملبوس وہ بہت تھکا تھکا لگ رہا تھا۔ اس نے پہلے نماز ادا کی پھر برنی کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

''میرا بیٹا بیمار ہے۔ یہاں کے ڈاکٹر نے جواب دے دیا ہے۔ آپ میرے بیٹے کے لیے دعا کیجئے گا۔'' اس نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کہا۔

''اوہ بہت افسوس ہوا۔ تقدیر پہ کس کا زور ہے مگر میں ضرور دعا کروں گا۔ اللہ نے چاہا تو آپ کا بیٹا تندرست ہو جائے گا۔ آپ فکر مت کریں حاتم آئے گا تو اس سے بھی کہوں گا کہ وہ آپ کے بیٹے کے لیے دعا کرے۔ وہ اسلام آباد گیا ہوا ہے۔''

برنی نے اسے تسلی دینے والے انداز میں کہا۔ وہ شخص کچھ دیر تک برنی کو دیکھتا رہا پھر دھیمی آواز میں بولا۔

''آپ بہت معصوم ہیں برہان صاحب! اور وہ لوگ آپ کی معصومیت کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔''

''میں کچھ سمجھا نہیں۔'' برنی کے منہ سے اسی قدر نکل سکا۔

''آپ کا خیال ہے حاتم واحدی اسلام آباد میں ہے؟
کس دنیا میں رہتے ہیں آپ۔ ادھر ادھر کی کوئی خبر نہیں ہے آپ کو۔ حاتم لاہور میں ہے۔ میں ابھی اس سے اس کی ڈیفنس والی رہائش گاہ پر مل کر آیا ہوں۔''

برنی اس انکشاف پر ہکا بکا رہ گیا۔ حاتم نے خود اس سے کہا تھا کہ وہ دو دن کے لیے اسلام آباد جا رہا ہے۔ اور اس کا ارادہ اب ایک فلاحی تنظیم بنانے کا ہے جس میں وہ برنی کا تعاون بھی چاہتا تھا اور برنی یہ کام بخوشی کرنے کے لیئے تیار تھا۔

''یہ سب لوگ آپ کو مل کر بے وقوف بنا رہے ہیں۔ آپ جانتے ہیں ان لوگوں نے آپ کے نام پر آپ کی فلاحی تنظیم کے لیے صرف لاہور سے ایک کروڑ اڑتیس لاکھ کا چندہ اکٹھا کیا ہے۔''

اسے لگا جیسے ہر طرف آگ لگ گئی تھی مگر اس کے باوجود تاریکی اتنی گہری تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دے رہا تھا۔ وہ نڈھال قدموں کے ساتھ مسجد سے باہر آ گیا۔ مسجد سے گھر وہ کیسے پہنچا وہ خود بھی نہیں جانتا

تھا۔ فاطین اور مریم گھر میں نہیں تھیں۔ اس نے بیڈ روم کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ کمرے میں اس کے علاوہ کوئی موجود نہیں تھا۔ وہ اپنے اللہ کے سامنے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

☆ ☆ ☆

ہر طرف تاریکی تھی۔ اس نے ذرا سی آنکھیں کھولیں تو روشنی چھم چھم کرتی آنکھوں میں اتر آئی اور پوری آنکھیں کھولنے پر روشنی نے اس کی آنکھوں میں مستقل سکونت اختیار کرنا چاہی۔ اسے روشنی سے سخت نفرت محسوس ہوئی تو اس نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔

''برنی! تم ٹھیک ہو؟'' اس کے کانوں میں آواز سنائی دی۔ وہ بخوبی یہ آواز پہچانتا تھا۔ یہ آواز فاطین کی تھی۔ برنی کے خاموش رہنے پر وہ اس پر جھک آئی پھر اس کے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

''برنی! تم ٹھیک ہونا۔'' برنی نے جواب دینے کے بجائے اپنے سینے پر پڑے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ اس کا دل چاہا چیخ کر اس سے پوچھے کہ ''ساری دنیا جھوٹی ہے مجھے دھوکہ دیتی ہے۔ تم تو میرے ساتھ مخلص ہونا۔ تم بھی اگر مخلص نہ ہوئیں تو میں مر جاؤں گا۔ میرے پاس زندہ رہنے کا جواز نہیں بچے گا۔'' کوشش کے باوجود وہ یہ سب کہہ نہ پایا۔ اسے لگا اس کے پاس یہ توانائی کبھی نہیں آئے گی کہ وہ یہ سب اسے کہہ پائے۔ فاطین اس کی خاموشی پر گھبرا کر ڈاکٹر کو بلا لائی تھی۔ ڈاکٹر نے اسے چیک کرنا شروع کر دیا۔

''آنکھیں کھولیں برہان صاحب! آپ کی وائف کس قدر فکرمند ہیں آپ کے لیے۔ ایک ہفتہ بعد ہوش آیا ہے آپ کو۔ آنکھیں کھولیں شاباش۔ روشنی کو آنکھوں تک پہنچنے کا راستہ دیں۔'' یہ سب ضروری ہے آپ کے لیے۔'' ڈاکٹر اسے سمجھا رہا تھا۔

وہ جانتا تھا اس کے لیے کیا ضروری ہے۔ اس نے آنکھیں بند ہی رکھیں۔ نروس بریک ڈاؤن نے اس کا حلیہ ہی بگاڑ دیا تھا۔ اس کی رنگت میں زردیاں گھلنے لگی تھیں۔ ایک ہفتہ انتہائی نگہداشت میں رکھنے کے بعد اسے گھر بھیج دیا گیا تھا۔ ایک دفعہ پھر اس کے گھر پہ رش لگ گیا تھا۔ عیادت کرنے والے دن بھر اس کے گھر آتے جاتے رہتے اور وہ ہر ایک سے ملنے سے انکار کر دیتا۔ اس نے فاطین کو صاف منع کر دیا تھا کہ وہ کسی سے بھی ملنا نہیں چاہتا۔ وہ شخص جو کافی عرصہ سے باقاعدہ نمازیں پڑھ رہا تھا' کتنے ہی دن ہو گئے اس نے ایک نماز نہ پڑھی تھی۔ فاطین سورہ رحمٰن کی تلاوت کرتی تو وہ اس کے پاس سے اٹھ کر کہیں اور جا بیٹھتا اور خلاؤں میں گھورتا رہتا۔ ننھی مریم اس کے آس پاس منڈلاتی رہتی اور وہ ایک دفعہ بھی اس کی طرف مسکرا کر نہ دیکھتا۔ وہ جب مسلمان نہیں تھا تب بھی بہت ساری ایسی عادتیں اس نے اپنا رکھی تھیں جو اچھی عادات کے زمرنے میں آتی تھیں۔ شراب اور شباب کا رسیا ہونے کے علاوہ وہ کسی اور برائی کا شکار نہیں تھا۔ وہ کسی کا برا نہیں چاہتا تھا۔ اور خواہشمند تھا کہ کوئی اس کا برا نہیں چاہے۔ یہاں آ کر سب کچھ بدل گیا تھا۔ اس نے اتنے دھوکے کھائے تھے کہ زندگی سے نفرت ہو گئی تھی۔ وہ جو اس کی محبت تھی وہ اس کی ایک توجہ کو ترس گئی تھی۔ اس کی بیٹی اس کی عدم توجہی کا شکار تھی اور

اسے کوئی فرق ہی نہیں پڑتا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ ایک بند کمرے میں قید ہے' جہاں روشنی' ہوا' پانی کچھ نہیں۔ بہت سارے کتے ہیں جو گوشت کے لیے لڑ رہے ہیں' ایک دوسرے کو بھنبھوڑ رہے ہیں۔

''میرے لیے زندگی کو مزید مشکل مت کرو فینی! پلیز۔'' اس روز فینی اس کے پاس بیٹھ کر رونے لگی تو وہ بس اتنا ہی کہہ سکا۔

''تمہیں کیا ہو گیا ہے برنی! تم ایسے تو نہیں تھے۔ وہ اس کی زندگی، اس کے سامنے بیٹھی بلک رہی تھی اور پہلی مرتبہ اس کے آنسوؤں نے اس پر کوئی اثر نہیں کیا۔

''میں خود نہیں جانتا مجھے کیا ہو گیا ہے' مجھے کوئی چیز اچھی نہیں لگتی فینی! ہر چیز سے نفرت ہوتی جا رہی ہے مجھے۔ یہاں کوئی قابل اعتبار نہیں ہے۔ ہر شخص اپنے مفاد کے لئے آپ کا ہاتھ پکڑتا ہے۔ انسانیت کی کسی کو پروا نہیں ہے۔ آخرت کا ڈر نہیں ہے۔ کسی کے دل میں۔'' وہ اٹھ کر کھڑکی کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔

''میں نے جب اسلام قبول کیا تھا تو میں بہت بے خوف تھا۔ مجھے کسی کی پروا نہیں ہوتی تھی۔ کسی سے ڈر نہیں لگتا تھا۔ آہستہ آہستہ اللہ نے میرے دل میں اپنی محبت پیدا کر دی تو مجھے سب سے زیادہ ڈر بھی اللہ سے لگنے لگا تھا۔ کتنی حیرت انگیز بات تھی کہ جس سے محبت ہو اسی سے ڈر لگنے لگے لیکن...... لیکن اس ڈر میں لذت تھی ایک عجب سا سکون تھا۔ میں جب رات کو سوتا تو مجھے بہت سکون کی نیند آتی تھی۔ اللہ سے ڈرنے کا یہ فائدہ ہوا کہ مجھے اور کسی چیز سے ڈر نہیں لگتا تھا' موت سے بھی نہیں۔ اللہ سے تعلق بڑھا تو میں نے زندگی کا نیا رخ دیکھا۔ میں نے لمحہ لمحہ طمانیت اپنے اندر محسوس کی ہے۔ میں...... میں بدل گیا تھا فینی! میں نے اپنے ہر گناہ سے توبہ کر لی تھی۔ مجھے...... مجھے احساس ہوتا تھا کہ اللہ نے مجھے معاف بھی کر دیا ہے۔ میں جب اپنے دل میں جھانکتا تو مجھے احساس ہوتا تھا کہ وہاں اللہ کی رہائش ہے۔ میرے دل میں دو ہی تو خانے تھے' ایک اللہ کا اور ایک تمہارا۔ اب یہ دونوں خانے خالی ہیں۔ دونوں خانے خالی ہیں فینی!'' وہ خاموش ہو گیا تھا۔ اس کی آواز میں نمی کی آمیزش بخوبی محسوس کی جا سکتی تھی۔

''کچھ باقی نہیں بچا فینی! کچھ بھی نہیں سب ختم ہو گیا ہے۔''

''ایسے مت کہو برنی! ایسے مت کہو۔'' فینی نے التجا کی اور برنی نے یکدم رخ موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

''تم نے مجھ سے کہا تھا پاکستان میں آلودگی بہت ہے' تم نے سچ کہا تھا۔ یہاں بہت آلودگی ہے' لوگ دین کو پراگندہ کر رہے ہیں۔ اوپر سے لے کر نیچے تک' اتھارٹیز سے لے کر بنیاد تک ہر شخص اس میں ملوث ہے۔ یہاں لوگ آپ سے سب کچھ چھین لینا چاہتے ہیں۔ مجھ سے بھی...... مجھ سے بھی سب چھین لیا ہے انہوں نے۔ میرا رب بھی اور میری فینی بھی۔ اب میں خالی ہاتھ ہوں۔ کسی چیز کے چھن جانے کا ڈر نہیں ہے۔ تم نے بھی میرے ساتھ دھوکہ کیا فینی! تم نے بھی......'' وہ لمحہ بھر کو خاموش ہوا فینی چپ چاپ اسے سن رہی تھی۔

''تم نے مجھے سب کچھ بتایا تھا۔ پاکستان میں صفائی کا نظام ٹھیک نہیں ہے۔ پاکستان میں ٹریفک

کا نظام ٹھیک نہیں ہے۔ پاکستان میں عدلیہ کا نظام ٹھیک نہیں ہے۔ پاکستان میں پولیس کا نظام ٹھیک نہیں ہے۔ پاکستان میں یہ ٹھیک نہیں ہے' پاکستان میں وہ ٹھیک نہیں ہے۔ میں نے ہر چیز کے ساتھ کمپرومائز کیا۔ میں نے ہر چیز کو برداشت کیا۔ دین کے معاملے میں...... دین کھری چیز ہے۔ تم نے مجھے بتایا ہی نہیں کہ دین کو بھی آلودہ کر دیا ہے لوگوں نے۔ تم بتاؤ میں کہاں کہاں کمپرومائز کروں۔ میں کس کس کے دھوکے کا کاوئنٹ کروں فینی!''

''میں نے...... میں نے کوئی دھوکا نہیں کیا برنی! میں کہاں جانتی تھی کہ لوگ دین کو آلودہ کر رہے ہیں۔'' وہ ہارے ہوئے جواری کی طرح کہنے لگا۔

''میں سچ کہاں تلاش کروں فینی! کس سے کہوں میری رہنمائی کرے۔ میرا قصور کیا ہے۔ صرف یہ کہ میں ایک مبتدی (Novice) ہوں جس کو ہدایت چاہیے' جو یہ چاہتا ہے کہ لوگ اسے سچ بتائیں جس کے لیے قرآن کی زبان اجنبی ہے جسے قرآن سمجھنے کے لیے سیکنڈ ہینڈ ریسورسز کا استعمال کرنا پڑتا ہے۔ تم جانتی ہو یہاں میرے ساتھ کس طرح کا سلوک کیا گیا ہے۔ یہاں لوگ اللہ کا نام صرف دوسرے کو خوفزدہ کرنے کے لیے لیتے ہیں۔ ایک شخص کہتا ہے یہ نہ کرو' یہ گناہ ہے' اللہ ناراض ہو گا۔ اسی وقت ایک دوسرا شخص کہتا ہے کہ یہی کام بالکل ٹھیک ہے' اسے ضرور کرو' یہ تمہیں اللہ سے قریب کر دے گا۔ آپ کو بار بار اللہ کی ناراضی کا ڈراوا دیا جاتا ہے۔

اللہ اپنے بندوں سے کس طرح ناراض ہو سکتا ہے فینی! وہ نہیں ہوتا۔ وہ نہیں ہوتا فینی! لوگ کوشش کرتے ہیں کہ آپ کے دل میں اللہ کی محبت نہ ہو مگر خوف زیادہ ہو۔ خوف تو محبت کو کھا جاتا ہے۔ اگر ہم اللہ سے ڈرتے رہیں گے تو ہم اس سے محبت کیسے کریں گے۔

وہ اب زار زار رو رہا تھا۔

''ہم ایک اسلامی ملک میں کیوں آئے تھے فینی! ہم کس چیز کی تلاش میں آئے تھے۔ ہمیں کیا چاہیے تھا ہمیں یہاں کیا ملا فینی! ہم نے یہاں سے کیا پایا؟ کچھ نہیں کچھ بھی نہیں۔ ہمیں کچھ بھی نہیں ملا فینی! ہمارے پاس جو کچھ تھا وہ بھی کھو گیا ہے۔ اب ہم خالی ہاتھ ہیں، تہی داماں اور...... اور مفلس۔ اب ہم کیا کریں گے کون سا در کھٹکھٹائیں گے فینی! کس کے پاس جائیں گے کون سمیٹے گا ہمیں؟'' اب وہ دونوں مل کر رو رہے تھے۔

''ہمیں وہی سمیٹے گا برنی! جس نے پہلے سمیٹا تھا۔ وہی ہمارا سہارا ہے جو کبھی ہم کو اکیلا نہیں چھوڑے گا برنی! سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' فاطین چاہتی تھی کہ وہ کسی طرح تو امید کی طرف آئے۔

''برنی! میری بات سنو برنی! ہم کہیں اور چلتے ہیں' واپس انگلینڈ۔ نہیں کسی اور ملک میں جہاں یہ سب نہ ہو یہاں سے دور۔'' فاطین نے فیصلہ کر لیا تھا۔ برنی نے اسے خاموش نظروں سے دیکھا۔ وہ جانتا تھا اس کی بقا واپسی میں ہی ہے مگر وہ یہ بات خود سے فاطین سے کہہ نہیں سکتا تھا۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں برنی! ہم واپس چلتے ہیں۔ کبھی دوبارہ یہاں نہ آنے کے لیے۔''

فیصلے کی گھڑی سر پر آن کھڑی ہوئی تھی مگر یکدم ہی کسی احساس نے اسے بیدار کیا تھا اپنے مثبت اور حق پر ہونے کا احساس اسے متذبذب کر گیا تھا۔ فاطین کی اور اس کی قوت فیصلہ میں یہ ہی تو فرق تھا کہ وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔

کیا فرار اس مسئلے کا حل ہے؟ کیا میں ثابت قدم رہ کر حق کی روشنی تک نہیں پہنچ سکتا؟ میرا یقین اتنا پختہ کیوں نہیں ہے کہ میرے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں؟ غلطی تو پھر میری ہوئی نا! وہ اچانک ہی خود سے شرمسار نظر آنے لگا تھا۔ وہ جس راستے پر چل پڑا تھا اس میں مشکلات تو تھیں مگر اس جیسا توانا آدمی پہلے ہی مرحلے پر کمزور پڑ گیا تھا یہ کم از کم اس کے لئے شرمندگی کی بات تھی۔

نہیں فاطین! ہم کہیں نہیں جائیں گے۔ ہم یہیں رہیں گے اپنے ایمان اور اس یقین کے ساتھ جس اللہ نے ہمیں اس ہدایت کی ڈور تھمائی ہے۔ وہی ہمیں اس کی مضبوطی بھی عطا کرے گا۔ ہمارا عمل درست ہونا چاہیے اور ہدایت کی دعا سب کے لیے مانگنی چاہیے۔

''اس سال ہم حج بیت اللہ کی زیارت کو چل رہے ہیں۔'' وہ اچانک ہی پرسکون اور مطمئن نظر آنے لگا اور فاطین کی بھیگی آنکھوں میں بھی جگنو چمکنے لگے تھے۔

